مغنی المحتاج
إلی
شرح مقدمۃ مسلم بن الحجاجؒ
تالیف
خورشید احمد اعظمی قاسمی ندوی مدنی
(شیخ الحدیث) جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو
مکتبۃ احسان لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلماتِ تبریک

بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

محدّثِ کبیر دارالعلوم دیوبند

حامداً و مصلّیًا و مسلمًا. أمّا بعد!

مباحثِ حدیثیہ کی معرفت اور فن اسماء الرجال وغیرہ سے واقفیت کے تعلق سے مقدمہ صحیح مسلم کو نمایاں حیثیت اور واضح فوقیت حاصل ہے، صحیح مسلم کے منہج تالیف، صحت وضعف کے اعتبار سے احادیث کی تقسیم وانتخاب، روات کی اقسام کی مثالوں سے وضاحت، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غلط احادیث منسوب کرنے کی قباحت، ضعفاء ومتروکین سے اَخذ روایت کی ممانعت، عنعنہ کی حجیت، اور راوی ومروی عنہ کے درمیان لقا وسماع اور امکان لقا وسماع کی ضرورت سے متعلق ایسے امور پر یہ مقدمہ مشتمل ہے جو ایک مشتغل بالحدیث کے لیے ناگزیر ہیں۔

بایں ہمہ خصوصیات مقدمہ کی عبارت (جیسا کہ عام طور پر کتابوں کے مقدمات کی عبارتیں ہوا کرتی ہیں) عام عربی اسلوب سے ذرا الگ ہونے کی وجہ سے طلبہ واساتذہ کے لیے حل طلب اور غور وخوض کی متقاضی ہے، بطور خاص اردو داں طبقے کے لیے عبارت کی تحلیل وتشریح کا احساس ہر قاری کو ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مختلف علماء وشارحین نے اس مقدمے کی شروحات لکھی ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کو آسان تر اور مفید ترین بنانے کی کوشش کی ہے۔

{ کلماتِ تبریک }　　۲　　بحر العلوم حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب

زیر نظر شرح ''مغنی المحتاج شرح مقدمہ مسلم بن الحجاج'' بھی اسی زریں سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں فاضل مصنف مولانا خورشید احمد صاحب اعظمی قاسمی مدنی (سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم الدین، مئو) نے اپنی تین دہائیوں سے زائد عرصہ پر مشتمل صحیح مسلم کی کامیاب تدریس کے تجربات ومشاہدات کے موتی سلیس وعمدہ اسلوب میں پروئے ہیں، متن کے تحت اللفظ باوضاحت ترجمہ، حل لغات، اس میں مذکور رجال کے مختصر احوال، آسان فہم انداز میں عبارات وابحاث کی جامع تحلیل وتجزیہ، ضمنی مباحث کی عمدہ تشریح وتصفیہ، اور حوالہ جات سے مزین مآخذ نے شرح کو خاص وعام ہر ایک کے لیے نافع بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے، اور اس شرح کے فیضان کو عام وتام فرمائے، آمین یارب العالمین۔

نعمت اللہ اعظمی

نعمت اللہ اعظمی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

۸/صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ اس کتاب کے بارے میں

از: عالی مرتبت محترم مولانا ڈاکٹر ابو اللیث صاحب قاسمی خیر آبادی زید مجدہ
پروفیسر وچیر ہولڈر انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا

اسلامی علوم میں علم حدیث کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ ہر پڑھے لکھے شخص پر آشکارا ہے، حدیث کی کتابوں میں صحیح مسلم شریف کو جو اہمیت اور مقام حاصل ہے وہ علم حدیث سے شغف رکھنے والے کسی شخص پر مخفی نہیں، حدیث کی کتابوں میں بخاری شریف کے بعد دوسرے نمبر پر صحیح مسلم شریف کا ہی نام لیا جاتا ہے، اس کی تالیف میں امام مسلم علیہ الرحمۃ نے غیر معمولی کاوش واہتمام سے کام لیا ہے، انھوں نے کوشش یہ کی ہے کہ اس میں ان کا اپنا کلام نہ ہو، اسی وجہ سے انھوں نے اس کتاب کی ذہنی فقہی ترتیب کے باوجود ابواب اور ان کے عناوین نہیں لکھے، کہ یہ ان کا اپنا کلام ہوگا، امام مسلمؒ نے اس کتاب کو اپنے پاس محفوظ تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کرکے لکھا ہے، استاذ محمد فؤاد عبد الباقی کی ترقیم کے مطابق اس میں تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) احادیث ہیں، اور ڈاکٹر ملا خلیل کی ترقیم کی رُو سے چار ہزار چھ سو سولہ (۴۶۱۶) احادیث ہیں۔

امام مسلمؒ نے اس کتاب کی تصنیف میں یہ کوشش کی ہے کہ اس میں صرف ان احادیث کا ذکر کیا جائے جو ان کی شرائط کے مطابق صحیح ہوں، اس لئے انھوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں ان کا جو لائحۂ عمل ہے اسے مقدمہ کی شکل میں کتاب سے پہلے پیش کردیا جائے، چنانچہ انھوں نے ایک مفصل مقدمہ لکھا جس میں اپنے لائحۂ عمل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام مسلمؒ کے اس مقدمہ کی اہمیت اہل علم کے درمیان ہمیشہ مسلَّم رہی ہے، حدیث کے شارحین نے

ہمیشہ اسے اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے، اور جو کچھ امام مسلمؒ نے اس مقدمہ میں پیش کیا ہے اس کی گرہ کشائی اور شرح و توضیح کرتے رہے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم شریف کے شارحین نے مقدمہ کی شرح پر بطور خاص توجہ کی ہے، قاضی عیاضؒ (ت:۵۴۰ھ) نے اپنی شرح "إكمال المُعْلِم بفوائد مسلم" میں، ابو العباس قرطبی (ت:۶۵۶ھ) نے اپنی شرح "المُفهم لِما أشكل من تلخيص كتاب مسلم" میں، اور امام نوویؒ (ت:۶۷۶ھ) نے اپنی شرح "المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج" میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی (:۱۳۶۹ھ) نے اپنی شرح "فتح الملهم بشرح صحيح مسلم" میں اور شیخ محمد امین بن عبد اللہ العلوی الهروی (ت:۱۴۴۱ھ / ۲۰۱۹ء) نے اپنی شرح "الكوكب الوهّاج والروض البهّاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج" اور شیخ صفی الرحمن مبارکپوری (ت:۱۴۲۷ھ / ۲۰۰۶ء) نے اپنی شرح "منة المنعم في شرح صحيح مسلم" میں صحیح مسلم کے ساتھ ساتھ مقدمہ کی بھی شرح کی ہے۔

ان کے علاوہ صرف مقدمہ صحیح مسلم کی بھی عربی و اردو میں متعدد حضرات نے شرحیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر بطور مثال کافی ہے:

۱- شیخ محمد بن علی بن آدم إثیوبی (ت:۱۴۴۲ھ) نے "قرة عين المحتاج في شرح مقدمة صحيح مسلم بن الحجاج" کے نام سے اس کی عربی میں شرح کی ہے۔

۲- ڈاکٹر عبد الکریم بن عبد اللہ الخضیر (ت:۲۰۲۰ء) نے "شرح مقدمة صحيح مسلم" کے نام سے اس کی عربی میں شرح کی ہے۔

۳- مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (ت:۲۰۲۰ء) نے "فيض المنعم في شرح مقدمة صحيح مسلم" کے نام سے اس کی اردو میں شرح کی ہے۔

۴- مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی نے "نعمة المنعم بشرح مقدمة صحيح مسلم" کے نام سے اس کی اردو میں شرح کی ہے۔

۵- ایک پاکستانی عالم مولانا محمد حسین صدیقی نے "روضة المسلم في شرح مقدمة صحيح مسلم"

کے نام سے اس کی اردو میں شرح کی ہے۔

اس وقت میرے سامنے مقدمہ مسلم کی ایک اردو شرح ہے، جس کے لئے یہ چند کلمات لکھے گئے ہیں، اس کے شارح ہمارے محب وکرم فرما مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی ہیں، جو ایک عرصہ سے مدرسہ تعلیم الدین مئو میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس دے رہے ہیں، انھوں نے اس کا نام "مغنی المحتاج إلی شرح مقدمة مسلم بن الحجاج" رکھاہے، مولانا نے نہایت سہل اور آسان انداز میں شرح کی ہے پہلے تو انھوں نے مقدمہ کی عبارتوں کو چھوٹے چھوٹے پیراگراف میں تقسیم کیا، پھر ان کا لفظی ترجمہ کیا، پھر مشکل الفاظ کی شرح کی، اس کے بعد انھوں نے سلیس و شگفتہ اردو میں اس فقرہ کی تشریح و توضیح کی ہے، یہی طرز و انداز اخیر تک ہے، یہ کتاب تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، مؤلف موصوف نے اس کی شرح میں بڑی گراں قدر کوشش کی ہے اور جس حد تک اس کی تسہیل ممکن ہو سکتی تھی اس سے دریغ نہیں کیاہے، امید ہے کہ یہ شرح طلباء و اساتذہ دونوں کے لئے بیحد مفید ہوگی۔

اس میں میری ایک رائے یہ ہے کہ مقدمہ مسلم میں امام مسلمؒ نے جن مسائل کو بیان کیا ہے وہ ان جامد قسم کے مسائل میں سے ہیں جن میں زمانہ کے بدلنے سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے، کہ ہر دور میں اس کی ایک نئی شرح کی ضرورت پڑے، یقیناً مصنف موصوف کو ان اردو شروحات کا علم رہاہوگا جن کا ذکر کیا گیاہے، ان شروحات کی موجودگی میں انھوں نے اپنی شرح کے لکھنے کا سبب بیان کر دیاہوتا تو بہتر ہوتا، تاکہ اسے "إعادة ما قیل" نہ کہا جائے،

میری دعاہے کہ اس شرح کو قبول عام میسر ہو، اس سے بیش از بیش لوگ فائدہ اٹھائیں، اور اللہ تعالی اسے مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

(ڈاکٹر) محمد ابو اللیث خیر آبادی

۹/ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/جون ۲۰۲۱ء

کلمات تعارف

از: رفیق عالی قدر مولانا خورشید انور اعظمی قاسمی رفع اللہ منزلتہ
صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما امابعد:

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (۲۰۶ - ۲۶۱ھ) ایک عظیم محدث اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں، آپ نے علم حدیث سے متعلق بہت سی بیش قیمت کتابیں سپرد قلم کی ہیں، لیکن آپ کی ''صحیح مسلم'' کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اور صحاح ستہ میں صحیح بخاری کے بعد سب سے اہم اور مستند کتاب مانی گئی، حتی کہ اپنی واضح خصوصیات و امتیازات کے لحاظ سے اس کا مقام و مرتبہ اس درجہ بلند و بالا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کو صحیح بخاری پر فوقیت دی ہے۔

صحیح مسلم کی دیگر خصوصیات کے ساتھ اس کی ایک اہم اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں نہایت عرق ریزی کے ساتھ ایک جامع، پر مغز اور خالص علمی و فنی مقدمہ حوالۂ قلم کیا ہے، جس میں سبب تالیف کے علاوہ روایت و رواۃ سے متعلق اہم اور بنیادی اصول و قواعد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان باتوں کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے جو اصول و قواعد سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ساتھ ہی اپنے منہج و موقف کی مضبوط دلائل کے ساتھ بھرپور وضاحت بھی کی ہے۔

یہ مقدمہ اپنے اصول و قواعد کی جامعیت و اہمیت کے اعتبار سے جہاں ایک طرف اصول حدیث کے باب

میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے، وہیں دوسری طرف اس کی عبارت اس درجہ غامض و مغلق ہے کہ اس کا سمجھنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے، امام مسلمؒ بے تکلفی کے ساتھ اپنی بات کہے جاتے ہیں، نہ جملوں کے تکرار کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ ایجاز و اطناب کی، مبتدا اور خبر کے درمیان طویل جملہ معترضہ ہونے کے ساتھ ساتھ صلات و متعلقات بھی مقدم و مؤخر ہوا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے عبارت کا گرفت میں آنا آسان نہیں ہوتا۔

مقدمۂ مسلم کے اسی نامانوس اسلوب تحریر اور بمشکل قابو میں آنے والی عبارتوں کے پیش نظر ہر دور کے ممتاز اہل علم و قلم نے اس کی متعدد شرحیں لکھیں، اور اس کے معانی و مفاہیم کی توضیح و تشریح کرنے کی لائق صد ستائش خدمات انجام دیں، تاکہ طالبان علوم نبوت کے لئے اس سے استفادہ سہل اور آسان ہو جائے، چناچہ عربی زبان کے علاوہ اردو زبان میں بھی اس کی کئی شرحیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، جن کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے، تاہم علمی افادات کا زریں سلسلہ ہنوز جاری ہے، اور آج بھی بالغ نظر اساتذۂ حدیث اپنے علمی ذوق و مزاج کے مطابق مقدمۂ مسلم کی شرحیں لکھنے میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں، اور علم حدیث سے شغف رکھنے والے حضرات کے لئے علم و فن کی نئی جہتیں فراہم کرتے ہیں۔

رفیق محترم جناب مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم الدین مئو، ایک محقق عالم دین اور بالغ نظر استاذ حدیث ہیں، آپ نے صحیح مسلم کی تدریس کے دوران محسوس کیا کہ مقدمۂ مسلم کی ایک ایسی شرح سپرد قلم کی جائے، جس میں طلبہ کی نفسیات کا خاص خیال رکھا جائے، اور کوشش کی جائے کہ ترجمۂ و مطلب کو کچھ اس طرح بیان کیا جائے کہ طلبہ عبارت سے پورے طور پر مربوط ہو سکیں، اور مصنف کے مدعا کو سمجھنے میں بآسانی کامیاب و کامراں ہو سکیں، چنانچہ اسی علمی و دینی جذبہ کے تحت آپ نے مقدمۂ مسلم کی ایک عمدہ، مفید اور جامع شرح ''مغنی المحتاج'' کے نام سے تصنیف کی، اور مقدمہ کے اپنے طرز پر حل کرنے کی سعی محمود کی ہے، نیز اس کے معرکۃ الآراء مسائل پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے اپنے موقف کی بھرپور وضاحت بھی کی ہے، جس سے آپ کی محدثانہ بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف نے یہ شرح سترہ اٹھارہ سال قبل تصنیف کی ہے، اور اسی زمانہ میں راقم الحروف نے اس

کے مسودہ کو از اول تا آخر بغور دیکھا ہے، اور بہت سے مقامات پر ان سے باہم تبادلۂ خیال کر کے مطمئن ہونے کی کوشش کی ہے، راقم کا خیال ہے کہ یہ شرح اپنے مقصد کی تکمیل میں پورے طور پر کامیاب اور طالبان علوم نبوت کے لئے مفید و نافع ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائے، اور مؤلف کو اس عظیم علمی خدمت کا بہتر سے بہتر صلہ عنایت فرمائے، نیز مزید علمی خدمت انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

خورشید انور اعظمی

صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

۲۰۲۲/۱۱/۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

حدیث نبوی، مقام و مرتبہ:

شرعی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق ہر اس امر پر ہوتا ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو، آپ ﷺ، اللہ عزوجل کے رسول اور پیغامبر ہیں، اور آپ ﷺ کو ہی کتاب اللہ کی شرح و تفصیل اور بیان کا منصب عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہے" بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ "جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء اور رسولوں کو بھی واضح نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا، اور آپ ﷺ پر بھی ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کتاب میں لوگوں کے لئے نازل کی گئی تعلیم و شریعت کی وضاحت اور تشریح فرمادیں، اور تاکہ وہ لوگ اس میں غور و فکر (بھی) کریں، اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کے فرمودات مستند ہو جاتے ہیں، اسی لئے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو ہی بلکہ آپ ﷺ کے علم میں آئے کسی امر پر سکوت کو بھی دین اسلام میں کتاب اللہ کے بعد مصدر و مرجع کا مقام حاصل ہے" وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا "رسول تمھیں جو دیں اسے قبول کرو اور جس سے روک دیں اس سے باز آجاؤ (سورۃ الحشر)۔

جمع و تدوین:

احادیث نبویہ کی اس اہمیت اور اس مقام و مرتبہ کو آپ ﷺ کے اصحاب نے سمجھا، قبول کیا، اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو سننے، دیکھنے، محفوظ رکھنے اور دوسروں تک پہونچانے کا اہتمام کیا، چنانچہ عہد رسالت سے ہی آپ ﷺ کی احادیث کو یاد رکھنے کا اہتمام کرنے کے ساتھ بعض صحابۂ کرام نے آپ ﷺ کی احادیث کو آپ ﷺ کے علم میں ہوتے ہوئے ضبط تحریر میں لانے اور لکھنے کا بھی التزام کیا، جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہے، جس کے نتیجہ میں احادیث نبویہ کے متعدد صحیفے حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی وجود میں آ گئے تھے، کتابی شکل میں احادیث نبویہ جمع کرنے والوں میں نمایاں نام سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ہے، اور ان کے علاوہ جن صحابۂ کرام کے پاس مکتوب شکل میں اپنی جمع کی ہوئی احادیث نبویہ موجود تھیں ان میں سیدنا ابو بکر صدیق، اسید بن حضیر، انس بن مالک اور عبد اللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم کے نام بطور مثال ذکر کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی ان صحائف احادیث کا وجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث: "**لا تكتبوا عني، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه، وحدثوا عني ولا حرج، ومن كذب عليَّ – قال همام: أحسبه قال – متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**" (صحیح مسلم: حدیث ۳۰۰۴) کے مفہوم ومنشاء کو بھی واضح کرتا ہے کہ یہ نہی وممانعت نہ عام تھی اور نہ دائمی، بلکہ عہد رسالت میں عوام صحابہ کے لئے بطور احتیاط کے تھی، تاکہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائیں، اور مستشرقین ومنکرین احادیث کے اس اعتراض - کہ احادیث کی کتابت کا وجود دو سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد ہوا ہے، اس سے قبل احادیث زبانی طور پر منقول ہوتی رہی ہیں، جس میں نسیان کا احتمال ہے لہذا یہ قابل اعتماد نہیں ہیں - کو بھی باطل کرتا ہے، کتابت حدیث کے موضوع کی بسط وتفصیل کے ساتھ معلومات کے لئے، مولانا ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی رحمہ اللہ کی بیش قیمت، شاہ فیصل ایوارڈ یافتہ تصنیف "دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ" حدیث کے ہر طالب علم کو ضرور دیکھنی چاہیئے۔

عہد نبوی میں ہی ان صحائف حدیث کے وجود سے ظاہر ہے کہ عہد نبوت سے ہی احادیث نبویہ کی کتابت کا آغاز ہو چکا تھا، انفرادی طور پر جمع وتدوینِ حدیث کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور عہد صحابہ کے اختتام سے پہلے ہی امیر مصر عبد العزیز بن مروان اموی رحمہ اللہ نے اپنے دور امارت (۶۵ تا ۸۵ھ) میں کثیر بن مرۃ حضرمی رحمہ اللہ کو یہ حکم کیا کہ وہ صحابہ کرام سے اپنی مسموعات (سنی ہوئی احادیث) کو جمع کریں "**فكتب إليه أن يكتب إليه بما سمع من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من أحاديثهم إلا حديث أبي هريرة رضي الله عنه فإنه عندنا**" انھوں نے ان کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے سنی ہوئی احادیث لکھ کر مجھے ارسال کریں سوائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں (السنۃ قبل التدوین: ص ۳۷۳، سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۲، کثیر بن مرۃ)، سرکاری سطح پر یہ پہلا حکمنامہ تھا جو محدود تھا، اس

کے بعد جب صحابہ کا دور اختتام کے قریب ہوا، نیز اسلامی سلطنت کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا، تو سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ (۶۳-۱۰۱ھ) نے اپنے عہد خلافت میں سرکاری طور پر ہمہ جہات میں محدثین و علماء کو عام حکمنامہ ارسال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے (فتح الباری: ۱/۱۹۵)۔

اس حکم کی تعمیل کی گئی، ابو بکر بن حزمؒ (متوفی ۱۱۷ھ) جو خلیفۂ وقت کی طرف سے مدینہ منورہ کی امارت پر مامور تھے، اور امام زہری محمد بن مسلم بن شہابؒ (۵۱-۱۲۳ھ) نے خاص طور سے اہل مدینہ کی احادیث و سنن اور آثار صحابہ کو جمع کیا، اگلے چند برسوں میں دوسری صدی ہجری تمام ہونے سے بہت پہلے ہی متعدد لوگوں کی کاوشیں وجود میں آگئیں، جن میں عبد الملک بن عبد العزیز بن جریجؒ (۱۵۰ھ) اور عبد اللہ بن زبیر حمیدیؒ (۲۱۹ھ) مکہ مکرمہ میں، مالک بن انسؒ (۹۳-۱۷۹ھ) اور محمد بن اسحاقؒ (۱۵۱ھ) مدینہ منورہ میں، ربیع بن صبیحؒ (۱۵۰ھ)، سعید بن ابی عروبہؒ (۱۵۶ھ) اور حماد بن سلمہؒ (۱۶۷ھ) بصرہ میں، سفیان ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ) کوفہ میں، معمر بن راشدؒ (۹۱-۱۵۳ھ) یمن میں، عبد الرحمن بن عمرو اوزاعیؒ (۸۸-۱۵۷ھ) شام میں، عبد اللہ بن مبارکؒ (۱۱۸-۱۸۱ھ) خراسان میں اور عبد اللہ بن وہبؒ (۱۲۵-۱۹۷ھ) مصر میں سرفہرست اور قابل ذکر ہیں، مرور ایام کے ساتھ دیگر علوم کی طرح احادیث رسول ﷺ کی جمع وترتیب اور تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ بھی تہذیب و تنسیق اور تفنن و تنوع میں اپنے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے تیسری صدی ہجری جسے کتب احادیث کی تصنیف و تالیف کا زریں دور کہا جاتا ہے اس کے آخر ہوتے ہوتے اپنے عروج و کمال کو پہونچا جس میں کتب حدیث کی متعدد انواع و اقسام—جوامع، سنن، مسانید، صحاح اور کتبِ موضوعات وغیرہ—وجود میں آئیں۔

صحیح مسلم:

ان کتب حدیث میں ایک اہم اور مشہور کتاب صحیح مسلم ہے، جس کا پورا نام "**المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ**" ہے، یہ کتاب مرفوع صحیح احادیث کا ایک جامع ذخیرہ ہے، جس میں اس کے مؤلف نے فنون و اصناف حدیث کی سبھی اقسام ثمانیہ - (۱) عقائد (۲) احکام (۳) سِیَر و مغازی (۴) آداب (۵) تفسیر (۶) مناقب و فضائل (۷) اشراط و فتن (۸) زہد و رقاق (ترغیب و

ترہیب)- کو انتہائی عمدہ ترتیب پر، اسانید صحیحہ کے ساتھ، کثرت تکرار سے احتراز کرتے ہوئے ایک ہی مضمون کی متعدد سند سے مروی احادیث کو بلا تقطیع و اختصار اس طرح یکجا کر دیا ہے، کہ سند یا متن میں الفاظ کے فرق و اختلاف سے، مختصر اور جامع انداز میں ایک دوسرے کی تشریح یا ابہام کی وضاحت ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے ایک ہی مضمون کی حدیثوں کا متعدد سندوں سے تکرار بھی فائدہ سے خالی نہیں رہا، ایک ہی حدیث متعدد روایات میں الفاظ میں یکجا پیش نظر ہونے سے حدیث کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اس کتاب میں مذکور احادیث کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں، بلخ و بصرہ کے اسفار میں امام مسلمؒ کے رفیق سفر احمد بن سلمہ کے بقول (مع تکرار) بارہ ہزار اور بقول ابو حفص عمر بن عبد المجید میانجی (ت۵۸۱ھ) آٹھ ہزار اور بغیر تکرار چار ہزار ہے، اور شیخ محمد فؤاد عبد الباقی کے احصاء اور شمار کے مطابق تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳)، اور مکرر احادیث کے ساتھ حسب شمار فؤاد عبد الباقی پانچ ہزار سات سو اٹھہتر (۵۷۷۸) ہے، واضح رہے کہ احادیث کے شمار میں یہ امر بھی ملحوظ ہوتا ہے کہ کوئی حدیث ایک راوی کے فرق سے دوسری سند سے منقول ہو تو ہر ایک کو مستقل روایت قرار دیا جاتا ہے اور اسے دو حدیث شمار کیا جاتا ہے، خواہ دونوں کے الفاظ متفق ہوں یا کچھ فرق کے ساتھ "**قُلْتُ: يَعْنِي بِالْمُكَرَّر، بِحَيْث إِنَّهُ إِذَا قَالَ: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَأَخْبَرَنَا ابْنُ رمح يُعدَّان حَدِيْثَيْنِ، اتَّفَقَ لَفْظُهُمَا أَوِ اخْتَلَف فِي كَلِمَة.**" (سیر اعلام النبلاء:۱۲/ ۵۶۶)

اس کے مؤلف امام مسلمؒ نے ان احادیث کا انتخاب اپنے شیوخ سے سنی ہوئی تین لاکھ احادیث سے کیا ہے، اور کسی کتاب یا باب کا عنوان قائم کئے بغیر حسن سیاق اور تسلسل کا لحاظ کرتے ہوئے فقہی ابواب کی ترتیب پر اس انداز سے تالیف کیا ہے کہ پڑھنے والا اپنے ذوق کے مطابق خود عنوان قائم کر لے، مطبوعہ کتابوں میں مذکور عناوین بقول راجح، اس کتاب کے شارح امام محی الدین یحییٰ بن شرف نوویؒ کے قائم کئے ہوئے ہیں، مؤلف کتاب نے ایسا اس مقصد کے پیش نظر کیا کہ ان کی یہ کتاب دیگر لوگوں کے اقوال سے خالی، محض رسول اللہ ﷺ کی صحیح، مرفوع احادیث پر ہی مشتمل ہو، اس لئے اقوال صحابہ و تابعین کے ساتھ خود اپنے کلام سے بھی اس کو خالی اور شفاف رکھا، اس کتاب کی تالیف پندرہ سال سے زائد عرصہ میں مکمل ہوئی۔

صحیح مسلم کا شمار صحاح اور جوامع میں:

کتب احادیث کی اصطلاح میں اس کتاب کا شمار صحاح اور جوامع میں ہوتا ہے، صحاح جمع ہے صحیح کی، اور اس کا اطلاق حدیث کی اس کتاب پر کیا جاتا ہے جس میں اس کے مؤلف نے ثقہ و معتبر رواۃ کی متصل سند سے مروی، علل وشذوذ سے صاف ستھری محض صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہو، چنانچہ صحیح مسلم میں یہ صفات ملحوظ ہیں، اور اس کا شمار بالاتفاق صحاح میں کیا گیا ہے۔

اور **جامع**، حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اس کے مؤلف نے حدیث کی تمام اصناف ثمانیہ کو جمع کیا ہو، جیسے جامع صحیح بخاری، بعض اکابر علماء نے صحیح مسلم کو جامع نہیں مانا ہے، ہندوستانی علماء میں شاہ عبد العزیزؒ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ صحیح مسلم میں تفسیر کی احادیث بہت قلیل ہیں۔ (عجالہ نافعہ: ص ۱۹) مگر صاحب القاموس المحیط، حاجی خلیفہ (کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون: ۱/ ۵۵۵) اور ملا علی قاری (مرقاۃ: ۱/ ۱۷) وغیرہ نے صحیح مسلم پر جامع کا اطلاق کیا ہے، صاحب قاموس سے منقول ہے "**قرأت بحمد الله جامع مسلم**علیہ الرحمۃ-------**الخ**" (مقدمہ فتح الملہم: ص ۱۰۵)، اور اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ کسی کتاب کے جامع ہونے میں حدیث کی جمیع اصناف ثمانیہ کے اس میں پائے جانے کا اعتبار ہے، قلت و کثرت کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ قلت و کثرت ایک اضافی شئے ہے، اس کا کوئی متعین معیار نہیں ہے، صحیح مسلم میں تفسیر کی احادیث کے کم ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں صرف احادیث صحیحہ مرفوعہ کا ذکر کیا گیا ہے، صحابہ و تابعین اور ائمہ لغت کے اقوال سے تعرض نہیں کیا گیا ہے، اس کے برعکس صحیح بخاری میں کثرت کے ساتھ صحابہ و تابعین اور اہل لغت کے اقوال بھی جمع کئے گئے ہیں، اس لئے صحیح بخاری میں "کتاب التفسیر" کی ضخامت بنسبت صحیح مسلم بہت زیادہ ہے۔

کتب حدیث میں صحیح مسلم کا مقام:

کتب حدیث میں صحت اسناد کے اعتبار سے جمہور کے نزدیک پہلا مقام صحیح بخاری کو حاصل ہے، اور اس کے بعد صحیح مسلم کا مرتبہ ہے، جبکہ ابو علی نیشاپوری کا قول ہے کہ (کتاب اللہ کے بعد) اس آسمان کے نیچے صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں (نزہۃ النظر)، مگر جودت ترتیب، حسن سیاق، جامعیت و اختصار کے اعتبار سے

تواس کتاب کو تمام کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہے ،(بستان المحدثین فارسی ص ۱۰۴)، اس کا اعتراف حافظ ابن حجرؒ نے بھی کیاہے،(نزہۃ النظر)، تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:" **قلت حصل لمسلم في كتابه حظ عظيم مفرط لم يحصل لأحد مثله بحيث أن بعض الناس كان يفضله على صحيح محمد بن إسماعيل وذلك لما اختص به من جمع الطرق وجودة السياق والمحافظة على أداء الألفاظ كما هي، من غير تقطيع ولا رواية بمعنى وقد نسج على منواله خلق عن النيسابوريين فلم يبلغوا شأوه،وحفظت منهم أكثر من عشرين إماما ممن صنف المستخرج على مسلم فسبحان المعطي الوهاب**"میرا کہناہے کہ مسلمؒ کوان کی کتاب میں زبردست، عظیم فضیلت حاصل ہے جس کے مثل کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اس طور پر کہ بعض لوگ اس کو محمد بن اسماعیل (بخاریؒ) کی صحیح پر فضیلت دیتے ہیں،ان امور کی وجہ سے جو اسی کے ساتھ خاص ہیں، یعنی(متعدد)سندوں کا جمع کردینا، اور سیاق وسباق کی عمدگی، اور (حدیث) کی تقطیع واختصار اور بالمعنی روایت کے بغیر ہو بہو الفاظ کی ادائیگی کا اہتمام والتزام، اور بسیار نیشاپوری محدثین نے ان کے طرز پر لکھا مگر ان کے قریب بھی نہ پہونچ پائے، اور ان میں سے بیس سے زائد لوگوں کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے صحیح مسلم پر مستخرج کی تصنیف کی ہے، تو پاک ہے وہ ذات جو دینے اور ہبہ کرنے والی ہے،(اپنے فضل سے جسے چاہتاہے نوازتا ہے)،(تہذیب التہذیب:۱۰/۱۲۷)، صحیح مسلم کی خصوصیات کو درج ذیل نقاط میں بیان کیاجاسکتاہے:

۱- کتاب میں خطبہ کے بعد محض احادیث مرفوعہ صحیحہ کا ذکر کیاگیاہے۔

۲- ایک ہی مضمون کی متعدد الفاظ میں مذکور متعدد طرق سے مروی احادیث یکجا کردی گئی ہیں۔

۳- کسی حدیث کی روایت میں راویوں کے مابین الفاظ کے فرق واختلاف کو واضح کردیاگیاہے۔

۴- احادیث کو تقطیع واختصار کے بغیر مکمل ذکر کرنے کا اہتمام کیاگیاہے۔

۵- سند میں مذکور راوی کے ابہام کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶- متعدد شیوخ سے مروی روایات میں صیغۂ روایت حدثنا اور اخبرنا کے اختلاف کو بھی واضح کیاگیاہے۔

۷- احادیث کی وضع وترتیب عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے، جس سے احادیث کے ربط وفہم میں مدد ملتی ہے۔

۸- ان مذکورہ امور کے بیان میں جامعیت اور غیر مخل اختصار سے کام لیاگیاہے۔

امام مسلمؒ:

صحیح مسلم کے مؤلف کا نام مسلم بن حجاج بن مسلم، کنیت ابو الحسین ہے، اور وطن نیشاپور ہے، سن ولادت کے بارے میں ۲۰۲، ۲۰۴ اور ۲۰۶ھ تینوں اقوال منقول ہیں مگر صحیح اور راجح، قولِ اخیر ۲۰۶ھ ہے، اور تاریخ وفات ۲۵ / رجب ۲۶۱ھ ہے، اس لحاظ سے تقریباً پچپن سال کی عمر پائی۔

شیوخ واساتذہ:

امام مسلمؒ نے سماعت حدیث کے لئے متعدد بلاد - عراق، حجاز، شام، مصر اور بغداد وغیرہ - کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیثیں سنیں، چنانچہ ان کے اساتذہ میں یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ، قتیبہ بن سعید، قعنبی، احمد بن حنبل، شیبان بن فروخ، حرملہ بن یحییٰ، سعید بن منصور، ابو بکر بن ابو شیبہ، عثمان بن ابو شیبہ، محمد بن مثنی، محمد بن یسار، محمد بن مہران اور ان کے علاوہ بہت سارے محدثین ہیں، امام بخاریؒ بھی آپ کے شیوخ میں شمار کئے جاتے ہیں، مگر حتی الوسع جستجو کے باوجود کتب تراجم میں صحیح مسلم کی تالیف سے قبل امام بخاریؒ کے ساتھ امام مسلمؒ کی لقاء کا ذکر نہیں ملا، امام بخاریؒ کے ساتھ امام مسلمؒ کی ملاقات کا ذکر اسی موقع سے ملتا ہے جبکہ امام بخاریؒ ۲۵۰ھ میں نیشاپور آئے، اور غالب یہ ہے کہ امام مسلمؒ اس وقت اپنی صحیح کی تالیف سے فارغ ہو چکے تھے۔

امام مسلمؒ نے اپنے وطن کے مشہور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی سے بھی احادیث کی سماعت کی ہے، مگر جب امام بخاریؒ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا تو امام مسلمؒ اپنے شیخ سے ناراض ہو گئے اور ان سے اپنی مسموعات ان کو واپس کر دیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی ناراضگی کے باعث امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ان سے حدیث کی کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے، مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ ۲۵۰ھ میں پیش آیا جبکہ امام مسلمؒ اپنی صحیح کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلمؒ میں امام بخاریؒ سے بھی کوئی روایت مذکور نہیں ہے۔

تلامذہ:

امام مسلمؒ کے تلامذہ کی تعداد بھی کثیر ہے جن میں نمایاں نام ابو عیسی ترمذی، ابو الفضل احمد بن سلمہ، محمد بن مخلد، ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی (۲۳۱-۳۱۶ھ)، ابو محمد بن ابو حاتم رازی، محمد ابن اسحاق الفاکہی وغیرہ

کے ہیں، نیز امام مسلمؒ سے ان کی صحیح کے راوی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوریؒ جن کے بارے میں امام نوویؒ نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:" **قال الحاكم كان ابراهيم بن سفيان من العباد المجتهدين ومن الملازمين لمسلم بن الحجاج وكان من أصحاب أيوب بن الحسن الزاهد صاحب الرأى يعنى الفقيه الحنفى سمع ابراهيم بن سفيان بالحجاز ونيسابور والرى والعراق قال ابراهيم فرغ لنا مسلم من قراءة الكتاب فى شهر رمضان سنة سبع وخمسين ومائتين قال الحاكم مات ابراهيم فى رجب سنة ثمان وثلاثمائة رحمه الله ورضى عنه**" ابراہیم بن سفیان صالح، عابد وزاہد مستجاب الدعوات فقیہ و محدث ہیں، فقہ حنفی پر عامل تھے، متعدد اسفار میں امام مسلمؒ کے ساتھ رہے ہیں، ۲۵۷ھ میں امام مسلم سے صحیح مسلم کی سماعت سے فراغت حاصل کی اور رجب ۳۰۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

امام کے بارے میں ائمۂ فن کے اقوال:

محدثین اور مصنفین کتب حدیث کے درمیان امام مسلمؒ کا مرتبہ و مقام ان کی حیات سے ہی مسلّم و مشہور رہا ہے، اسحاق بن منصور نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا: "**لن نعدم الخير ما أبقاك الله للمسلمين**" جب تک اللہ آپ کو مسلمانوں کے لئے باقی رکھیں گے ہم خیر سے محروم نہیں ہونگے، بندار کا قول ہے: حفاظ (حدیث) چار ہیں، ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل، دارمی اور مسلم رحمہم اللہ (تہذیب التہذیب)، اسحاق بن راہویہ نے امام مسلمؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ کتنے عظیم مرتبہ کا حامل ہوگا، ابو عمرو بن حمدان کہتے ہیں میں نے ابن عقدہ (۲۴۹-۳۳۲ھ) سے دریافت کیا: بخاری اور مسلم میں زیادہ حافظ کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: محمد بھی عالم ہیں اور مسلم بھی عالم ہیں، پھر میں نے اس سوال کا کئی بار اعادہ کیا تو کہا: "**يَا أَبَا عَمْرٍو، قَدْ يَقَع لمُحَمَّد الْغَلَط فِي أَهْل الشَّام، وَذَلِكَ أَنَّهُ أَخذ كتبهُم، فَنَظَر فِيْهَا، فَرُبَّمَا ذكر الوَاحِد مِنْهُم بِكُنْيَتِهِ، وَيذكره فِي مَوْضِع آخر بِاسْمه، يتوهُم أَنَّهُمَا اثْنَانِ، وَأَمَّا مُسْلِم فَقَلَّمَا يَقَع لَهُ مِنَ الْغَلَط فِي العِلَل، لأَنَّه كتب المسَانيد، وَلَمْ يَكْتُب المقَاطيع وَلاَ المرَاسيل قُلْتُ: عَنَى بِالمقَاطيع أَقْوَال الصَّحَابَة وَالتَّابِعِيْنَ فِي الفِقْهِ وَالتَّفْسِيْر**"۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ: ۲/۵۸۹)، اے ابو عمرو! محمد (بن اسماعیل بخاریؒ) سے اہل شام کے رواۃ میں کبھی چوک ہو جاتی ہے، اور یہ اس سبب

سے کہ انھوں نے ان کی کتابوں میں نظر کی، تو کبھی ایک ہی راوی کو ایک مقام پر کنیت سے ذکر کیا، اور اسی کو دوسرے مقام پر نام سے ذکر کیا،اس وہم میں کہ یہ دونوں دو راوی ہیں، اور رہے امام مسلم تو علل میں ان سے غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لئے کہ انھوں نے مسند احادیث کو لکھا ہے مقاطیع و مراسیل کو نہیں لکھا ہے، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انھوں نے مقطوع سے مراد لیا ہے فقہ و تفسیر میں اقوال صحابہ و تابعین کو۔

اس کے علاوہ بھی متعدد ائمہ سے ان کے بارے میں منقول کلمات تحسین، کتب تراجم میں دیکھے جاسکتے ہیں، اور ان کی کتاب صحیح کے منظر عام پر آجانے کے بعد ان کے حسن انتخاب و عمدگی ترتیب و تنسیق کے پیش نظر تو سبھی اہل علم ان کے فضل و کمال کے قائل و معترف ہیں، شارح صحیح مسلم امام نوویؒ کے عظیم کلمات ابتداء شرح میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

تصانیف:

امام مسلمؒ کی تصانیف میں جس کتاب سے ان کو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ صحیح مسلم ہے، اس کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف بھی ہیں، جیسے: "المسند الکبیر علی الرجال"، "کتاب الجامع علی الابواب"، "کتاب الاسماء و الکنی"، "کتاب التمییز"، "کتاب العلل"، "کتاب الافراد"، "کتاب من لیس لہ الا راو واحد"، "کتاب المخضرمین"، "کتاب اوہام المحدثین"، "کتاب الطبقات"، "کتاب افراد الشامیین"، "مقدمہ صحیح مسلم" وغیرہ۔

مقدمہ صحیح مسلمؒ:

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح سے پہلے اس کا ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے، جو عام طور سے صحیح مسلم کی طباعت کے ساتھ چھپا ہوا ہے، اس مقدمہ میں انھوں نے وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ ظاہر کی ہے کہ کسی عقید تمند نے ان سے رسول اللہ ﷺ سے منقول جمیع اصناف حدیث کا بلا تکرار مجموعہ تیار کرنے کی درخواست کی، دوسرا سبب ایسے لوگوں کی بے احتیاطی ہے جو اپنے کو عوام کے سامنے ایک محدث کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور ان ناواقف عوام کے سامنے محض اس لئے کہ انھیں محدث کبیر اور عالم مانا جائے ضعیف، منکر بلکہ موضوع روایات کو بھی ان کے ضعیف یا موضوع ہونے کو ظاہر کئے بغیر بیان کرتے ہیں اس لئے انھوں نے چاہا کہ

عوام کے سامنے صرف صحیح احادیث کا ایک مجموعہ آجائے جو ان کے لئے نفع بخش اور قابل عمل ہو۔

نیز اس مقدمہ میں انھوں نے اپنی صحیح کے منہج اور طرز تالیف کی بھی وضاحت کی ہے کہ حدیث یا اس کی اسناد ذکر کرنے میں بلا فائدہ تکرار نہیں ہو گا، مرفوع، صحیح حدیثیں ہی ذکر کی جائیں گی، متہم اور مجروح راویوں کی حدیثیں بیان نہیں کی جائیں گی، اسی لئے رواۃ کو تین طبقات میں تقسیم کی بات کی ہے، اور اس کتاب میں پہلے اور دوسرے طبقہ کی حدیثیں ذکر کی ہیں، جو عدل وضبط کے لحاظ سے فرق مراتب کے باوجود قابل قبول رہے ہیں، اور تیسرا طبقہ جو مجروح، منکر، متہم اور متروک رواۃ کا ہے ان کی حدیثیں اس کتاب میں شامل نہیں کی ہیں۔

رواۃ حدیث میں ضعیف اور متہم رواۃ پر نقد، اور ان کو ضعیف، متہم، مجروح، منکر اور کذاب کہنا بظاہر ایک مسلمان فرد کی غیبت معلوم ہوتی ہے جو شرعاً ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے، مگر کسی راوی کی غلط بیانی سے حدیث رسول کا مشکوک ہونا شریعت کے مشکوک ہونے کے مرادف ہے، جس کا ضرر عام اور وسیع ہے، اس لئے رواۃ حدیث پر جرح کے جواز، اور اس کے غیبت یا غیبت ممنوعہ نہ ہونے کی وضاحت کے لئے وجہ تالیف اور منہج کتاب کے ذکر کے بعد، شریعت میں مقام حدیث نیز رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی امر کی نسبت کی نزاکت اور جھوٹی نسبت کے مضرات کی جانب توجہ دلائی ہے، اور آپ سے نقل حدیث میں محتاط رہنے، اسناد کی اہمیت، ہر کس و ناکس سے حدیث نہ سننے، اور نہ ہر کسی کے سامنے بیان کرنے اور ثقہ رواۃ سے ہی روایت لینے اور نقل کرنے کی تاکید کی ہے، اور اس موضوع کو کچھ تفصیل سے مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر رواۃ حدیث میں سے کوئی راوی ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے حدیث کی صحت پر اثر پڑتا ہے تو اس راوی کے عیب کو اور اس کے مجروح ہونے کو بیان اور مشتہر کیا جائے گا، خواہ وہ کتنا ہی دیندار اور عبادت گزار یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور یہ غیبت میں شمار نہیں ہو گا، کیونکہ رواۃ حدیث کے اس عیب کو بیان کرنے سے جس کی وجہ سے اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے، انفرادی ضرر کی بنسبت اجتماعی مفاد، یعنی غیر رسول کے اقوال سے حدیث رسول ﷺ کی تخلیط و تلبیس سے حفاظت، اور دوسروں تک صحیح احادیث پہونچانے اور اس پر عمل کا مفاد وابستہ ہے، ظاہر ہے کہ دین اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ایسے لوگوں کے عیب سے بقدر ضرورت لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

اور اخیر میں فن حدیث کے اہم موضوع "عنعنہ" کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اسے کچھ معروف شرطوں کے ساتھ اتصال پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ جمہور کا قول ہے، یا اس میں ایک مزید شرط بھی لگائی جائے جو کسی نام نہاد محدث کی رائے ہے، اور انھوں نے دونوں آراء کا محاکمہ بھی کیا ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ مقدمہ، صحیح مسلم کی تالیف سے پہلے (جیسا کہ مقدمہ کی بعض عبارات سے ظاہر ہے) ۲۳۵ھ کے قریب پاس میں لکھا گیا ہے، جبکہ حسن کی معروف اصطلاح ابھی رائج نہیں ہوئی تھی، اس وقت حدیث کی دو ہی اقسام معروف تھیں صحیح اور ضعیف، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسے مصطلحات حدیث کی اولین کتابوں میں شمار ہونا چاہئے، بعد میں صحیح لغیرہ، حسن اور حسن لغیرہ کی اصطلاحات کا اضافہ ہوا چنانچہ ان اقسام یا اصطلاحات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ صحیحین میں غیر صحیح احادیث بھی پائی جاتی ہیں کسی بھی طرح مناسب نہیں ہوگا، اور یہ ایک غیر علمی فیصلہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

تالیف مغنی المحتاج:

چنانچہ مذکورہ بالا امور کے لحاظ سے یہ انتہائی بیش قیمت مقدمہ ہے، اور اپنی اہمیت کے باعث صحیح مسلم کے ساتھ یہ بھی مقررات دراسیہ میں داخل ہے، نیز صحیح مسلم کی طرح اس کی بھی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں، جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو میں دورۂ حدیث کا قیام ۱۹۸۷-۸۸ء میں ہوا، اور راقم السطور کو اُسی سال سے صحیح مسلم کی تدریس کی سعادت حاصل ہوئی، جس کا سلسلہ الحمد للہ تاہنوز جاری ہے، شروع سے ہی یہ مزاج رہا کہ اس کتاب کے حل کے لئے عربی شروح پر ہی اکتفا کیا جائے چنانچہ سب سے پہلے امام نوویؒ کی شرح اور پھر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی "فتح الملہم" اور مشکل مواقع پر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریر درسی "الحل المفہم" کی طرف رجوع کیا، اس دوران مقدمہ صحیح مسلمؒ کے اردو ترجمہ میں طلبہ عزیز کی مشقت کا احساس ہوتا رہا، ۲۰۰۳ء میں دوران سال، راقم السطور کی طرف سے کسی سابقہ منصوبہ کے بغیر اللہ عزوجل نے یہ توفیق بخشی کہ اچانک ایک روز اپنی تقریر درسی کو قلمبند کرنے کا خیال ہوا، تاکہ اس سلسلہ میں جو بھی مطالعہ ہو تحریر کی شکل میں مُدوَّن و محفوظ رہے، چنانچہ حسب موقع و فرصت روزانہ ہی یا کم از کم جمعرات کے دن ماسبق درس کو ضرور لکھ لیتا، اس طرح درس مقدمہ کے تمام

ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہا، مقدمہ کے ابتدائی دروس جو لکھنے سے رہ گئے تھے اسے دوسرے سال مکمل کیا۔

دوران درس مقدمۂ صحیح مسلم کے اردو ترجمہ میں طلبۂ عزیز کی مشکلات کا احساس تو ابتدا سے ہی رہا، فن اسماء الرجال بھی ان کے لئے ایک اجنبی علم تھا، جبکہ احادیث رسول کی حفاظت کے پیش نظر یہ خاص مسلمانوں کا ایجاد کردہ انتہائی منظم و مضبوط علم ہے جس کے ذریعہ رواۃ حدیث کی مکمل واقفیت سامنے آجاتی ہے، کون، کب اور کہاں پیدا ہوا، کب علم حاصل کرنا شروع کیا، کہاں کہاں کا سفر کیا، اس کے شیوخ و تلامذہ کون ہیں، کس سے اس کی ملاقات ثابت ہے، اور کس سے امکان کے باوجود ملاقات کا ثبوت نہیں، کس سے کتنی حدیثوں کی سماعت کی، امانت و دیانت کا کیا حال تھا، حافظہ اور ضبط و اتقان کیسا تھا، کب نسیان و اختلاط لاحق ہوا، اور کب، کہاں وفات ہوئی وغیرہ؟ چنانچہ اس کے پیش نظر بیشتر رجال کے تراجم و احوال کا ذکر بھی مفید معلوم ہوا، سال میلادی ۲۰۰۵ میں دیوبند کا سفر ہوا تو محترم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب رفع اللہ مکانتہ، وأفادنا بعلومہ نے اپنی مقدمہ مسلم کی اردو شرح "نعمۃ المنعم" کے بیش قیمت ہدیہ سے اعزاز بخشا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء، اس وقت تک اپنی تحریر اگرچہ مکمل ہوچکی تھی مگر نعمۃ المنعم سے استفادہ کے بعد بعض ابحاث کا اضافہ مناسب معلوم ہوا، بہر کیف بعون اللہ تعالی و توفیقہ مقدمۂ صحیح مسلم کے تعلق سے یہ ناقص مطالعہ قید تحریر میں آیا۔

چونکہ اس تحریر کی اولین غرض مقدمۂ مسلم کے تعلق سے اپنے مطالعہ کو محفوظ کرنا ہی تھی اس سے قطع نظر کہ اس کی کوئی اردو شرح بھی لکھی جاچکی ہے یا نہیں، اور نہ اس وقت یہ وہم و گمان تھا کہ کبھی ایک شرح کی حیثیت سے اس کی طباعت بھی ہوگی، اسی لئے یہ تحریر یوں ہی پڑی رہی، بعض طلبہ اور میرے چند قریبی احباب کے علاوہ کسی کو بھی اس کا علم نہیں تھا، ادھر کچھ عرصہ سے جبکہ بیشتر طلباء کو اس کا علم ہوا تو ساتھ ہی یہ اصرار بھی ہونے لگا کہ اس مجموعہ کو طبع کرایا جائے، تو ضروری معلوم ہوا کہ پہلے علوم حدیث کے ماہر کسی عالم کی نظر سے اسے فیضیاب ہوجانا چاہئے، منجانب اللہ محترم عالی مرتبت مولانا ڈاکٹر ابو اللیث صاحب خیر آبادی زید مجدہ کا دل میں خیال آیا، جنھوں نے کلیۃ الحدیث الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ سے بی-اے، اور جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے کتاب و سنت میں ایم-اے، اور ڈاکٹریٹ کی سند بدرجہ امتیاز حاصل کی ہے، اور اس وقت انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا

میں پروفیسر اور ''کرسی جمل اللیل للسنۃ'' کے چیر ہولڈر ہیں، ان سے فون پر بات ہوئی، مولانا نے بہت ہی وسعت قلبی کے ساتھ قبولیت سے نوازا، مسودہ بذریعہ ایمیل انھیں ارسال کیا گیا، اور ازراہ عنایت مولانا مد ظلہ نے اس پر اپنے تاثرات کے ساتھ کلمات تحسین بھی رقم فرمائے، اللہ ان کے مراتب کو بلند کرے، اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رکھے، خلوص دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔

دوسرے میرے بہت ہی مخلص و خیر خواہ، ہمنام و ہم سبق مولانا خورشید انور صاحب اعظمی زید مجدہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم وارانسی، جن کو اللہ عزوجل نے ادراک لطیف اور فہم سلیم سے نوازا ہے، حل نصوص کے ساتھ اس کے حسن تعبیر میں زبان و قلم پر گرفت پختہ ہے، علمی سنجیدگی کے ساتھ ظرافت طبع کے اعلی ذوق اور نفیس سلیقہ سے بھی متصف ہیں، حدیث و فقہ اور دیگر علمی امور پر ان کے ساتھ حوار و تبادلۂ خیال طمانینت قلب کا سامان ہوتا ہے، حل مقدمہ کی یہ تحریر مکمل ہونے کے کچھ عرصہ بعد تقریباً اٹھارہ سال قبل ان کی نظر سے گزر چکی تھی، دلی خواہش تھی کہ یہ نوشتہ ان کے چند تعارفی و تاثراتی کلمات عالیہ سے بھی گوہر آگیں ہوتا، کہ ان کی نوازش و خیال خاطری بھی بے بہا شکریہ کا استحقاق رکھتی ہے، چنانچہ اس خواہش کی تکمیل ہوئی، اور محترم نے اس تالیف کے لئے مخلصانہ گرانمایہ کلمات تحریر فرمائے، مایۂ ناز علمی شخصیت جو اپنی وسعت مطالعہ، صواب رائے اور عمیق فکر و نظر کے باعث ''بحر العلوم'' سے معروف ہے حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی زید مجدہ، ان کے کلمات تبریک نے اس بے مایہ تحریر کو قدر و قیمت بخشی، لازوال شکریہ ان جمیع محترم علماء کرام کا۔

شرح کا نہج یہ اپنایا ہے کہ اولاً متن کی عبارت نقل کی ہے، پھر حسب استطاعت آسان ترجمہ کیا ہے، اس کے بعد حل لغات کا عنوان قائم کیا ہے، جس کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق و ترجمانی کے ساتھ کچھ متعلق امور کی تفصیل کی ہے، اس کے بعد تشریح کے عنوان سے متن مذکور کے منشاء و مطلب کو آسان اردو میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، آخر میں تراجم کا عنوان ہے جس کے تحت متن میں مذکور کچھ رجال کے احوال کو نقل کیا ہے، اور اس شرح کو ''**مغنی المحتاج الی شرح مقدمۃ مسلم بن الحجاج**'' سے موسوم کیا ہے، اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ اس تحریر کو قابل انتفاع بنائے اور اس کے نفع کو عام کرے، اور ان تمام محسنین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے جن کی

تعلیم وتربیت، سرپرستی، دعاؤں اور نیک تمناؤں کا، ناچیز کی دینی تعلیم کے حصول میں وافر حصہ رہا ہے۔
ان سب کے بعد یہ سب کچھ اللہ عزوجل کے فضل واحسان اور اس کی توفیق کی ہی دین ہے، اور ابتدا وانتہا ہر حال میں اللہ رب العالمین کا شکر اور اس کے فضل کا اعتراف ہے،وآخر دعوانا أن الحمد الله رب العالمين، وصلى اللّٰه على سيدنا ونبينا محمد خاتم النبيين ،وعلى آله وازواجه وصحبه، ومن سار على نهجه إلى يوم الدين۔

خورشید احمد اعظمی قاسمی ندوی مدنی

تعلیم الدین مئو

۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ، ۳۱/ دسمبر ۲۰۲۲ بروز جمعہ

مغنی المحتاج

إلى

شرح مقدمة صحیح مسلم بن الحجاج

تمہید

حمد وصلاۃ:

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَى جَمِيعِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ،

ترجمہ:

اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے،سب تعریفیں سارے جہاں کے پالنے والے اللہ کے لئے ہیں،اور اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے،اوراللہ تعالی رحمت نازل فرمائے نبیوں کے خاتم محمد ﷺ پر،اور تمام انبیاء اور رسولوں پر۔

حل لغات:

بسم الله:(یعنی اللہ کے نام سے مدد لیتے ہوئے یا اللہ کے نام کے ساتھ،شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں)

بسم اللہ میں ''باء'' یا تو استعانہ کے لئے ہے اور اس کا مدخول آلۂ فعل ہوتا ہے جیسے کتبت بالقلم،یا مصاحبت کے لئے ہے جو ''مع'' کے معنی میں ہوتا ہے،اور بیشتر لوگوں نے اول کو ترجیح دی ہے،جبکہ دگر حضرات نے ثانی کو اولی کہا ہے،کیونکہ پہلی صورت میں اسم اللہ کا آلہ ہونا لازم آتا ہے،اور آلہ غیر مقصود بالذات ہوتا ہے،جس کے باعث اسم الہی کے ساتھ سوء ادب لازم آتا ہے،مگر اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ استعانہ میں تعبد کی شان پائی جاتی ہے جو بندگی کے زیادہ مناسب ہے۔

الله،الرحمٰن، الرحيم:

لفظ الجلالۃ ''اللہ'' علم ہے اس ذات واجب الوجود کا جو تمام عیوب و نقائص سے پاک اور تمام صفات حمیدہ سے بکمال

متصف ہے، لہذا اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کے لئے اس کا استعمال نہ ملتا ہے اور نہ جائز ہے۔

"**الرحمٰن** "اور" **الرحیم**" فعلان اور فعیل کے وزن پر دونوں رحمۃ سے مشتق مبالغہ، یا صفت مشبہ کے صیغے ہیں (بیضاوی، شامی)، اور دونوں کو جمع کرنے میں یہ لطیف نکتہ بیان کیا جاتا ہے کہ "رحمن" اس صفت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور "رحیم" اس تعلق پر دلالت کرتا ہے جو مرحومین کے ساتھ قائم ہے یعنی وہ رحمت والا رحم کرتا بھی ہے، اور غالبا اسی لئے "ان الله بالناس لرؤف رحيم"، "انه بهم رؤف رحيم" اور "كان بالمؤمنين رحيما" جیسی ترکیب کا استعمال ملتا ہے، مگر "رحمن بهم" کا ذکر نہیں ملتا، "فعلم أن "الرحمن" هو الموصوف بالرحمة، و"رحيم" هو الراحم برحمته، وهذه نكتة لا تكاد تجدها في كتاب" لہذا معلوم ہوا کہ رحمن وہ ذات ہے جو صفت رحمت سے متصف ہے، اور رحیم اسے کہتے ہیں جو اپنی رحمت سے رحم کرتا ہے، اور یہ نکتہ آپ کسی کتاب میں شاید نہ پائیں، (بدائع الفوائد لابن القیمؒ: ۱/ ۲۴)، اور اللہ عزو جل کی ذات عالی ان دونوں صفات سے بکمال متصف ہے۔

نیز "رحمن" میں بہ نسبت "رحیم" مبالغہ زیادہ ہے، اور اس کا استعمال بھی اللہ تعالی کے لئے ہی خاص ہے (بیضاوی)، غیر اللہ کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، مدعی نبوت مسیلمہ کذاب نے اس کی جسارت کی، اور اپنے لئے "رحمن اليمامه" کا لقب اختیار کیا، تو اللہ تعالی نے اسکے لئے کذب ایسا لازم کر دیا کہ کذاب اس کے نام کا جزو ہو گیا، اور دنیا اس کو مسیلمہ کذاب کے نام سے ہی جانتی ہے، اور "رحیم" کا اطلاق بندوں کیلئے بھی جائز ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے بارے میں قرآن کریم میں مذکور ہے: "**حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم**"۔

حمد کی تعریف:

حمد: کسی کی خوبی اور اچھائی پر علی سبیل التعظیم (بطور اعترافِ عظمت) اسکی تعریف کرنا، خواہ اس کی طرف سے احسان و انعام ہو یا نہ ہو (کتاب التعریفات للجرجانی)، ایسی تعریف جو ممدوح کی تعظیم اور اس کی خوبیوں پر حیرت و استعجاب، اور تعریف کرنے والے کے تاثر و تذلل کو متضمن ہو (المصباح المنیر للفیومی)۔

الحمدلله رب العالمين: یعنی وہ اللہ جو تمام صفات حمیدہ سے بکمال متصف ہے، اور تمام نقائص و عیوب سے پاک

اور منزہ ہے یقینا لائق تعظیم و قابل تعریف ہے، چہ جائیکہ وہ سارے جہاں کا رب بھی ہے جو تمام مخلوقات کی ضروریات، اور حسب ضرورت ان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انھیں کمال تک پہونچاتا ہے۔

یہ جملہ بصورت خبر انشاء کے معنی میں ہے، اس لئے کہ اس کے قائل کو حامد کہنا درست ہے، جبکہ ''الضرب مؤلم'' کے قائل کو ضارب کہنا صحیح نہیں ہے، یہ ضرب کے تکلیف دہ ہونے کی خبر دینے والا کہا جائے گا،'' لتسمية قائلهابها حامداً ۔ ولوكانت خبرية معنى لم يسم الامخبرا ۔ ومعلوم انه لايشتق للمخبراسم فاعل من ذالک الشئ،اذ لايقال لمن قال ''الضرب مؤلم'':''ضارب''(مرقاۃ شرح مشکاۃ) ،[معنیً انشاء ہے، کیونکہ اس کے کہنے والے کو اس کی وجہ سے حامد سے موسوم کیا جاتا ہے، اور اگر معنیً خبریہ ہوتا تو اس کو حامد کے بجائے اللہ کے لئے ثبوت حمد کی خبر دینے والا کہا جاتا، اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی کلام کے ذریعہ خبر دینے والے کے لئے اس کلام سے اسم فاعل کا اشتقاق نہیں کیا جاتا، کیونکہ جس نے ''الضرب مولم'' یعنی مار تکلیف دہ ہے کہا اس کو مارنے والا نہیں کہا جاتا]، یہ تو مار کے تکلیف دہ ہونے کی خبر دینے والا ہوا، نہ کہ مارنے والا، معنی انشاء کو خبر کی صورت میں بیان کرنے سے مقصود اس کے تحقق کے یقین و اعتراف کا اخبار ہوتا ہے۔

العاقبة : ہر چیز کا خاتمہ، انجام، نتیجہ، (ن) یہاں اچھا انجام مراد ہے،''عاقبة كل شئ آخره،و لكنها إذاأطلقت فقيل:العاقبة لفلان ، فُهِم منه فى العرف الخير''[ہر چیز کا انجام اس کا آخر ہوتا ہے (یعنی کسی بھی شئ کا آخر اور نتیجہ اچھا ہو یا برا اس کو عاقبۃ کہتے ہیں)، لیکن جب مطلق بولا جائے اور کہا جائے: العاقبۃ لفلان، تو عرف میں اس سے خیر ہی سمجھا جاتا ہے](تفسیر قرطبی)، صحیح مسلم کے بعض نسخوں میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے۔

صلاۃ کا معنی:

وصلى الله على محمد:

صلّی: باب تفعیل سے فعل ماضی بمعنی طلب یعنی اللھم صلِّ ہے، صلاۃ کا لغوی معنی ''دعا'' ہے، اسکی نسبت جب اللہ تعالی کی طرف ہو تو اس سے مراد، اسکی رحمت اور خوشنودی ہوتی ہے، اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے مراد، استغفار اور دعا ہوتی ہے، اور جب عام انسانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد دعا اور تعظیم ہوتی ہے(تفسیر

قرطبی) یہ جملہ بھی بصورت خبر انشاء کے معنی میں ہے، اللہ تعالی سے دعا اور درخواست ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ پر سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو گیا، آپ پر صلاۃ کا بھی حکم ہے اس کا کیا طریقہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود وصلاۃ کے وہی صیغے بتلائے، جن میں اللہ تعالی سے دعا اور درخواست ہے کہ اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے، مثلاً "اللهم صل على محمد" یا "صلى االلهعلى النبى الامى"، وغیرہ، گویا اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اتنی اعلی وارفع ہے کہ اس کے شایان شان رحمت اللہ تعالی ہی نازل کرسکتے ہیں، بندے اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

خاتَم النبيين:

خاتَم بفتح التاء ما يُختَم به،فمعناه خُتم به النبيون،[خاتم، تاء کے فتحہ کے ساتھ جس کے ذریعہ ختم کیا جائے، یعنی مُہر، لہذا اس کا معنی ہوا آپ کے ذریعہ انبیاء پر مہر لگادی گئی، اور اس کی دو صورت ہے، ایک تو سابقہ انبیاء کی تصدیق، دوسری آپ کی نبوت پر سلسلہ نبوت کا بند ہونا چنانچہ حدیث میں وارد ہے "وختم بی النبيون" (صحیح مسلم)، نیز الخاتِم، بكسر التاء (ختم کرنے والا، مہر لگانے والا) بمعنی "انه ختمهم" بھی پڑھا گیا ہے، یعنی سارے انبیاء اور رسولوں کے بعد تشریف لائے، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، چنانچہ حدیث میں صراحت ہے "وانا خاتم النبيين لا نبى بعدى" (صحیح مسلم)،

عقیدہ ختم نبوت:

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے وقفہ وقفہ سے کثیر تعداد میں انبیاء ورسل مبعوث فرمائے، سب سے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، " **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا** "(سورہ احزاب:۴۰) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی سابقہ تمام انبیاء ورسل کی لائی ہوئی شریعتیں منسوخ اور ناقابل عمل ہو گئیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکی ہے، پھر انھیں آسمانوں پر اٹھالیا گیا، قرب قیامت آپ کا نزول ہو گا، اسوقت وہ نہ کوئی نئی شریعت لے کر آئیں گے اور نہ اپنی سابقہ شریعت پر ہی عامل ہوں گے، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں

گے، لہذا ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت پر اثر انداز نہیں ہو گا، بلکہ ان کا نازل ہونا اور محمد ﷺ کی شریعت پر عمل کرنا اس حقیقت کی فی الواقع عملی دلیل ہو گی کہ اگر سابقہ تمام انبیاء و رسل آپ ﷺ کے عہد میں موجود ہوتے تو وہ بھی آپ ﷺ پر ایمان لاتے، اور آپ ﷺ کی شریعت پر ہی عمل کرتے، کیونکہ خاتم النبیین ﷺ کی شریعت سابقہ انبیاء کرام کی شرائع کو منسوخ کرنے والی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَ أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ'' (آل عمران:۸۱)، ابن کثیر علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''يخبر تعالى أنه أخذ ميثاق كل نبي بعثه من لدن آدم عليه السلام، إلى عيسى، عليه السلام، لَمَهْمَا آتى الله أحدَهم من كتاب وحكمة، وبلغ أيّ مبلَغ، ثم جاءه رسول من بعده، ليؤمنَنَّ به ولينصرَنَّه، ولا يمنعه ما هو فيه من العلم والنبوة من اتباع من بعث بعده ونصرته.........قال علي بن أبي طالب وابن عمه عبد الله بن عباس، رضي الله عنهما: ما بعث الله نبيا من الأنبياء إلا أخذ عليه الميثاق، لئن بَعَث محمدًا وهو حَيّ ليؤمنن به ولينصرنه، وأمَرَه أن يأخذ الميثاق على أمته: لئن بعث محمد ﷺ وهم أحياء ليؤمِنُنَّ به ولينصرُنَّه'' اللہ تعالی خبر دے رہے ہیں کہ اس نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسی علیہ السلام تک جس نبی کو بھی مبعوث کیا ہے اس سے عہد لیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی اللہ نے خواہ جو بھی کتاب اور حکمت دی ہو اور وہ جس مقام پر بھی پہونچ جائے، پھر ان کے پاس ان کے بعد کوئی نبی آئے تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے، اور ان کے پاس جو علم و نبوت ہے وہ انھیں اپنے بعد والے مبعوث نبی کی اتباع اور اس کی مدد سے مانع نہیں ہو گا، (آگے لکھتے ہیں) سیدنا علی بن ابو طالب اور ان کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: کہ اللہ تعالی نے انبیاء میں سے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس سے عہد لیا ہے کہ اگر اس کی حیات میں اللہ نے محمد ﷺ کو مبعوث کر دیا تو وہ اس پر ضرور ایمان لائے گا اور اس کی مدد کرے گا، اور اس نے ہر نبی کو حکم دیا کہ کہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لے کہ اگر محمد ﷺ ان کی زندگی میں مبعوث کئے گئے تو وہ ضرور بالضرور ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۷۷)، نیز جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ مُوسَى كان حَيًّا

اليَوم مَا وَسِعَهُ إلاَّ أَنْ يَتَّبِعَنِي" اگر موسیٰ علیہ السلام آج باحیات ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا کوئی گنجائش نہیں ہوتی (مصنف ابن ابوشیبہ حدیث:۲۶۹۴۹، مسند احمد:۱۵۱۹۵)، اور بصورت واقعی قرب قیامت خاص عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا میں نزول اور اس وقت محمد ﷺ کی شریعت پر ان کے عمل میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں، یا یہ کہا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے سب سے آخری رسول عیسیٰ علیہ السلام ہیں، لہٰذا کسی نبی کی شریعت کے استثناء کا احتمال بھی نہیں رہ جاتا۔

عقیدۂ ختم نبوت یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر سلسلۂ رسالت و نبوت کا ختم ہو جانا، ایک بنیادی عقیدہ ہے، جس کا ثبوت قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اسی لئے ختم نبوت کا منکر کافر قرار دیا جاتا ہے، اس عقیدہ کی حفاظت عملاً خلافت راشدہ کے اول یوم سے ہی جاری ہے، اور بناء نبوت کی اس آخری اینٹ میں جب بھی کسی ملعون نے رخنہ پیدا کرنا چاہا، اور نبوت کا مدعی ہوا، اللہ عز و جل نے اس ملعون کے خاتمہ اور استیصال کے لئے کسی جیالے فرزند اسلام کو کھڑا کیا اور اس فتنہ کو ناکام و نامراد کیا ہے۔

على جميع الانبياء والمرسلين: انبیاء، نبی کی اور مرسلین، مرسل بمعنی رسول کی جمع ہے، وہ برگزیدہ اور منتخب بندے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کی ہدایت، انذار و تبشیر اور تبلیغ احکام کے لئے مبعوث کئے گئے اور ان پر وحی کا نزول ہوا ان کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

نبی اور رسول کے درمیان فرق:

نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ علماء کے دونوں اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، علامہ جرجانیؒ نے اسکو معتزلہ کا قول بتایا ہے (کتاب التعریفات ص ۱۱۰).

دوسرا قول یہ ہے کہ، نبی عام اور رسول خاص ہے، اور یہ خصوصیت کس اعتبار سے ہے، اس میں بھی تفصیل ہے:

(۱) اگر اس کو غیر یعنی کفار کی تبلیغ کا بھی حکم ہو تو رسول کہیں گے، اور صرف مومنین و موافقین کی تذکیر و تبلیغ کا حکم ہو تو نبی کہیں گے (شرح العقیدہ الطحاویہ)،

(۲) جو نبی معجزہ اور کتاب سے مؤیّد ہو اسے رسول کہیں گے، اور صرف (ماسبق شریعت کی) تبلیغ کے لئے مبعوث

ہو تو اسے نبی کہا جائے گا، (التحفتہ النظامیہ فی الفروق الاصطلاحیہ، ص:۳۷)، یا ممکن ہے اس کے علاوہ کوئی اور خصوصیت ہو جو رسول میں پائی جاتی ہے اور نبی میں نہیں ہوتی ہے، چنانچہ علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں: "فالرسول افضل بالوحی الخاص الذی فوق وحی النبوة ۔۔۔الخ" [لہذا رسول افضل ہے اس وحی خاص کے سبب جو وحی نبوت سے بالا ہے]، (کتاب التعریفات ص:۲۳۹)، اور چونکہ نبی رسول کے ہم معنی ہے، یا اس سے عام ہے، اور عام کا ذکر خاص کو متضمن ہوتا ہے اس لئے خاتم النبیین کا مطلب ہوا، انبیاء اور رسول دونوں کے خاتم اور دونوں کے آخر، چنانچہ یہاں بھی اگر "علی جمیع الانبیاء" پر اکتفاء کرتے تو بات مکمل تھی، مگر انبیاء کے ساتھ مرسلین کا بھی ذکر کیا، یا تو اس لئے کہ رسولوں کی شان اور تعظیم ملحوظ ہو، یا پھر اس لئے کہ رسول ایک اعتبار سے نبی سے عام ہے، کیونکہ اس کا اطلاق انسان اور ملائکہ دونوں پر ہوتا ہے، بر خلاف نبی کے، لہذا دعائے رحمت میں جمیع اصناف کو شامل کرنے کیلئے ان کا ذکر خاص طور سے کیا گیا۔

تشریح:

مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر اچھے کام کو اللہ کی توفیق سے سمجھتا ہے اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ بغیر اللہ کی توفیق اور اس کی مدد کے کوئی کام پایہء تکمیل کو نہیں پہونچتا، اس لئے وہ بطور استعانت اور حصول برکت ہر عمل صالح کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے، اور کتاب وسنت سے اسی کی تعلیم بھی ملتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ "اپنے اس رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا، اور احادیث نبویہ سے بہت سے کاموں کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ذکر کا حکم اور اسکی ترغیب ملتی ہے۔

نیز ایک حدیث میں یہ مفہوم بھی منقول ہے کہ جس کسی اہم کام کو اللہ کے نام یا اس کی حمد یا اس کے ذکر سے شروع نہیں کیا جاتا وہ ناقص رہتا ہے۔ یہ حدیث الفاظ کے اختلاف کے ساتھ، حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، چنانچہ سنن ابوداؤد میں "کل کلام لا یبدأ فیه بحمدالله فهو أجذم" (باب الھدی فی الکلام، حدیث: ۴۸۴۰) کے الفاظ ہیں، اور سنن ابن ماجہ میں "کل أمر ذی بال لا یبدأ فیه بالحمد فهو أقطع" (باب خطبۃ النکاح، حدیث: ۱۸۹۴) کے الفاظ مذکور ہیں، اور امام نوویؒ نے حافظ عبد القادر رھاوی کے حوالہ سے "لا یبدأ

فیه بذکراللہ ،وفی روایة ببسم اللہ الرحمن الرحیم" کے الفاظ بھی ذکر کئے ہیں،(شرح مسلم)، مسند امام احمد بن حنبل کی روایت میں "کل کلام أو أمر ذی بال لا یفتح بذکراللہ عز و جل فھو أبتر أو قال أقطع" (تحقیق احمد محمد شاکر، حدیث:۸۶۹۷) کے الفاظ ہیں، جس سے کچھ اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ روایت ایک ہی ہے اور الفاظ کا اختلاف روایت بالمعنی کی وجہ سے ہے۔

یہ حدیث حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام نووی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے، نیز علامہ سندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "الحدیث قد حسنه ابن الصلاح والنووی،وأخرجه ابن حبان فی صحیحه و الحاکم فی المستدرک"[حدیث کو ابن الصلاح اور نووی نے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے]، (سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب خطبۃ النکاح)۔

ان سب مذکورہ امور کا لحاظ کرتے ہوئے مصنفین کتب کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی کتابوں کا آغاز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کرتے ہیں، اور بیشتر مصنفین بسم اللہ کے ساتھ الحمد للہ کا ذکر بھی کرتے ہیں، اور اس کا مقصد اللہ تعالی سے استعانت اور دعا ہے، ایک حدیث میں ہے "أفضل الدعا ء الحمداللہ "(المستدرک للحاکم: حدیث ۱۸۳۴)، اور دعا کے آداب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا بھی ہے، اس سے دعا قبولیت کے قریب تر ہو جاتی ہے، حضرت عمرؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: "إن الدعا ء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منه شئی حتی تصلی علی نبیک ﷺ " دعا آسمان وزمین کے مابین موقوف ہوتی ہے اس کا کوئی بھی حصہ اوپر نہیں پہونچتا جبتک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھو (سنن الترمذی باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، حدیث:۴۸۶)، چنانچہ امام مسلمؒ نے بھی اپنی اس عظیم کتاب کا آغاز اللہ کے نام اس کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ ودرود سے فرمایا۔

امام مسلمؒ کا محض صلاۃ علی النبی پر اکتفا:

یہاں امام مسلمؒ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ انھوں نے صلاۃ علی النبی کے ساتھ سلام کا ذکر نہیں کیا، جبکہ آیت کریمہ میں "صلوا علیه وسلموا تسلیما" صلاۃ وسلام دونوں کا حکم ہے، مگر یہ اعتراض بہت زیادہ وقیع

اس لئے نہیں معلوم ہوتا کہ بعض درود جو نبی ﷺ سے منقول ہیں ان میں صرف صلاۃ پر ہی اکتفا ہے، جیسے نماز میں پڑھا جانے والا درود، یا یہ درود: ”اللهم صل على محمد النبى وأزواجه أمهات المومنين وذر يته وأهل بيته كما صليت على ابراهيم إنک حميد مجيد“ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی نبی ﷺ حدیث: ۹۸۲)، نیز اکثر احادیث میں جو درود کی فضیلت وارد ہے اس کے الفاظ میں صرف صلاۃ علی النبی کا ہی ذکر ہے، مثلاً ”من صلّى عليّ صلاة صلّى الله عليه بها عشراً“ (سنن الترمذی، حدیث:)، نیز التحیات میں صرف سلام کا ہی ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کا مفہوم جمع بین الصلاۃ والسلام نہیں ہے، نیز امر وجوب کے لئے تو آتا ہے مگر تکرار کے لئے نہیں لہذا یہ لازم نہیں کہ ہمیشہ صلاۃ کے ساتھ سلام کا بھی ذکر ہو، ہاں دونوں کا جمع کرنا اولیٰ ہو سکتا ہے مگر اولی کے خلاف پر کراہت کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

سبب تالیف:

”أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ بِتَوْفِيقِ خَالِقِكَ ذَكَرْتَ أَنَّكَ هَمَمْتَ بِالْفَحْصِ عَنْ تَعَرُّفِ جُمْلَةِ الأَخْبَارِ الْمَأْثُورَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سُنَنِ الدِّينِ وَأَحْكَامِهِ وَمَا كَانَ مِنْهَا فِي الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالتَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ صُنُوفِ الأَشْيَاءِ بِالأَسَانِيدِ الَّتِي بِهَا نُقِلَتْ وَتَدَاوَلَهَا أَهْلُ الْعِلْمِ فِيمَا بَيْنَهُمْ“

ترجمہ:

بہر حال حمد وصلاۃ کے بعد، تو - اللہ آپ پر رحم فرمائے - آپ نے اپنے خالق کی توفیق سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے قصد کر رکھا ہے، دین کے طریقوں اور اس کے احکام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے منقول احادیث کے ایک مجموعہ کے علم کی تلاش و جستجو کا، اور جو ان احادیث میں سے ثواب وعقاب اور ترغیب و ترہیب کے بارے میں ہوں، اور اس کے علاوہ احادیث کی اصناف واقسام میں سے، ان سندوں کے ساتھ جن کے ذریعہ وہ نقل کی گئی ہیں، اور اہل علم نے ان کو اپنے مابین استعمال کیا ہے، یعنی ایک دوسرے سے روایت قبول کی ہے۔

حل لغات:

یرحمک اللہ: اللہ تم پر رحم فرمائے، یہ جملہ معترضہ برائے دعا ہے، اور سلیقہ ہے گفتگو اور تعلیم و تعلم کا۔

بتوفیق خالقک: توفیق بمعنی رشد و ہدایت، مدد، اس جملہ کا تعلق بعد میں آنے والے فعل " ذکرت " کے ساتھ زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اور اوپر ترجمہ اسی کے اعتبار سے کیا گیا ہے، یعنی تمھارا ذکر کرنا، اللہ کی مدد، اور تمھارے ساتھ اللہ کے ارادہ خیر کی وجہ سے ہے۔

اگر چہ اس کا تعلق ما قبل فعل "یرحمک" سے بھی کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں رحمت مخصوصہ کی دعا ہوگی، یعنی اللہ تعالی تم کو اپنی توفیق وہدایت کی رحمت سے نوازیں، مگر اس صورت میں سیاق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بتوفیق خالقک کے بجائے بتوفیقه ہونا چاہئے، اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ یہاں پر وضع الظاہر موضع المضمر ہے، اور کسی فائدہ یا مقصد کے تحت ضمیر کی جگہ ظاہر کا استعمال کرنا درست ہے، اس کی مثالیں کلام عرب اور احادیث نبویہ میں بھی ملتی ہیں، مگر امام مسلمؒ کے اسلوب تحریر سے واضح یہی ہے کہ اس کا تعلق ' ذکرت " سے ہے، اور جملہ دعائیہ محض "یرحمک اللہ " ہے، جیسا کہ آگے بھی مذکور ہے، " أَرْشَدَكَ اللّٰهُ "، "أَكْرَمَكَ اللّٰهُ " ۔

هممت : تم نے قصد کیا ہے، هم يهم هماً (ن) سے بمعنی قصد کرنا، فکر کرنا

بالفحص عن: تحقیق و جستجو، فحص عن الامر (ف) تحقیق و جستجو کرنا

الجملة: سب کا سب، تمام، جمل الشئ (ن) بمعنی جمع کرنا، یہاں پر تمام احادیث رسول مراد نہیں ہیں، بلکہ اصناف حدیث کا ایک مجموعہ مراد ہے، جو امام مسلمؒ کے پاس ہے، کیونکہ تمام احادیث رسول ﷺ کا حصر و احاطہ کسی ایک آدمی کیلئے بعید از امکان ہے۔

الأخبار المأثورة: یعنی الاحادیث المنقولة، کہا جاتا ہے "أثرت الحدیث "اذا نقلته عن غیرک، خبر اور حدیث کو اگر مرادف مانا جائے، تو اس صورت میں " المأثورة"صفت مفسرہ ہوگی، اور اگر خبر کو عام مانا جائے، یعنی جو نبی یا غیر نبی کسی سے بھی منقول ہو، اور حدیث کو خاص مانا جائے یعنی جو نبی ﷺ سے منقول ہو تو اس صورت میں " المأثورة"صفت مقیدہ ہوگی، یعنی وہ خبریں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔

فی سنن الدین و احکامه: سنن، سنۃ کی جمع ہے، یعنی طریقہ، اور احکام، حکم کی جمع ہے، یعنی قضا اور فیصلہ، اور چونکہ احکام بھی دین کے طریقوں میں سے ہیں، اسلئے یہ عطف الخاص علی العام کی قبیل سے ہے، اور اگر سنت سے مراد "الطريقة المسلوكة فی الدين" اور احکام سے مراد "حكم الله المتعلق بأفعال المكلفين" مراد لیا جائے تو دونوں مرادف ہوں گے، اور اگر حکم سے مراد یہی "حكم الله المتعلق بافعال المكلفين" لیا جائے، جس میں فرض، واجب، سنت سبھی داخل ہیں، اور سنت سے مراد "ماليس بفرض ولا واجب" لیا جائے تو عطف العام علی الخاص ہو گا، مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں پہلی صورت ہی مراد لی جائے۔

و غیر ذلک من صنوف الاشیاء: صنوف، صنف کی جمع ہے، بمعنی قسم، نوع، اور الأشیاء سے مراد الأخبار والأحادیث ہیں، یعنی ترغیب و ترہیب، ثواب و عقاب کے علاوہ اقسام حدیث۔

تداولها: یعنی اس کو رواج دیا ہے، استعمال کیا ہے، "تداول القوم الشئ تداولا: هوحصوله فی يد هذا تارة و فی يد هذا أخرى ،دالت الايام تدول : مثل دارت تدور وزنا ومعنى"، یعنی اہل علم نے ان احادیث کو ایک دوسرے سے روایت کیا ہے، یا ان سندوں کو قبول کیا ہے۔

تشریح:

امام مسلم رحمہ اللہ کسی کو مخاطب کر رہے ہیں جنھوں نے آپ سے احادیث نبویہ کے ایک ایسے مجموعہ کی ترتیب و تالیف کا مطالبہ کیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول احادیث کی اصناف و اقسام مثلاً عقائد، احکام و سنن، فضائل و آداب، ترغیب و ترہیب یعنی زہد و رقاق وغیرہ کی احادیث پر مشتمل ہو، اور یہ احادیث اہل علم کے نزدیک مقبول اور معروف و مشہور یعنی صحیح سندوں سے مروی ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کی صحیح مسلم کی تالیف کسی کی درخواست اور مطالبہ پر ظہور میں آئی ہے۔

درخواست کنندہ:

اور غالباً امام مسلمؒ سے مذکورہ صفات پر مشتمل کتاب کے درخواست کنندہ، احمد بن سلمہ نیشاپوری متوفی ۲۸۶ھ ہیں جو امام مسلمؒ کے تلمیذ خاص اور بلخ و بصرہ کے اسفار میں ان کے رفیق سفر بھی رہے ہیں (تذکرۃ الحفاظ

۲/ ۶۳۷)، اور صحیح مسلم کی تالیف میں امام مسلمؒ کے معاون بھی رہے ہیں،"قال أحمد بن سلمة:كتبت مع مسلم في تاليف صحيحه خمس عشرة سنة"[احمد بن سلمہ کا کہنا ہے کہ میں امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح کی تصنیف مین ان کے ساتھ پندرہ سال تک رہا ہوں (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۸)، ممکن ہے ان کے علاوہ کوئی اور ہوں، مگر صراحۃً کسی کا ذکر نہیں ملتا۔

حدیث کی اصناف ثمانیہ اور صحیح مسلم میں ان کا وجود:

کتب حدیث کی بلحاظ مضامین وطرز تالیف متعدد اقسام ہیں، ان میں ایک قسم کو "جامع" کہا جاتا ہے، اور اس کا اطلاق اس کتاب حدیث پر ہوتا ہے جس میں جمیع اصناف – عقائد، احکام، سِیَر و مغازی، آداب، مناقب و فضائل، اشراط و فتن، تفسیر اور زہد ورقاق (ترغیب وترہیب) - کی احادیث پر مشتمل ہو، اور امام مسلمؒ نے درخواست کنندہ کے منشاء کے مطابق اپنی اس کتاب میں جمیع اصناف حدیث کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ مصنف کے کلام " جُمْلَةِ الأَخْبَارِ الْمَأْثُورَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سُنَنِ الدِّينِ وَأَحْكَامِهِ وَمَا كَانَ مِنْهَا فِي الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالتَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ صُنُوفِ الأَشْيَاءِ" سے ظاہر ہے، اس لئے صحیح مسلم اس کی مستحق ہے کہ اسے جامع کہا جائے، اگرچہ اس میں "تفسیر" سے متعلق احادیث قلیل ہیں جس کی وجہ سے بعض اہل علم نے صحیح مسلم کا شمار جوامع میں نہیں کیا ہے، شاہ عبد العزیزؒ نے لکھا ہے: "و صحیح مسلم ہر چند احادیث ایں فنون دارد لیکن احادیث متعلقہ بتفسیر و قراءت ندارد، وازیں جہت اورا جامع نگویند" (عجالہ نافعہ: ص۱۹)، مگر چونکہ جامع کی تعریف میں اصناف حدیث کے وجود کا اعتبار ہے نہ کہ قلت و کثرت کا، اور صحیح مسلم میں تفسیر سے متعلق احادیث بھی موجود ہیں اس لئے صحیح مسلم کو جوامع میں شمار کئے جانے کا قول ہی راجح مانا جائے گا، نیز قلت و کثرت تو اعتباری شئ ہے اس کا کوئی متعینہ معیار نہیں ہے، صحیح بخاری میں تفسیر کی احادیث زیادہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں، صحیح بخاری میں احادیث کا تکرار ہے، ایک ہی حدیث کو ایک ہی راوی کے فرق کے ساتھ کئی سندوں سے کئی بار ذکر کرتے ہیں، نیز احادیث مرفوعہ کے علاوہ احادیث موقوفہ اور تابعین وائمہ فنون ولغت کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں، اس کے برخلاف امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں احادیث مرفوعہ کے نقل کا ہی التزام کیا ہے، تفسیر قرآن میں تابعین یا اہل

لغت کے اقوال ذکر نہیں کئے ہیں۔

درخواست کی مزید وضاحت:

"فَأَرَدْتَ – أَرْشَدَكَ اللَّهُ – أَنْ تُوَقَّفَ عَلَى جُمْلَتِهَا مُؤَلَّفَةً مُحْصَاةً ، وَسَأَلْتَنِي أَنْ أُلَخِّصَهَا لَكَ فِي التَّأْلِيفِ بِلاَ تَكْرَارٍ يَكْثُرُ، فَإِنَّ ذَلِكَ زَعَمْتَ مِمَّا يَشْغَلُكَ عَمَّا لَهُ قَصَدْ تَ مِنَ التَّفَهُّمِ فِيهَا وَ الِاسْتِنْبَاطِ مِنْهَا."

ترجمہ:

تو تم نے ارادہ کیا-اللہ تم کو ہدایت دیں- کہ تم واقف کرائے جاؤ، ان (احادیث) کے ایک مجموعہ پر اس حال میں کہ وہ مرتب، اور یکجا ہوں اور تم نے مجھ سے درخواست کیا کہ میں ان (احادیث) کو تمھارے لیے ملخص کروں جمع وترتیب میں بغیر ایسے تکرار کے جو زیادہ ہو، کیونکہ وہ (کثرت تکرار) تم نے کہا ہے کہ ان امور میں سے ہے جو تم کو غافل کر دے گا اس سے جس کا تم نے قصد کیا ہے یعنی احادیث کو سمجھنے اور ان سے استنباط کرنے (سے)۔

حل لغات:

توقف: توقیف (تفعیل) سے فعل مضارع مجہول ہے، "وقّف فلا نا علی الشئ" کسی بات سے کسی کو مطلع کرنا، نیز اس کو مجرد سے بھی مضارع مجہول "تُوقَفَ" پڑھنا صحیح ہے، "وَقَف (ض) فلانا على الأمر" باخبر کرنا ،یعنی تم واقف کرائے جاؤ باخبر کئے جاؤ۔

مؤلفة: تألیف سے اسم مفعول ہے، جمع کی ہوئی، تالیف کے معنی جمع کرنا، ملانا۔

محصاة: احصاء سے اسم مفعول ہے شمار کی ہوئی، ضبط کی ہوئی، اسی مناسبت سے امام نوویؒ نے اس کا مفہوم "مجتمعة كلها" بیان کیا ہے، یعنی یکجا۔

أُلخّصها: تلخیص (تفعیل) سے فعل مضارع بمعنی خلاصہ نکالنا، اختصار کرنا، بیان کرنا۔

التاليف: جوڑنا، یکجا کرنا، مصدر بمعنی اسم مفعول موٴلَّف، مراد کتاب۔

تصنیف و تالیف کا معنی و فرق:

تالیف و تصنیف بطور مرادف مستعمل ہیں، مگر در حقیقت ان دونوں میں فرق ہے، تصنیف کے معنی نوع بنوع کرنا، ہر ہر صنف کو الگ الگ کرکے بیان کرنا ہے۔

تصنیف: بمعنی مصنف ایسی کتاب جو خود مصنف کے کلام پر مشتمل ہو، غیر کے کلام کا ذکر یا تو نقد و جرح کے لئے ہو یا تائید کے لئے، یا کسی اور غرض سے مگر اکثر کلام خود مصنف کا ہو۔

تالیف: بمعنی مؤلف اس کتاب کو کہتے ہیں، جس میں اکثر غیر کے کلام کو جمع و مرتب کیا گیا ہو۔

زعمت: زُعم (زاء پر تینوں حرکات) بمعنی قول، حق ہو یا باطل، گمان کرنا، کہنا، (ن، س، ف) یہاں "قلتَ" کے معنی میں ہے، "زعم" بمعنی قول حق یعنی یقین کے لئے بکثرت مستعمل ہے، حدیث میں ہے "زعم جبرئیل"، (صحیح مسلم) حدیث ضمام بن ثعلبہ میں ہے: "زعم رسولک"، سیبویہ نے بھی قول کے معنی میں اس کا استعمال کثرت سے کیا ہے، "زعم الخلیل" بمعنی "قال الخلیل"۔

یشغلک عما: (ف) شغل کا صلہ "عن" ہونے پر اس کا معنی غافل کرنا، توجہ ہٹانا ہوتا ہے۔

من التفهم فيها و الاستنباط منها: یہ جملہ "ما له قصدت" کا بیان ہے، "تفهم" (تفعل) کا معنی اچھی طرح سمجھنا، اور استنباط کا معنی اجتہاد اور غور و فکر کے ذریعہ حکم معلوم کرنا، اس کا مادہ "نبط" ہے "نبط الماء" پانی نکالنا، "نبط البئر" کنویں کا پانی نکالنا، (لازم و متعدی دونوں مستعمل ہے)، مراد کتاب و سنت سے احکام نکالنا ہے۔

تشریح:

درخواست کرنے والے کی یہ بھی خواہش ہے کہ احادیث کا مجموعہ مرتب ہو، احادیث یکجا ہوں، اور کثرتِ تکرار نہ ہو، اسلئے کہ کثرت تکرار سے اصل مقصد، یعنی حدیثوں کو سمجھنا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا فوت ہو جائے گا، اور طالب اسی تکرار میں الجھ کر رہ جائے گا۔

چنانچہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی تالیف میں ان امور کو ملحوظ بھی رکھا ہے، احادیث کو حسب موقع ذکر کرکے عمدگی ترتیب بھی باقی رکھی ہے، اور ایک ہی مضمون کی متعدد احادیث کو مختلف سندوں کے ساتھ، الفاظ اور

صیغے کے اختلافات کو بیان کرتے ہوئے یکجا ذکر کرکے سلیقۂ بیان کو بھی قائم رکھا ہے، جس کی وجہ سے احادیث سہل الحصول اور کتاب کثیر الافادہ ہو گئی ہے۔

مطلوبہ کتاب کی تالیف کا فائدہ:

"وَلِلَّذِى سَأَلْتَ – أَكْرَمَكَ اللَّهُ – حِينَ رَجَعْتُ إِلَى تَدَبُّرِهِ وَمَا تَؤُولُ بِهِ الْحَالُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَاقِبَةٌ مَحْمُودَةٌ وَمَنْفَعَةٌ مَوْجُودَةٌ ، وَظَنَنْتُ حِينَ سَأَلْتَنِي تَجَشُّمَ ذَلِكَ ، أَنْ لَوْ عُزِمَ لِي عَلَيْهِ وَقُضِيَ لِي تَمَامُهُ ،كَانَ أَوَّلُ مَنْ يُصِيبُهُ نَفْعُ ذَلِكَ إِيَّايَ خَاصَّةً قَبْلَ غَيْرِي مِنَ النَّاسِ، لأَسْبَابٍ كَثِيرَةٍ يَطُولُ بِذِكْرِهَا الْوَصْفُ"۔

ترجمہ:

اور جس کی تم نے درخواست کیا -اللہ تم کو عزت دے- جب میں نے اس پر اور اس کے انجام پر غور و فکر کی طرف رجوع کیا،(تو مجھے محسوس ہوا کہ) اگر اللہ نے چاہا تو اس کے لئے ایک اچھا انجام اور نقد فائدہ ہوگا، اور جس وقت تم نے مجھ سے اس کی مشقت اٹھانے کا مطالبہ کیا، تو میں نے خیال کیا کہ اگر میرے لیے اس کا ارادہ کر لیا گیا، اور اس کی تکمیل کا فیصلہ میرے حق میں کر دیا گیا تو پہلا شخص جس کو اس کا نفع پہونچے گا، خاص میں ہوں گا دوسرے لوگوں سے پہلے، بہت سارے اسباب کی وجہ سے جن کے ذکر سے بات طویل ہو جائے گی۔

حل لغات:

[للذى سألت]:لام حرف جار کے ساتھ، خبر مقدم ہے، اور"عا قبة محمودة ، ومنفعةموجودة "مبتدا مؤخر ہے۔

[إلى تدبره وما تؤل به الحال]:"ماکا عطف"تدبره "کی ضمیر مجرور پر ہے، جو"الذی "کی طرف راجع ہے، یعنی"حين رجعتُ الى تدبرِ الذى سألت و الى تدبر ما تؤل به الحال"۔

[تؤول]:(ن) فعل مضارع معروف اس کا مصدر"أولا" اور"مألا"ہے،"رجع يرجع"کے معنی میں،"ما تؤل

به الحال"، جدھر حال لوٹے گا، یعنی نتیجہ اور انجام۔

[تجشم]: باب تفعل سے کسی کام کو انجام دینے کی مشقت اٹھانا۔

[عزم لی علیه]: فعل مالم یسم فاعلہ ہے، اور اس کا فاعل اللہ ہے، یہاں امام مسلمؒ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ لفظ عزم کی نسبت اللہ عز وجل کی طرف درست نہیں، کیونکہ عزم اس یقین کو کہتے ہیں جو تردد وتذبذب کے بعد حاصل ہوتا ہے، مگر یہ اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ اس لفظ کا استعمال امام مسلمؒ سے پہلے بھی ملتا ہے، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اور اس میں اس کی اسناد اللہ تعالی کی طرف ہے، فرماتی ہیں:"فلما توفى أبو سلمة رضی اللہ عنہ قلت من خير من ابى سلمة ،صاحَبَ رسولَ الله ﷺ، ثم عزَمَ االله لى فقلتُها، فتزوجت رسول االله ﷺ "(صحیح مسلم رکتاب الجنائز رباب مایقال عند المصیبۃ)، عزم کا معنی ہے"عقدُ القلبِ على إمضاء الامر"(المفردات فی غریب القرآن) اور اللہ تعالی کا ارادہ اور اس کی توفیق امضاء امر کے مرادف ہے،"عزمه،و اعتزمه، و عليه، وتعزّم: أراد فعله،و قطع عليه،أو جدّ فى الأمر ---و عزمة من عزمات الله:حق من حقوقه:أى واجب مما أوجبه، و عزائم الله: فرائضه التى أوجبها" (القاموس المحیط)، یعنی عزم بمعنی ارادہ استعمال ہوتا ہے، اور اس کی نسبت اللہ کی طرف بھی کی جاتی ہے عزائم الله يعنى ما عزمها الله أى التى أوجبها، لہذا لفظ عزم کا معنی پختہ اور قطعی ارادہ ہے، خواہ تردد کے بعد حاصل ہو یا بغیر تردد کے، اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں کوئی قباحت نہیں، جبکہ عزم وارادہ اور قصد ونیت متقارب الفاظ ہیں، ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ ہوتا ہے، اہل عرب بولتے ہیں"نواک االله بحفظه يعنى قصدك االله بحفظه "،"لو عزم لى عليه" کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے،"لو سُهِّل لى سبيلُ العزم أو خلق فيّ قدرة عليه"[اگر میرے لئے عزم کا راستہ آسان کر دیا گیا، یا میرے اندر اس کی قوت پیدا کر دی گئی](شرح النوویؒ)، چنانچہ "قضى لى تمامه" سے امام مسلمؒ نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

[لأسباب كثيرة]: اس کا تعلق "يصيبه" سے ہے، یعنی اس کا نفع سب سے پہلے مجھ کو ہی ملے گا، اس کے بہت سارے اسباب ہیں، نیز"عاقبة محمودة و منفعة موجودة" سے بھی اس کا تعلق ممکن ہے یعنی اچھا انجام اور

نقد نفع حاصل ہونے کے بہت سارے اسباب ہیں۔

تشریح:

تمھاری درخواست اور اس کے نتائج پر غور وخوض کے بعد اس کی افادیت کا احساس ہوا، اور کام کی مشقت کے باوجود، اگر اس کو انجام دینے اور مکمل کرنے کی توفیق ہوگئی، تو لوگوں کو تو فائدہ پہونچے گا ہی، خود مجھ کو بھی بہت نفع ہوگا۔

عوام کے لئے صحیح احادیث ہی مفید ہیں اگرچہ کم ہوں:

''إِلاَّ أَنَّ جُمْلَةَ ذَلِكَ أَنَّ ضَبْطَ الْقَلِيلِ مِنْ هَذَا الشَّانِ وَإِتْقَانَهُ أَيْسَرُ عَلَى الْمَرْءِ مِنْ مُعَالَجَةِ الْكَثِيرِ مِنْهُ. وَلاَ سِيَّمَا عِنْدَ مَنْ لاَ تَمْيِيزَ عِنْدَهُ مِنَ الْعَوَامِّ إِلاَّ بِأَنْ يُوَقِّفَهُ عَلَى التَّمْيِيزِ غَيْرُهُ. فَإِذَا كَانَ الأَمْرُ فِي هَذَا كَمَا وَصَفْنَا فَالْقَصْدُ مِنْهُ إِلَى الصَّحِيحِ الْقَلِيلِ أَوْلَى بِهِمْ مِنَ ازْدِيَادِ السقيم''

ترجمہ:

مگر ان اسباب کے ذکر کا مجموعہ (خلاصہ) یہ ہے کہ آدمی کے لئے کثیر احادیث میں اشتغال کی بنسبت ان احادیث میں سے قلیل مقدار کو یاد کرنا، اور اس کو پختہ کرنا زیادہ آسان ہے، اور خاص طور سے عوام کیلئے، جن کے پاس خود (صحیح اور غیر صحیح میں) امتیاز اور فرق کی صلاحیت نہیں ہے، مگر یہ کہ کوئی دوسرا شخص ان کو فرق وامتیاز سے واقف کرائے، اور جب اس بارے میں صورت حال یہ ہو جو ہم نے بیان کیا، تو ان عوام کیلئے تھوڑی صحیح احادیث کا قصد کرنا بہ نسبت ضعیف احادیث کی تکثیر کے زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

حل لغات:

[**إلا أنّ جملة ذلک**]: ذلک کا مشار الیہ ''ذکر الاسباب الکثیرۃ ہے''، جو ''یطول بذکرھا الوصف'' کا مفہوم ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا مشار الیہ ''نفع'' ہو، اور یہاں ان اسباب کے ذکر سے کوئی تعرض نہیں ہے، اور ''إلا'' حرف استثناء ہے، ''یطول بذکرھا الوصف کے مفہوم ''لا اذکرھا تفصیلا'' سے استثناء کیا گیا

ہے،یعنی اس کے تفصیلی ذکر سے بات طویل ہو جائے گی، مگر اس کا مجموعہ اور خلاصہ یہ ہے کہ.................۔

[من هذا الشأن]:"أي من الأخبار المأثورة"یعنی شان سے مراد احادیث نبویہ ہیں، کلمہ شان موقع محل کے لحاظ سے متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، کتب لغت میں شان کے یہ معانی مذکور ہیں: حیثیت، عزت، حال، اہمیت، معاملہ، کام، سلسلہ، یہاں سلسلہ کے معنی میں لیا جا سکتا ہے، کیونکہ سیاق اور سلسلہ احادیث نبویہ کا ہے۔

[معالجة الكثير منه]:مفاعلت کا مصدر ہے، مشق کرنا، لگے رہنا، "منه" کی ضمیر "هذا الشان" کی طرف راجع ہے، یعنی کثیر احادیث کے حصول میں لگنے سے۔

[لا سيّما]: سیٌّ بمعنی مثل ومانند، هما سِيّان أي مثلان، "لا سيما" کا استعمال برائے استثناء و تخصیص بمعنی "خاص طور"، "لا" کے ساتھ ہی ہوتا ہے، "سیّ" کے بعد "ما" کو زائدہ بھی کہا گیا ہے اس صورت میں اس کا مابعد اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا، یا "ما" کو موصولہ بمعنی "الذی" قرار دیں، تو اس کا مابعد مرفوع ہوگا "سیّ "مبتدا اور "ما "کا مابعد اسکی خبر ہوگا، جیسا کہ امرؤالقیس کے قول "ولا سيما يوم بدارة جلجل "میں دونوں اعراب پڑھا گیا ہے اور اگر "سيّما "کا استعمال بغیر نفی کے ہو تو یہ تسویہ اور تشبیہ کا معنی دیتا ہے، یعنی "سيّما" کا ماقبل ومابعد حکم میں ایک ہی جیسا ہے، (المصباح المنیر: ۳۰۰)۔

[تمييز]: علی وزن تفعیل، امتیاز کرنا، مراد صحیح اور غیر صحیح احادیث میں فرق کرنا۔

[يُوَقِّفه]: واو پر فتحہ، اور قاف مشدد مکسور ہے، باب تفعیل سے فعل مضارع، اس کو واقف کرائے۔

[سقيم]: بیمار، مراد ضعیف احادیث، اور حدیث ضعیف ہر وہ حدیث ہے، جس میں صحیح یا حسن کی کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو، اور حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی شرائط یہ ہیں: سند کا متصل ہونا، راوی کا عادل ہونا، ضابط ہونا، حدیث کا شاذ نہ ہونا، حدیث کا معلول نہ ہونا، حدیث حسن، حدیث صحیح کی ہی قسم ہے، اور چونکہ حسن کی اصطلاح امام مسلمؒ کے بعد رائج ہوئی، اسلئے یہاں صرف صحیح اور سقیم کا ذکر ہے۔

تشریح:

کتاب کے نفع بخش ہونے کے اسباب کثیر ہیں، جن کو تفصیل سے ذکر کرنے میں بات طویل ہو جائے

گی، مگر مختصراً اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث نبویہ کو صحیح اور غیر صحیح کے مابین فرق وامتیاز کے بغیر کثیر تعداد میں حاصل کر لینے کے بجائے، صرف صحیح احادیث کو اگرچہ قلیل اور تھوڑی ہوں یاد کرنا اور محفوظ کرنا زیادہ آسان ہے، عمومی طور پر بھی، اور خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جو صحیح اور ضعیف میں فرق نہیں کر سکتے، جب تک کوئی عالم، ان کی رہنمائی نہ کرے، اس لئے محض احادیث صحیحہ کی جمع وترتیب پر اکتفا کرنا ہی میرے یا کسی کے لئے بھی انجام کے لحاظ سے مفید و نفع بخش رہے گا۔

ضعیف احادیث، نیز کثیر احادیث کی طلب اہل فن محدثین ہی کے لئے مفید ہے:

وَإِنَّمَا يُرْجَى بَعْضُ الْمَنْفَعَةِ فِي الِاسْتِكْثَارِ مِنْ هَذَا الشَّأنِ وَجَمْعِ الْمُكَرَّرَاتِ مِنْهُ لِخَاصَّةٍ مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ رُزِقَ فِيهِ بَعْضَ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ بِأَسْبَابِهِ وَعِلَلِهِ فَذَلِكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ يَهْجُمُ بِمَا أُوتِيَ مِنْ ذَلِكَ عَلَى الْفَائِدَةِ فِي الِاسْتِكْثَارِ مِنْ جَمْعِهِ. فَأَمَّا عَوَامُّ النَّاسِ الَّذِينَ هُمْ بِخِلَافِ مَعَانِي الْخَاصِّ مِنْ أَهْلِ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ فَلاَ مَعْنَى لَهُمْ فِي طَلَبِ الْكَثِيرِ وَقَدْ عَجَزُوا عَنْ مَعْرِفَةِ الْقَلِيلِ.

ترجمہ:

ہاں، ان احادیث کو زیادہ حاصل کرنے اور ان کے مکررات کو جمع کرنے میں ان خاص لوگوں کیلئے کچھ فائدہ کی امید کی جاتی ہے، جن کو ان احادیث کے بارے میں کچھ بیدار مغزی وہوشیاری اور ضعیف احادیث کے اسباب وعلل کی معرفت اور اس کا علم دیا گیا ہو، تو ایسا شخص، اگر اللہ نے چاہا، تو اس تیقظ اور معرفت کے سبب جو اسے میسر ہے، ان (احادیث) کے جمع کرنے میں کثیر طلبی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، بہر حال عام لوگ جو تیقظ ومعرفت والے خواص کے علاوہ ہیں تو ان کے لئے احادیث کی کثرت طلب کرنے میں کوئی مقصد اور فائدہ نہیں ہے، حال یہ کہ وہ قلیل احادیث کی معرفت سے ہی عاجز و قاصر ہیں۔

حل لغات:

[یرجی]: فعل مضارع مجہول ہے، "رجا یرجو رجاءً" سے، امید کی جاتی ہے، امید ہے۔

[بأسبابه و علله]: ضمیر "سقیم "کی طرف راجع ہے، اور "علل" جمع ہے "علة "کی، مرض اور عیب کے معنی میں، نیز سبب کے معنی میں بھی مستعمل ہے، محدثین کی اصطلاح میں علت اس غامض اور خفی سبب کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدیث، ضعیف قرار پائے، جبکہ اس کے غیر واضح اور دقیق ہونے کی وجہ سے بظاہر حدیث اس عیب سے خالی اور محفوظ معلوم ہوتی ہو، "و العلة عبارة عن سبب غا مض خفی قادح مع أن الظاهر السلامة منه" [اور علت سے مراد وہ دقیق پوشیدہ سبب ہے جو حدیث کے اندر عیب پیدا کرنے والا ہو، حالانکہ ظاہر یہ ہو کہ حدیث اس عیب سے محفوظ ہے]، (تدریب الراوی ۱/ ۲۵۲)۔

ظاہر ہے اس طرح کے اسباب خفیہ جو احادیث کی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں جبکہ بظاہر حدیث بالکل صحیح وسالم نظر آتی ہے ان پر ہر محدث مطلع نہیں ہو سکتا، ایسے عیوب پر نگاہ اسی محدث عالم کی پڑ سکتی ہے، جس نے حدیث اور علوم حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہو، اور حدیث ہی اس کا مشغلہ ہو، احادیث کی متعدد اسناد و طرق سے واقف ہو، اور حدیث نبوی کا صحیح ذوق اس کے اندر ہو، یہ عیب سند میں بھی ہو سکتا ہے، اور متن میں بھی، اور اس کی مثالیں مصطلحات کی کتابوں میں موجود ہیں، ایسی احادیث جن میں علت پائی جاتی ہے، انھیں معلول اور معلل بھی کہتے ہیں۔

[یهجم]: باب ضرب سے "انتهى اليه بغتة أو دخل بغير اذن"، اچانک کسی کے پاس پہونچنا، ٹوٹ پڑنا، یہاں بمعنی "یبلغ" ہے، یعنی فائدہ تک پہونچے گا، فائدہ اٹھائے گا۔

[من ذلک]: اشارہ "بعض التیقظ و المعرفة" کی طرف ہے، نیز تیقظ اور معرفت کی طرف بھی صحیح اور درست ہے، اس صورت میں "من" تبعیضیہ ہوگا۔

تشریح:

ممکن ہے کسی ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا ہو، کہ آپ صرف احادیث صحیحہ کے جمع پر اکتفا کرنے کو اولی اور بہتر قرار دے رہے ہیں، جبکہ بہت سارے محدثین نے ضعیف اور مجروح راویوں سے بھی روایتیں کی ہیں، بہت سارے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں ضعیف اور غیر صحیح روایتوں کو بھی جمع کیا ہے، تو کیا ان کا ایسا کرنا بے

مقصد اور بے فائدہ ہو گا؟"انما یرجی" سے اسی اشکال کو دور کر رہے ہیں، کہ ہم نے وہ بات عوام کے متعلق کہی ہے، البتہ وہ لوگ جن کو حدیث و علوم حدیث کی معرفت حاصل ہے، اور وہ احادیث رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں بیدار مغز ہیں، صحت و ضعف کے اسباب سے واقف ہیں تو ایسے لوگوں کیلئے کثرت حدیث سے فائدہ ہو گا، بہت سے محدثین مجروح رواۃ سے احادیث کی سماعت صرف اسلئے کرتے تھے، تاکہ کوئی شخص ان احادیث کو معمولی الٹ پھیر کے ذریعہ انھیں مغالطہ میں نہ ڈال سکے، چناچہ احمد بن حنبلؒ نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا:"فلو قال لک قائل :أنت تتكلم فى أبان ثم تكتب حديثه على الوجه ،فقال :نعم،أكتبُها فأحفظها وأعلم أنها موضوعةحتى لا يجئ انسان بعده فيجعل لنا ثانيًا"[اگر آپ سے کوئی کہے کہ آپ تو ابان (راوی) کے اوپر جرح کرتے ہیں پھر اس کی حدیثیں اسی طرح لکھتے بھی ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں میں اس کی ان احادیث کو لکھتا ہوں پھر اسے یاد بھی کرتا ہوں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ گھڑی ہوئی موضوع ہیں، تاکہ کوئی شخص اسے دوسری حدیث یعنی دوسری سند سے ہمارے پاس بیان نہ کر سکے](تہذیب التہذیب ۲۸۶/۱۱)، یعلی بن عبید کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوریؒ نے فرمایا:"اتقوا الكلبى، فقيل له : فانک تروى عنه ،قال أنا أعرف صدقه من كذبه"(کتاب العلل للترمذیؒ)، کلبی سے بچے رہنا، تو ان سے کہا گیا کہ آپ تو ان سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: میں انکے سچ اور جھوٹ کو جانتا ہوں، تو ان ضعیف اور موضوع احادیث کی واقفیت رکھنا ان علماء کے لئے ہے جو اپنے علم کے ذریعہ احادیث ضعیفہ کے ضعف کو جان سکیں، اور ان کے اختلاط سے احادیث صحیحہ کو بچا سکیں۔

منہج تالیف:

"ثُمَّ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُبْتَدِئُونَ فِى تَخْرِيجِ مَا سَأَلْتَ وَتَأْلِيفِهِ عَلَى شَرِيطَةٍ سَوْفَ أَذْكُرُهَا لَكَ وَ هُوَ إِنَّانَعْمِدُ إِلَى جُمْلَةِ مَا أُسْنِدَ مِنَ الأَخْبَارِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَنَقْسِمُهَا عَلَى ثَلاَثَةِ أَقْسَامٍ وَثَلاَثِ طَبَقَاتٍ مِنَ النَّاسِ عَلَى غَيْرِ تَكْرَارٍ. إِلاَّ أَنْ يَأْتِىَ مَوْضِعٌ لاَ يُسْتَغْنَى فِيهِ عَنْ تَرْدَادِ حَدِيثٍ فِيهِ زِيَادَةُ مَعْنًى أَوْ إِسْنَادٌ يَقَعُ إِلَى جَنْبِ إِسْنَادٍ لِعِلَّةٍ تَكُونُ هُنَاكَ لأَنَّ الْمَعْنَى الزَّائِدَ فِى الْحَدِيثِ الْمُحْتَاجَ إِلَيْهِ

يَقُومُ مَقَامَ حَدِيثٍ تَامٍّ فَلاَ بُدَّ مِنْ إِعَادَةِ الْحَدِيثِ الَّذِى فِيهِ مَا وَصَفْنَا مِنَ الزِّيَادَةِ أَوْ أَنْ يُفَصَّلَ ذَلِكَ الْمَعْنَى مِنْ جُمْلَةِ الْحَدِيثِ عَلَى اخْتِصَارِهِ إِذَا أَمْكَنَ. وَلَكِنْ تَفْصِيلُهُ رُبَّمَا عَسُرَ مِنْ جُمْلَتِهِ فَإِعَادَتُهُ بِهَيْئَتِهِ إِذَا ضَاقَ ذَلِكَ أَسْلَمُ فَأَمَّا مَا وَجَدْنَا بُدًّا مِنْ إِعَادَتِهِ بِجُمْلَتِهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنَّا إِلَيْهِ فَلاَ نَتَوَلَّى فِعْلَهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى".

ترجمہ:

پھر جو آپ نے درخواست کیا ہے، انشاء اللہ ہم اس کو انجام دینے، اور اس کی تالیف کا آغاز کرنے والے ہیں، ایک شرط کے ساتھ جس کو ہم آپ سے بیان کریں گے، اور وہ یہ ہے کہ سندوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے منقول احادیث کے ایک مجموعہ کو سامنے رکھیں گے، اور ان کو تقسیم کریں گے تین قسموں پر، اور راویوں کے تین طبقات پر، بغیر تکرار کے، مگر یہ کہ کوئی ایسا مقام آجائے جہاں کسی ایسی حدیث کو جس میں کسی معنی کی زیادتی ہے دوبارہ لانے سے بے نیاز نہ ہوا جاسکے،، یا کوئی ایسی سند ہو جو کسی سند کے پہلو (ساتھ) میں واقع ہو، (مربوط ہو) کسی وجہ سے جو وہاں پائی جائے، اسلئے کہ حدیث میں وہ زائد بات جس کی ضرورت ہے مکمل حدیث کے قائم مقام ہے، لہذا اس حدیث کا اعادہ کرنا ضروری ہے، جس میں وہ بات ہے جس کو ہم نے بیان کیا، یعنی زائد معنی، یا یہ کہ الگ کرلیا جائے اس معنی کو پوری حدیث سے اختصار کے ساتھ جبکہ ممکن ہو، لیکن بسا اوقات پوری حدیث سے اس کا الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، تو جب یہ دشواری ہو، تو اس کا اس کی ہیئت پر اعادہ ہی زیادہ مامون ہوگا، اور جب ہم اپنی طرف سے بغیر کسی ضرورت کے پوری حدیث کے اعادہ سے بچنے کی گنجائش پائیں گے، تو اس (اعادہ) کا ارتکاب نہیں کریں گے انشاء اللہ تعالی۔

حل لغات:

[شريطة]: ج شرائط، بمعنی شرط جمع شروط: "الزام الشئ والتزامه فی البيع و نحوه"، بیع وغیرہ میں لگائی جانے والی قید جسکی پابندی کی جائے۔

[تخريج]: نکالنا، منظر عام پر لانا، تیار کرنا، حدیث کو صحیح سندوں سے نقل کرنا۔

تخریج کی تعریف:

اصطلاح میں تخریج کا مطلب ہے، کسی حدیث کو ایسی معتبر کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں اس کے مؤلف کی سند سے احادیث منقول ہوں، مگر یہاں متن میں یہ اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، یہاں اس سے مراد حدیث کو ذکر کرنا ہے۔

مستخرج کی تعریف:

اور کتب حدیث میں مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں، جس کا مؤلف کسی خاص کتاب کی احادیث کو اپنی سندوں سے ذکر کرے، اور اس کتاب کے مؤلف کے شیخ یا اس کے اوپر کسی راوی پر دونوں کی سند متحد ہو جائے، "أن یاتی المصنف إلی الکتاب فیخرّج أحادیثه بأسانید لنفسه من غیر طریق صاحب الکتاب فیجتمع معه فی شیخه أو من فوقه" (تدریب الراوی:۱/۱۱۲) جیسے مستخرج ابو عوانہ علی صحیح مسلم۔

[جملة ما أسند]: جملة: بمعنی مجموعہ، یہاں پر رسول اللہ ﷺ سے منقول تمام احادیث کا مجموعہ مراد نہیں ہے، بلکہ اغلب و اکثر احادیث کا مجموعہ مراد ہے، یا اس سے مراد "جملة ما عندی" ہے، یعنی میرے پاس، میرے علم میں جو مجموعہ احادیث ہے، اس توجیہ کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول تمام احادیث کا استیعاب کسی ایک شخص کیلئے مستبعد ہے۔ "و یبعد کل البعد أن یکون رجل واحد حفظ ما فات الأمة جمیعه" (تدریب الراوی:۱/۱۰۰) اور مشہور ہے کہ امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے صحیح مسلم کا انتخاب کیا ہے۔

[ثلاث طبقات من الناس]: طبقہ سے مراد، ایک جیسے لوگ، "والطبقة:القوم المتشابهون" (تقریب النواوی ۲/۳۸۰) یہ مشابہت مختلف اعتبار سے ہو سکتی ہے، یہاں امام مسلمؒ رواۃ کی صفتِ ضبط وعدالت اور اس کے مراتب کے لحاظ سے طبقات کی تقسیم کریں گے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا طبقہ: ان رواۃ کا ہے جو عدالت کے ساتھ ضبط واتقان کے اعتبار سے اعلی درجہ کے ہیں۔

دوسرا طبقہ: ان رواۃ کا ہے جو عدالت کے ساتھ ضبط واتقان کی صفت سے متصف تو ہیں، لیکن ان کا ضبط، پہلے طبقہ کے ضبط سے خفیف اور کمتر ہے، پھر بھی وہ ثقہ اور مقبول ہیں۔

تیسرا طبقہ: ان رواۃ کا ہے جو عدالت یا ضبط کے اعتبار سے متہم اور مجروح ہیں، یعنی ان کا ضبط اس درجہ ناقص ہے کہ وہ قابل قبول نہیں رہے۔

[زيادة معنى]: اس سے مراد متن حدیث میں کسی زائد مضمون کا ہونا، یا کوئی ایسی بات جس سے سابق حدیث کے مضمون کو سمجھنے میں مدد ملے۔

[إسناد يقع إلى جنب إسناد]: یعنی کوئی ایسی سند ہو جس سے سابقہ سند کو سمجھنے میں مدد ملے، مثلا ایک میں عنعنہ ہے اور دوسری سند میں سماع کی صراحت، یا ایک سند میں راوی مبہم ہے، اور دوسری سند میں اسکی وضاحت ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سند کا تکرار بے فائدہ نہیں ہوگا۔

[أو أن يفصل ذلك المعنى من جملة الحديث على اختصاره]: يفصل: فعل مضارع مجہول ہے تفصيل بمعنی الگ کرنا، اور اختصار کا مطلب یہ ہے کہ کلام کثیر کے ذریعہ بیان کئے گئے معنی و مفہوم کو کلام قلیل کے ذریعہ تعبیر کیا جائے، اختصار کے مشابہ ایجاز بھی کلام کی ایک صِنف ہے جس کا مطلب ہے معنی کثیر کو قلیل الفاظ میں تعبیر کرنا، یہاں پر مراد یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اس زائد حصہ کو ہی اختصار کے طور پر ذکر کیا جائے، مکمل حدیث کا اعادہ نہ کیا جائے۔

اختصار حدیث کا معنی:

یہاں پر اختصار حدیث سے مراد، مضامین حدیث کی تقطیع ہے یعنی اسکے کسی حصہ کو بیان کرنا اور دوسرے بعض حصہ کو بیان نہ کرنا۔

اختصار فی الحدیث کا حکم:

محدثین کے مابین اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ تقطیع مضامین، اور اختصار کے ساتھ حدیث کی روایت کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ بالمعنی حدیث کی روایت جائز نہیں کہتے، انکے نزدیک اختصار حدیث بھی درست نہیں ہے، مگر جمہور کے نزدیک حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے، اس کے باوجود اختصار حدیث کے بارے میں انکے مابین بھی اقوال ہیں:

۱- اختصار حدیث مطلقادرست ہے، صحیح بخاری میں امام بخاریؒ کے طرز تالیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی کے قائل ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب، صحیح کی پہلی حدیث میں ہی اختصار و تقطیع سے کام لیاہے، اور اسی حدیث کو اپنی اسی کتاب میں مزید چھ مقامات پر الگ الگ سیاق میں ذکر کیاہے، جب کہ حدیث ایک ہی ہے۔

۲- اختصار حدیث اسوقت تک جائز نہیں، جب تک حدیث کو ایک مرتبہ مکمل بیان نہ کرلیا گیاہو۔

۳- اس شخص کے لئے مضمون حدیث کی تقطیع اور اختصار درست ہے جو مضمون حدیث سے واقفیت اور بصیرت رکھتاہے، اور یہ سمجھتاہے کہ اس کے اختصار سے مضمون حدیث میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، اور معنی میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی، (شرح نووی)۔

تشریح:

امام مسلمؒ یہاں سے یہ بیان کررہے ہیں کہ صحیح مسلم کی تالیف کانہج کیاہوگا، اور کن شروط کاان میں لحاظ ہوگا، چناچہ پہلی شرط تو یہ ہے کہ احادیث مخلوط اور کیف ما اتفق نہیں ہوں گی، بلکہ رواۃ حدیث کے مراتب کے لحاظ سے احادیث کی ترتیب دیں گے، اور اس ترتیب کیلئے رواۃ کو تین طبقات میں تقسیم کریں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ احادیث کو مکرر بیان کرنے سے احتراز کریں گے، مگر بعض تکرار اور اعادہ کسی اہم فائدہ پر مشتمل ہوتے ہیں جن کے بغیر بات بنتی نہیں اور ان کے لیے استثنائی صورت رکھنی ہی پڑتی ہے، مثلاً کسی حدیث کا متن دوسری سند سے بھی مذکور ہے مگر اس میں کوئی زائد معنی اور مضمون ہے، یااس کے ذریعہ پہلے مذکورہ متن کی وضاحت اور تشریح ہوجاتی ہے، نیز اس زائد مضمون کو پوری حدیث سے الگ کر کے ذکر کرنا بھی مشکل اور دشوار ہوتاہے، تواس صورت میں مکمل حدیث کو مکرر ذکر کرنا ناگزیر ہوتاہے، یاایک سند کے ذریعہ کوئی متن مذکور ہوا اور بعینہ وہی متن دوسری سند سے بھی مذکور ہو، اور دونوں سندوں کو ایک دوسرے سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے تو سند کا تکرار کیاجائے گا"إلا أن يأتي موضع" سے اسی استثنائی صورت کاذکر کررہے ہیں۔

تقسیم طبقات کی تفصیل، پہلا اور دوسرا طبقہ:

فَأَمَّا الْقِسْمُ الأَوَّلُ فَإِنَّا نَتَوَخَّى أَنْ نُقَدِّمَ الأَخْبَارَ الَّتِي هِيَ أَسْلَمُ مِنَ الْعُيُوبِ مِنْ غَيْرِهَا وَأَنْقَى مِنْ أَنْ يَكُونَ نَاقِلُوهَا أَهْلَ اسْتِقَامَةٍ فِي الْحَدِيثِ وَإِتْقَانٍ لِمَا نَقَلُوا لَمْ يُوجَدْ فِي رِوَايَتِهِمِ اخْتِلاَفٌ شَدِيدٌ وَلاَ تَخْلِيطٌ فَاحِشٌ كَمَا قَدْ عُثِرَ فِيهِ عَلَى كَثِيرٍ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَبَانَ ذَلِكَ فِي حَدِيثِهِمْ فَإِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا أَخْبَارَ هَذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ أَتْبَعْنَاهَا أَخْبَارًا يَقَعُ فِي أَسَانِيدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوفِ بِالْحِفْظِ وَالإِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ عَلَى أَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوا فِيمَا وَصَفْنَا دُونَهُمْ فَإِنَّ اسْمَ السِّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الآثَارِ وَنُقَّالِ الأَخْبَارِ. فَهُمْ وَإِنْ كَانُوا بِمَا وَصَفْنَا مِنَ الْعِلْمِ وَالسِّتْرِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مَعْرُوفِينَ فَغَيْرُهُمْ مِنْ أَقْرَانِهِمْ مِمَّنْ عِنْدَهُمْ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الإِتْقَانِ وَالاِسْتِقَامَةِ فِي الرِّوَايَةِ يَفْضُلُونَهُمْ فِي الْحَالِ وَالْمَرْتَبَةِ لأَنَّ هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ دَرَجَةٌ رَفِيعَةٌ وَخَصْلَةٌ سَنِيَّةٌ

ترجمہ:

بہر حال پہلی قسم، تو ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ان احادیث کو ذکر کریں، جو (اسی مضمون کی) اپنے علاوہ احادیث کی بہ نسبت عیوب سے زیادہ محفوظ اور صاف ستھری ہیں، کیونکہ ان کے نقل کرنے والے (رواۃ)، حدیث کو صحت کے ساتھ روایت کرنے پر قائم رہنے والے، اور جس کو نقل کیا ہے اس کو پختہ یاد رکھنے والے ہیں، ان کی روایتوں میں بہت زیادہ اختلاف، اور نمایاں خلط ملط نہیں پایا گیا ہے، جیسا کہ بہت سے محدثین کے بارے میں اس (عیب) کا علم ہوا، اور یہ نقص ان کی حدیثوں میں ظاہر ہوا۔

تو جب ہم اس قسم کے لوگوں کی احادیث کو مکمل طور پر بیان کر لیں گے، تو اس کے بعد ان حادیث کو ذکر کریں گے جن کی سندوں میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے، جو ما قبل قسم کی طرح حفظ واتقان سے (علی وجہ الکمال) متصف نہیں ہوں گے، مع ھذا اگرچہ وہ لوگ اس امر میں جو ہم نے بیان کیا ان سے کم تر ہونگے، پھر بھی (اسباب جرح سے) مستور ہونے، سچے ہونے اور علم (حدیث) میں اشتغال کا نام (وصف) ان کو شامل ہو گا (یعنی ان اوصاف میں طبقہ اولی کے شریک ہوں گے)، جیسے عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد، لیث بن ابی سلیم اور ان جیسے

لوگ احادیث کو سننے اور نقل کرنے والوں میں سے، یہ لوگ اگرچہ اس بات میں جو ہم نے بیان کیا یعنی علمی اشتغال اور (اسباب جرح سے) محفوظ رہنے میں اہل علم کے نزدیک معروف اور مشہور ہیں، پھر بھی ان کے ہمسروں میں سے ان کے غیر جن کے اندر وہ صفات ہیں جو ہم نے بیان کیں، یعنی پختگی، اور روایت کرنے میں ثابت قدمی و پائیداری، (وہ لوگ) حال اور مرتبہ میں اِن پر فضیلت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ (مذکورہ صفات) اہل علم کے نزدیک عالی مرتبت اور اچھی خصلت ہیں۔

حل لغات:

[نتوخی]: باب تفعل سے بمعنی نقصد، وخی بمعنی قصد وارادہ، قابل اعتماد راستہ۔

[هی أسلم من العيوب من غيرها و أنقی]: أسلم: زیادہ محفوظ، اور أنقی بمعنی زیادہ صاف ستھری، یہاں پر بات پوری ہوگئی، پھر "من أن يكون ناقلوها" سے ان احادیث کے اسلم وانقی ہونے کی علت اور وجہ بیان کر رہے ہیں، اسلئے " من أن يكون ناقلوها" میں "من "تعلیلیہ ہوگا۔

[استقامة فی الحديث]: استقامت بمعنی ثابت قدمی، پائیداری، حدیث میں اہل استقامۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حدیث سنا ہے، اسی طرح محفوظ رکھا ہو، اور اسی طرح روایت کرے، اور اتقان کے معنی عمدہ کرنا، پختہ کرنا، مراد: احادیث اچھی طرح یاد کرنا، پختہ کرنا۔

[لم يوجد فی روايتهم]: یعنی نقل روایت میں ان سے فاش غلطیاں نہیں ہوئیں، اور اسی طرح روایت کرنے میں مضمون حدیث کے اندر ساتھیوں سے بہت زیادہ اختلاف بھی نہیں ہوا، کسی راوی کے اہل استقامت اور صاحب اتقان ہونے کا معیار اور علامت یہی ہے کہ اسکی غلطیاں اور اختلاف کثیر نہ ہوں، ورنہ نفس خطاء یا شاذ و نادر غلطی سے کوئی راوی بھی محفوظ نہیں۔

[قد عثر فيه علی كثير]: فعل مجہول ہے، اصلاً اسکے معنی گرنے اور لغزش کھانے کے ہیں، اور مجازاً، بغیر طلب کسی امر پر مطلع ہو جانا، "ويتجوزبه فيمن يطلع على امر من غيرطلبه" (المفردات فی غریب القرآن) عثر علی کذا: اس پر مطلع ہوا، و أعثره علی کذا: اسکو اس پر مطلع کیا، آگاہ کیا۔

[تقصّينا]: ہم نے مکمل طور پر بیان کر لیا، یہ اصل میں تقصصنا ہے، باب تفعل سے، ایک صاد کو یاء سے بدلا گیا ہے، جیسے قرآن میں قد خاب من دسّاها اصل میں دسسها ہے، یا جیسے تظنّیت اصل میں تظننت ہے، وكما يقال: قصيت أظفاری، وأصله قصصت أظفاری، ومثله قولهم فی تقصص: تقصی، (المفردات فی غریب القرآن، اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی سورہ الشمس)، ومعناه أتينا بها كلها، يقال اقتص الحديث وقصه ، وقص الرؤيا: أتی بذلک الشیء بکماله، [اور اس کا معنی ہے، ان کو مکمل بیان کر لیں گے، کہا جاتا ہے: اقتص الحديث و قصه و قص الرؤيا: یعنی جوں کا توں، ہو بہو بیان کیا]، (شرح نووی)۔

[أتبعناها اخبارا]: اس کے بعد کچھ حدیثوں کو بیان کریں گے، أتبع الشیء شيئا: کسی شئے کو کسی شئے کا تابع بنایا، لاحق کیا، اتبع اثره و أتبعه: زاده: زائد کیا، اضافہ کیا، (اساس البلاغہ للزمخشری)۔

[دونهم]: دون، ظرف مکان منصوب ہے، مضاف الیہ کے مطابق اسکے معنی مختلف ہوتے ہیں، بولا جاتا ہے؛ هذا دون ذاک، أی هو أخس منه و أدنى منزلة [اس سے کمتر ہے]، (اساس البلاغہ)، وهذا دون ذلک علی الظرف أی أقرب منه ----ولا يشتق منه فعل، اس سے فعل مشتق نہیں ہوتا (المصباح المنیر) ۔

[السِتر]: بفتح السین، مصدر بمعنی اسم مفعول یعنی مستور ہونا، اور بکسر السین بھی اسی معنی میں منقول ہے جیسے ذِبح بمعنی مذبوح ، یعنی راوی کے وہ عیوب جس سے وہ مجروح قرار پاتا ہے وہ پردہ میں ہوں، مخفی ہوں ان کا علم نہ ہو پائے، خواہ وہ عدالت کی جنس سے ہوں یا ضبط کی قبیل سے، مگر یہاں عدالت کی جہت مراد ہے یعنی اس کا فسق ظاہر نہ ہو، ضبط کی جہت مراد نہیں ہے، اس سے محفوظ ہونے کے لئے صدق کا لفظ مذکور ہے (راوی کے مستور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن عیوب کے پائے جانے سے راوی مجروح ہوتا ہے وہ عیوب اس راوی کے اندر نہ ہوں یا اگر ہوں تو معلوم اور ظاہر نہ ہوں کہ اس پر جرح کا کوئی حکم لگایا جاسکے)۔

مطلب یہ ہے کہ ضبط واتقان میں ماقبل لوگوں سے کمتر ہونے کے باوجود عدل وصدق اور اشتغال بالعلم کا اطلاق ان پر ہوتا ہے، لفظ ستر بمعنی مستور سے راوی کا عادل ہونا مراد ہے، یعنی ایسے عیوب جس سے اس کا فاسق ہونا لازم آئے ان عیوب کا علم نہ ہو، اس سے مستور الحفظ، بمعنی خفیف الضبط مراد لینا، سیاق وسباق کے مناسب

نہیں، اسلئے کہ اس کا ذکر تو پہلے ہی "دونهم" کے ذریعہ ہو چکا ہے، اگر اس سے بھی خفیف الضبط ہی مراد لیں تو عبارت کا مفہوم کچھ اس طرح ہو گا کہ: "اگرچہ وہ حفظ واتقان میں ان سے کمتر یعنی خفیف الضبط ہوں گے، پھر بھی خفیف الضبط ہونا، سچا ہونا اور اہل علم ہونا ان پر صادق آئے گا"، جبکہ یہاں یہ کہنا ہے کہ ضبط و اتقان میں کمتر یعنی خفیف الضبط ہونے کے باوجود، ان لوگوں پر عدل (عادل) وصدق (صادق وضابط) اور اہل علم ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے وہ عیوب جو راوی کی عدالت کو مجروح کرتے ہیں مستور ہیں، ائمۂ فن پر ظاہر نہیں ہیں۔

اصطلاح میں عدل یعنی عادل سے مراد وہ شخص ہے جس کو تقوی اور مروءت و شرافت کے التزام کا ملکہ حاصل ہو، من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى و المروءة (نزہۃ النظر لابن حجر) تقوی سے مراد کبیرہ سے اجتناب، اور صغیرہ پر عدم اصرار ہے، اور مروءت سے مراد اخلاق رذیلہ سے اجتناب ہے، اس میں احوال زمانہ کے لحاظ سے تغیر ہو سکتا ہے، حفظ و اتقان اور ضبط کے مثل تقوی اور مروءت میں بھی فرق مراتب ہوتا ہے مگر راوی کے عدل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ فاسق نہ ہو" وَالظَّاهِرِ أَنَّهَا تقبل الشدَّة، والضعف" (شرح شرح النخبۃ)۔

نیز "صدق" سے مراد ضبط واتقان ہے، نقل حدیث میں "سچ" یہ ہے کہ جیسے حدیث سنا ہو ویسے ہی روایت کرے، جیسا کہ اعمش کے بارے میں منقول ہے: كان الأعمش يسمى المصحف لصدقه، (تہذیب التہذیب)، یہاں صدق سے مراد عدالت نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ خفیف الضبط ہونے کے باوجود وہ مقبول راوی ہیں ان کا شمار اہل ضبط میں کیا گیا ہے، اور ضبط میں خلل فاحش ہو تو راوی غیر مقبول ہوتا ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتا کا صفحہ (۷۰)۔

[تعاطى العلم]: بمعنی اشتغال بالعلم، تعاطی باب تفاعل سے، مأخذ میں تشارک چاہتا ہے، یعنی علم کا لینا دینا۔

[أضرابهم]: انکے مثل، ان جیسے، ضرب کی جمع ہے، ضرب اور ضريب مثل کے معنی میں مستعمل ہیں۔

[حمال الآثار و نقال الأخبار]: حامل اور ناقل کی جمع ہیں، بظاہر مرادف معلوم ہوتے ہیں لیکن مرادف نہیں ہیں، حمل کا لفظ سماعت حدیث کیلئے مستعمل ہے، جیسے الموقظۃ کی عبارت ہے: لاتشترط العدالةحالة التحمل بل حالة الأداء [سننے کے وقت راوی کا عدل ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ اس کی روایت کے وقت عدل ہونا شرط ہے]

(ص٦١)، سلیمان الاعمش کے بارے میں ابن المدینی کا قول ہے:"لم یحمل عن أنس انما رأه یخضب" [انس رضی اللہ عنہ سے انھوں نے سنا نہیں ہے، بس خضاب لگاتے ہوئے دیکھا ہے]،(تہذیب التھذیب)،یعنی لم یسمع، اور نقل کا لفظ اداء حدیث یعنی کسی کو سنانے اور اس تک پہونچانے کیلئے مستعمل ہے۔

[آقرانھم]: قِرن بکسر القاف کی جمع ہے، بمعنی ہم رتبہ، ہم عمر، ہمسر، مماثل۔

تشریح:

یہاں سے طبقات اور احادیث کی تقسیم اور اسکی تفصیل کر رہے ہیں، دو قسموں کا ذکر کیا ہے، پہلی قسم میں وہ احادیث ہیں جو بہ نسبت اور روایتوں کے عیوب سے زیادہ محفوظ ہیں، کیونکہ انکے رواۃ حدیث کو ضبط کرنے اور نقل کرنے میں انتہائی ٹھوس اور پختہ کار ہیں، اور کسی راوی کے ضبط تام کا معیار اور پیمانہ یہ ہے کہ اسکی روایتوں کو دیکھا جائے، اگر وہ دوسرے ثقہ رواۃ کی روایت کے اکثر موافق ہوتی ہیں، ان سے اختلاف نادر اور کم ہی ہوتا ہے، اور اختلاف کی وجہ سے جو غلطی ہوتی ہے وہ بہت فاش نہیں ہوتی، تو وہ راوی تام الضبط اور صاحب استقامت سمجھا جائے گا، اس طبقہ اور اس قسم کی احادیث کو کسی بھی باب میں اولیت حاصل ہوگی۔

دوسرا طبقہ:

یہاں سے رواۃ کے دوسرے طبقہ کا ذکر کر رہے ہیں کہ طبقۂ اولی کی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد ہی پھر دوسری قسم کی احادیث کا ذکر ہوگا، جسکی تفصیل "اتبعناها اخباراً یقع فی اسانیدها" سے کر رہے ہیں، دوسری قسم میں ایسے رواۃ کی حدیثیں ہیں، جو صدق و عدالت اور اشتغال بالحدیث میں معروف ہونے اور ما قبل طبقہ کے شریک ہونے کے باوجود، ضبط و اتقان اور حفظ حدیث میں ان سے کمتر ہوں گے، خفیف الضبط ہوں گے اس طبقہ اور اس قسم کی احادیث کو بھی اس کتاب میں ذکر کریں گے۔

تراجم رجال:

عطاء بن السائب بن مالک الثقفی الکوفی (ت١٣٦ھ): ثقہ ہیں، اخیر عمر میں اختلاط اور تغیر حفظ کا شکار ہوگئے تھے، اور تلقین کو قبول کر لیتے تھے، اسی لئے اختلاط سے قبل جن لوگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، جیسے

سفیان ثوری، شعبہ، زہیر، زائدہ، حماد بن زید اور ایوب رحمہم اللہ، یہ لوگ جو روایتیں ان سے کرتے ہیں اسے قبول کیا گیا ہے، اور اختلاط کے بعد سننے والوں کی روایتوں کو قبول نہیں کیا گیا، سنن اربعہ کے رجال سے ہیں اور امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ان سے روایت ذکر کی ہے۔

یزیدبن ابی زیاد: ان سے مراد ابوعبداللہ القرشی الھاشمی الکوفی ہیں، ان کے بارے میں محدثین کی آراء مختلف اور مخلوط ہیں، کچھ حضرات نے انھیں ضعیف کہا ہے، اور دیگر لوگوں نے ثقہ، ان کو بھی اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں: "ویزید وان کانوا یتکلمون فیه لتغیره،فهو علی العدالة والثقة،وان لم یکن مثل الحکم والمنصور" [اخیر عمر میں یزید کے حفظ میں تغیر کے سبب اگرچہ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے، لیکن وہ عدل اور ثقہ ہیں، اگرچہ حکم اور منصور جیسے نہیں ہیں]، احمد بن صالح مصری کہتے ہیں: یزید بن ابی زیاد ثقة ، ولا یعجبنی قول من تکلم فیه [یزید بن ابو زیاد ثقہ ہیں، مجھے ان لوگوں کی بات پسند نہیں جو ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں]، صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ان کی روایتیں منقول ہیں نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ان کی روایت ذکر کی ہے (تہذیب التہذیب)۔

امام نوویؒ نے یہاں یزید سے یزید بن ابی زیاد القرشی الدمشقی کو مراد لیا ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: وفیه نظر لایخفیٰ (تہذیب التہذیب)، غالباً اسلئے کہ امام مسلمؒ ایسے لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں جو متکلم فیہ ہونے کے باوجود قابل قبول ہیں، اور یزید بن ابی زیاد الدمشقی کے بارے میں منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہونے کا ذکر ملتا ہے، اسلئے یہ مراد نہیں ہوسکتے۔ واللہ اعلم۔

لیث بن ابی سلیم بن زنیم القرشی: عام طور پر محدثین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے، مگر متروک نہیں کہا ہے، قال معاویة بن صالح عن ابن معین: ضعیف الا أنه یکتب حدیثه ،وقال البزار: کان أحد العباد الا أنه أصابه اختلاط فاضطرب حدیثه، وانما تکلم فیه أهل العلم بهذا، وإلا فلا نعلم أحداً ترک حدیثه، [ابن معین سے نقل کرتے ہوئے معاویہ بن صالح نے (لیث بن ابو سلیم کے بارے میں) کہا ہے کہ ضعیف ہیں مگر ان کی حدیثیں لکھی جائیں گی، اور بزار نے کہا ہے کہ کثیر العبادۃ لوگوں میں سے ہیں، اخیر میں

ان کو اختلاط ہو گیا جس کے سبب ان کی حدیثیں مضطرب ہیں، اور اہل علم نے اسی سبب سے ان کے بارے میں کلام کیا ہے، ورنہ ہمیں نہیں معلوم کہ کسی نے ان کی حدیثوں کو ترک کیا ہے]فضیل بن عیاض سے منقول ہے: کان لیث أعلم أهل الكوفة بالمناسك،[کوفہ میں مناسک کے بارے میں لیث زیادہ جانکار تھے]،عبد الرحمن بن مہدی سے لیث بن اَبی سلیم، عطاء بن السائب اور یزید بن ابی زیاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: لیث أحسنهم حالاًعندی، میرے نزدیک لیث ان میں سب سے اچھے ہیں، سنن اربعہ میں ان سے روایتیں منقول ہیں، نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقًا ان کی روایت ذکر کی ہے، بَاب مَا يُنْهَى مِنْ الطِّيبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ میں فرماتے ہیں:وَقَالَ مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَا تَتَنَقَّبْ الْمُحْرِمَةُ وَتَابَعَهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ، تہذیب التہذیب میں ان کے ترجمہ میں "م" کا رمز مذکور ہے مگر حتی الوسع جستجو کے باوجود صحیح مسلم میں ان سے منقول کوئی روایت نہیں ملی۔

فرق مراتب کی وضاحت بذریعہ مثال:

أَلاَ تَرَى أَنَّكَ إِذَا وَازَنْتَ هَؤُلاَءِ الثَّلاَثَةَ الَّذِينَ سَمَّيْنَاهُمْ عَطَاءً وَيَزِيدَ وَلَيْثًا بِمَنْصُورِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ وَسُلَيْمَانَ الأَعْمَشِ وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ فِي إِتْقَانِ الْحَدِيثِ وَالاِسْتِقَامَةِ فِيهِ وَجَدْتَهُمْ مُبَايِنِينَ لَهُمْ لاَ يُدَانُونَهُمْ لاَ شَكَّ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ فِي ذَلِكَ لِلَّذِي اسْتَفَاضَ عِنْدَهُمْ مِنْ صِحَّةِ حِفْظِ مَنْصُورٍ وَالأَعْمَشِ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِتْقَانِهِمْ لِحَدِيثِهِمْ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَعْرِفُوا مِثْلَ ذَلِكَ مِنْ عَطَاءٍ وَيَزِيدَ وَلَيْثٍ -

ترجمہ:

دیکھ لو، جب تم ان تینوں کا جن کا ہم نے نام ذکر کیا ہے، یعنی عطاء، یزید اور لیث کا موازنہ، منصور بن المعتمر، سلیمان الاعمش اور اسمعیل بن ابی خالد سے حدیث کو پختہ یاد کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے میں کروگے، تو ان میں فرق پاؤگے، وہ ان کے قریب (مثل) نہیں ہونگے، حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک اس (فرق) میں کوئی شک نہیں ہے، اس وجہ سے کہ منصور، اعمش اور اسماعیل کے حفظ کا صحیح ہونا، اور ان کا اپنی حدیثوں کو پختہ رکھنا

ان (محدثین) کے نزدیک مشہور ہے، اور انھوں نے عطاء، یزید اور لیث کے اندر اس جیسی (پختگی) نہیں پائی۔

حل لغات:

[مباینین]: باب مفاعلۃ سے اسم فاعل مباین کی جمع ہے، الگ الگ، باینہ مباینۃ: الگ ہو جانا۔

[لایدانونھم]: باب مفاعلۃ سے فعل مضارع منفی، ان کے قریب نہیں ہوں گے، "دنو" بمعنی قربت سے "داناہ": بمعنی اس سے قریب ہوا۔

[استفاض]: باب استفعال سے، استفاض الخبر: خبر عام ہونا، مشہور ہونا۔

تشریح:

تمام ثقہ رواۃ ایک جیسے نہیں ہوتے، بلکہ ضبط واتقان اور حفظ میں ان کے درمیان فرق مراتب اور تفاضل پایا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، اسی فرق اور تفاضل کو مذکورہ رواۃ کی مثال سے واضح کیا ہے، عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم یہ لوگ ثقہ ہیں، سنن اربعہ اور بعض صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں، مگر جب ان کا موازنہ، منصور، اعمش اور اسماعیل بن ابی خالد سے کرتے ہیں تو ایک بین فرق نظر آتا ہے، منصور، اعمش اور اسماعیل کا مرتبہ ان لوگوں سے برتر ہے، اس لئے رواۃ کے درمیان حفظ واتقان میں جو تفاضل اور فرق مراتب ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے قسم اول کی احادیث کو اصالۃً پہلے، اور قسم ثانی کی حدیثوں کو اس کے بعد ثانوی درجہ میں ذکر کریں گے۔

یہاں پر بظاہر تو مناسب یہ تھا، کہ اسماعیل بن ابی خالد کا تذکرہ پہلے ہوتا اسلئے کہ وہ تابعی ہیں اور کثیر صحابہ کو دیکھا ہے، پھر اعمش کا ذکر ہوتا کہ وہ بھی تابعی ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، پھر منصور کا ذکر ہوتا اسلئے کہ وہ تابعی نہیں ہیں، مگر چونکہ موقع حفظ واتقان اور ضبط کی بنا پر تفاضل اور فرق مراتب کے ذکر کا ہے، اور منصور اگرچہ تابعی نہیں ہیں، مگر ضبط واتقان میں ان دونوں سے اثبت ہیں، پھر ان کے بعد حفظ واتقان کے لحاظ سے اعمش کا درجہ ہے، پھر اسماعیل بن ابی خالد کا، اسلئے امام مسلمؒ نے اسی لحاظ سے ذکر میں یہ ترتیب رکھی ہے۔

تراجم رجال:

منصوربن المعتمر بن عبداللهبن ربیعة الکوفی: انکے بارے میں محدثین نے ثقہ اور اثبت ہونے کی تصریح کی ہے، ابوداودؒ کے بقول یہ، غیر ثقہ سے روایت ہی نہیں لیتے تھے، امام احمدؒ سے منقول ہے: منصور أثبت من اسماعیل بن ابی خالد[منصور، اسماعیل بن ابو خالد سے زیادہ ثبت ہیں]۔ ابوحاتم سے اعمش اور منصور کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: الأعمش حافظ یخلط و یدلس، ومنصور اتقن لایخلط و لایدلس [اعمش حفظ والے ہیں لیکن کبھی تخلیط اور تدلیس بھی کر جاتے ہیں اور منصور زیادہ پختگی والے ہیں نہ تخلیط کرتے ہیں نہ تدلیس]، علم کے ساتھ ساتھ کافی عبادت گزار بھی تھے، ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

سلیمان الاعمش بن مهران الاسدی: تابعی ہیں، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہیں، ان کے بارے میں حضرت شعبہ بن الحجاجؒ کہتے ہیں: ما شفانی أحد فی الحدیث ماشفانی الأعمش، [حدیث میں جتنی تسلی مجھ کو اعمش سے ہوئی کسی سے نہیں ہوئی] نیز انکے صدق وامانت کی وجہ سے انھیں مصحف سے تعبیر کرتے تھے، بعض لوگوں نے انھیں منصور سے اثبت کہا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالدالأحمسی: تابعی ہیں، اور کئی صحابہ سے ملاقات اور روایت کی سعادت حاصل ہے، ثقہ ہیں اور حفاظ حدیث میں شمار کئے گئے ہیں، امام احمدؒ نے انھیں أصح الناس حدیثاعن الشعبی[شعبی سے حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ صحیح ہیں] قرار دیا ہے، انکے بارے میں بھی منقول ہے کہ غیر ثقہ سے روایت نہیں لیتے تھے، کان لایروی الاعن ثقة، ۱۴۶ھ میں انکی وفات ہے۔

ایک ہی استاذ کے دو شاگردوں میں بھی فرق اور تفاضل ہوتا ہے:

وَفِي مِثْلِ مَجْرَى هَؤُلاَءِ إِذَا وَازَنْتَ بَيْنَ الأَقْرَانِ كَابْنِ عَوْنٍ وَأَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ مَعَ عَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلَةَ وَأَشْعَثَ الْحُمْرَانِيِّ وَهُمَا صَاحِبَا الْحَسَنِ وَابْنِ سِيرِينَ كَمَا أَنَّ ابْنَ عَوْنٍ وَأَيُّوبَ صَاحِبَاهُمَا إِلاَّ أَنَّ الْبَوْنَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ هَذَيْنِ بَعِيدٌ فِي كَمَالِ الْفَضْلِ وَصِحَّةِ النَّقْلِ وَإِنْ كَانَ عَوْفٌ وَأَشْعَثُ غَيْرَ مَدْفُوعَيْنِ

عَنْ صِدْقٍ وَأَمَانَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَلَكِنَّ الْحَالَ مَا وَصَفْنَا مِنَ الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ أَهْلِ العلم

ترجمہ:

اور انھیں لوگوں کی روش کے مثل جب تم ہم عصروں کے درمیان موازنہ کروگے، جیسے ابن عون اور ایوب سختیانی کا عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث الحمرانی کے ساتھ، حال یہ کہ یہ دونوں بھی حسن بصری اور ابن سیرین رحمہا اللہ کے شاگرد ہیں، جیسا کہ ابن عون اور ایوب ان دونوں کے شاگرد ہیں، مگر کمال فضل اور صحت روایت میں اُن دونوں اور اِن دونوں کے درمیان بہت فرق ہے، اگرچہ عوف اور اشعث اہل علم کے نزدیک صدق وامانت سے گرائے نہیں گئے ہیں، پھر بھی اہل علم کے نزدیک مرتبہ کا حال وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

حل لغات:

[مجری]: جری یجری سے اسم ظرف ہے، چلنے، بہنے کی جگہ، یعنی راستہ، طریقہ۔

[صاحبا الحسن]: مثنی مضاف ہے، شاگرد کے معنی میں مستعمل ہے، دونوں حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں،

[البون]: باء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، مسافة ما بين الشيئين کے معنی میں، یعنی فرق، مسافت، فاصلہ۔

[غیرمدفوعین]: مدفوع بمعنی دھکا دیا ہوا، دفع فلانا؛ دھکا دینا، یعنی صدق وامانت کے مرتبہ سے دھکا نہیں دیئے گئے ہیں، گرائے نہیں گئے ہیں، ان کی عدالت اور ضبط واتقان بھی قابل قبول ہے۔

تشریح:

حفظ و یاد داشت اور ضبط واتقان میں تفاضل اور فرق مراتب کی مزید وضاحت کے لئے ایسے لوگوں کی مثال بیان کی ہے جن کی یاد داشت اور حفظ میں بڑھاپے کی وجہ سے فرق نہیں آیا، اور وہ ایک ہی استاذ کے شاگرد بھی ہیں، پھر بھی ان کے درمیان مرتبہ اور کمال میں فرق ہے، بعض بعض پر مقدم ہیں۔

تراجم رجال:

ابن عون: ان کا نام عبد اللہ ہے، ٦٦ھ میں ولادت اور ١٥١ھ میں وفات ہے، ان کے بارے میں شعبہ سے مروی

ہے: لَأنّی أسمع من ابن عون حدیثاً یقول فیه أظن أنی سمعته أحب الیّ من أن أسمع من ثقة غیره یقول قد سمعت،یعنی میں ابن عون سے کوئی ایسی حدیث سنوں، جس میں وہ کہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ میں نے اس کو سنا ہے،میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں ان کے علاوہ کسی ثقہ راوی سے سنوں جس میں وہ کہے کہ میں نے اس (حدیث) کو سن رکھا ہے۔

ایوب السختیانی: بفتح السین وکسر التاء،منسوب الی السختیان ،"وھی جلود الضأن"سختیان: بھیڑ کی کھال کو کہتے ہیں، اس کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھال کی تجارت کرتے تھے،٦٦ھ یا٦٨ھ میں ولادت ہے اور ١٣١ھ میں وفات ہے، ان کے بارے میں بھی شعبہ کے الفاظ ہیں:شکُّک أحب الیّ من یقین غیرک، آپ کا شک میرے نزدیک دوسروں کے یقین سے زیادہ راجح ہے، ان کا مرتبہ ابن عون سے بڑھا ہوا ہے،

عوف بن أبی جمیله: بفتح الجیم، اپنی فصاحت کی وجہ سے یہ اعرابی سے مشہور ہیں مگر اعرابی نہیں ہیں، ان کی کنیت ابو سہل ہے اور والد کا نام بَندَوَیہ ہے، ثقہ اور صالح الحدیث ہیں، ٥٩ھ میں ولادت، ١٤٦ھ میں وفات ہے۔

أشعث الحُمرانی: بن عبد الملک، یحیی بن سعید القطان نے انھیں ثقہ اور مامون کہا ہے، یحیی بن معین نے بھی انھیں اثبت کہا ہے، حُمران بضم الحاء (جگہ) کی طرف منسوب ہیں، ١٤٢ یا ١٤٦ھ میں وفات ہے، دونوں رجال بخاری سے ہیں۔

الحسن بن ابی الحسن یسارالبصری: المعروف بالحسن البصری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں پیدا ہوئے فقیہ محدث ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں یکم رجب ١١٠ھ میں وفات ہے، کان جمیلا ذا هَیبة وفصاحة اماما ضخما یقتدی به، خوبصورت، وجیہ، فصیح وبلیغ بارعب امام اور مقتدا تھے۔

ابن سیرین: ان کا نام محمد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں پیدا ہوئے یہ بھی اپنے وقت کے امام ہیں، شوال ١١٠ھ میں ان کی بھی وفات ہے اس وقت ان کی عمر ٧٧ سال تھی، کان فقیها فاضلا حافظا متقنا یعبر الرؤیا، فاضل فقیہ، پختہ حافظ تھے، خواب کی تعبیر بتلاتے تھے۔

علمی امور میں اہل علم کے مراتب کا لحاظ کیا جائے گا:

وَإِنَّمَا مَثَّلْنَا هَؤُلاَءِ فِي التَّسْمِيَةِ لِيَكُونَ تَمْثِيلُهُمْ سِمَةً يَصْدُرُ عَنْ فَهْمِهَا مَنْ غَبِيَ عَلَيْهِ طَرِيقُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَرْتِيبِ أَهْلِهِ فِيهِ فَلاَ يُقَصَّرُ بِالرَّجُلِ الْعَالِي الْقَدْرِ عَنْ دَرَجَتِهِ وَلاَ يُرْفَعُ مُتَّضِعُ الْقَدْرِ فِي الْعِلْمِ فَوْقَ مَنْزِلَتِهِ وَيُعْطَى كُلُّ ذِي حَقٍّ فِيهِ حَقَّهُ وَيُنَزَّلُ مَنْزِلَتَهُ. وَقَدْ ذُكِرَ عَنْ عَائِشَةَ ﵂ أَنَّهَا قَالَتْ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ. مَعَ مَا نَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ) فَعَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْوُجُوهِ نُؤَلِّفُ مَا سَأَلْتَ مِنَ الأَخْبَارِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ:

اور ہم نے ان لوگوں کا نام لے کر مثال دیا، تاکہ ان کی مثال دینا ایک علامت اور شناخت (نمونہ) ہو، جس کی سمجھ سے مدد حاصل کرے وہ شخص جس پر مخفی ہو اہل علم کا طریقہ، علم کے اندر اہل علم کی ترتیب میں، تاکہ بلند مرتبہ شخص کو اس کے مرتبہ سے کم نہ کیا جائے، اور علم میں کم مرتبہ شخص کو اس کے مرتبہ سے اونچا اور بلند نہ کر دیا جائے، اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے، اور اس کے مرتبہ پر ہی رکھا جائے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مذکور (منقول) ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ہم ان کے مرتبہ اور مقام پر رکھیں، اللہ تعالی کے اس فرمان کے ساتھ جسکو قرآن نے بیان کیا ہے کہ "اور ہر جاننے والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے" تو ان طریقوں پر جو ہم نے ذکر کیا ہے، تالیف کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جس کی تم نے درخواست کی ہے۔

حل لغات:

[سمة]: بکسر السین، علامت اور پہچان۔

[يصدر عن فهمها]: اس کی سمجھ سے مدد حاصل کرے "فلان يصدر عن كذا "فلان اس چیز سے مدد لیتا ہے، صدر يصدر بمعنی رجع يرجع۔

[غبی علیه]: اس پر مخفی اور پوشیدہ ہے، غبی الشیء عن فلان و علیه ومنه کسی سے کوئی بات چھپی رہنا۔

[فلا يُقصّر]: من التقصير، کم نہ کیا جائے، چھوٹا نہ کیا جائے، فلا يقصر، ولايرفع، ولا يعطى اور وينزل یہ

چاروں افعال یہاں معروف اور مجہول دونوں پڑھے جاسکتے ہیں۔

[متضع]: اسم فاعل ہے اتضع باب افتعال سے بمعنی کم درجہ ہونا، مُتّضِع بمعنی گھٹیا، کم رتبہ۔

تشریح:

دو مختلف المرتبت لوگوں کا ذکر بظاہر کم مرتبہ والے کی تنقیص کو مستلزم ہے، اس لئے یہ ذکر کر رہے ہیں کہ ہمارا مقصد کسی کی تنقیص کرنا نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ عالی مرتبہ کی تقصیر اور اس کے ساتھ ناانسافی نہ ہو، ہم نے فرق مراتب اور اس کا لحاظ کرنے کو سمجھانے کیلئے ان لوگوں کا ذکر بطور مثال کیا ہے، تاکہ ہر شخص کے مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے اس کی حدیث کی حیثیت متعین کی جاسکے، اور یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ محدثین نے کس دِقّت واحتیاط اور باریک بینی سے احادیث رسول ﷺ کا اہتمام کیا ہے۔

اہل علم کے مابین تفاضل اور فرقِ مراتب ایک حقیقت اور امر واقعی ہے، اور اس کی بناپر ان کے مابین ترتیب قائم رکھنے پر، قرآن کریم اور کلام رسول ﷺ سے تعلیم بھی ملتی ہے، فرق مراتب کا وجود قرآن سے ثابت ہو رہا ہے، کہ ہر علم والے سے بڑھ کر ایک علم والا ہے "فوق كل ذی علم عليم"، اور اس فرق کا لحاظ اور ترتیب قائم رکھنے کا حکم حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ہم ہر شخص کو اس کے مرتبہ پر رکھیں، " أن ننزل الناس منازلهم "۔

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے سند ذکر کئے بغیر مجہول صیغہ (ذُكرعن عائشةؓ) سے بیان کیا ہے، ایسی حدیث کو جس کی ابتداءِ سند سے ایک یا کچھ رواۃ کو یا سبھی رواۃ کو حذف کر دیا جائے، اصطلاح میں "معلق" کہتے ہیں، اور اس طرح روایت کرنے کو تعلیق سے تعبیر کرتے ہیں، معلق حدیث، انقطاع اور راوی کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے سنن میں "انزلوا الناس منازلهم" کے الفاظ میں روایت کیا ہے (کتاب الادب / باب فی تنزیل الناس منازلہم) اور اس کے راوی "میمون بن شبیب" کے متعلق کہا ہے "لم يدرک عائشة" انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا ہے، جس کی بنا پر یہ حدیث منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو جاتی

ہے،اس لئے امام مسلمؒ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انھوں نے ضعیف حدیث کا ذکر کیا ہے ،جبکہ انھوں نے صحیح احادیث کے التزام کا وعدہ کیا ہے،اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو بطور استدلال و استنباط ذکر کیا ہے جو اس حدیث کے ان کے نزدیک صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ حدیث مقدمہ میں ذکر کی ہے،جو صحیح مسلم سے الگ ایک تصنیف ہے، اس میں وہ شرائط ملحوظ نہیں ہیں جو صحیح مسلم کی شرائط ہیں، اس لئے یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو صحیح مسلم کی صحت پر اس سے کوئی حرف نہیں آئے گا۔

چنانچہ مذکورہ نہج پر صحیح مسلم کی تالیف ہوگی، کہ پہلے حفظ واتقان میں اعلی اور تام الضبط راویوں کی احادیث کو ذکر کریں گے بعدہٗ ان سے کم مرتبہ والے خفیف الضبط رواۃ کی حدیثیں ذکر کریں گے۔

امام مسلمؒ کے بیان سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس ترتیب پر دونوں طبقات کی حدیثیں کسی ایک ہی تصنیف یعنی صحیح مسلم میں ہی ذکر کریں گے، قاضی عیاضؒ اسی کے قائل ہیں کہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی تالیف اسی ترتیب اور اسی طرز پر کیا ہے، مگر ابو عبد اللہ حاکم اور ابو بکر بیہقی رحمہما اللہ کا خیال یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں صرف طبقۂ اولی کی روایتیں جمع کی ہیں، اور دوسرے طبقہ کی روایتوں کو کسی دوسری تصنیف میں جمع کرنے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی، اور وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کرسکے (شرح نووی)۔

تراجم رجال:

أم المؤمنين السيدة عائشة رضی اللہ عنہا: خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق عبد اللہ بن عثمان ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام ام رومان بنت عامر بن عویمر ہے، سال نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال میں ولادت ہوئی، عمر کے ساتویں سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح ہوا، اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہجرت کے بعد ہوئی، اور ۱۷/ رمضان ۵۸ میں وفات ہوئی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ملا، اور بہت قریب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے، پرکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سننے کا موقع ملا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے باوثوق ترجمان ہیں۔

میمون بن ابو شبیب: ربعی، ابو نصر کوفی، تابعی ہیں، معاذ بن جبل، سیدنا عمر، علی، ابو ذر غفاری، مقداد بن الاسود اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، علی بن المدینی نے کہا کہ ان کا حال ہم پر واضح نہیں، ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ اپنی کسی روایت میں انھوں نے سمعت نہیں کہا ہے، ابو داؤد نے کہا کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا، ۸۳ھ میں ان کی وفات ہے، ابن معین نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور امام ترمذیؒ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت کی تحسین کی ہے۔

تیسرا طبقہ:

فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ قَوْمٍ هُمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُتَّهَمُونَ أَوْ عِنْدَ الأَكْثَرِ مِنْهُمْ فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِيجِ حَدِيثِهِمْ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مِسْوَرٍ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَائِنِيِّ وَعَمْرِو بْنِ خَالِدٍ وَعَبْدِ الْقُدُّوسِ الشَّامِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَصْلُوبِ وَغِيَاثِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو أَبِي دَاوُدَ النَّخَعِيِّ وَأَشْبَاهِهِمْ مِمَّنِ اتُّهِمَ بِوَضْعِ الأَحَادِيثِ وَتَوْلِيدِ الأخبار-

ترجمہ:

اور بہر حال وہ احادیث جو ایسے لوگوں سے مروی ہوں گی، جو (تمام) محدثین کے نزدیک یا ان میں سے اکثر کے نزدیک متہم اور مطعون ہیں، تو ہم ان کی حدیث کو بیان کرنے میں مشغول نہیں ہوں گے۔ جیسے عبد اللہ بن مسور ابو جعفر المدائنی، عمرو بن خالد، عبد القدوس شامی، محمد بن سعید مصلوب، غیاث بن ابراہیم، سلیمان بن عمرو ابو داؤد نخعی اور انکے ہم مثل جن پر حدیث وضع کرنے اور خبریں گھڑنے کی تہمت لگی ہوئی ہے۔

حل لغات:

[متهمون]: تہمت لگائے ہوئے، اسم مفعول ہے، اتهم لازم اور متعدی دونوں استعمال ہوتا ہے، اتهمه فاتهم، اسپر تہمت لگائی تو وہ متہم ہوگیا۔

[أشباههم]: یعنی امثالہم، جمع ہے، اس کا واحد "شبه" شین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں مستعمل ہے، بمعنی

مثل اور مانند۔

[تولید الأخبار]: خبریں جننا، وضع الأحادیث و تولید الأخبار سے مراد جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسا قول یا فعل منسوب کرنا جو آپ سے صادر نہ ہو خواہ اپنا قول و فعل ہو یا کسی دوسرے کا۔

تشریح:

یہاں سے تیسرے طبقہ اور تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے، اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو تمام یا اکثر محدثین علماء کے نزدیک تہمت زدہ ہیں، ان پر حدیث وضع کرنے یا موضوع حدیث کی روایت کرنے کا الزام ہے، اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی روایات میں منکر احادیث کا غلبہ ہے، اور ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

راوی پر تہمت یا تو اس کی عدالت کی جہت سے ہوتی ہے یا اس کے حفظ وضبط کے اعتبار سے، اگر راوی پر تہمت، عدالت کی جہت سے ہے تو اس کو فاسق سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس کی روایت کسی بھی حال میں قبول نہیں کی جاتی، اور اس میں فرق مراتب کے احتمال کے باوجود اس فرق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اس باب میں معمولی نقص اور کمی بھی راوی کو ساقط الاعتبار کرنے کیلئے کافی ہے، "ماتقدم من المراتب مصرح بأن العدالة تتجزأ، لكنه باعتبار الضبط، وهل تتجزأ باعتبار الدين؟ وجهان في الفقه" [جرح وتعدیل کے لحاظ سے مراتب رواۃ کی جو تفصیل گزری وہ اس کی صراحت کرنے والی ہے کہ راوی کی عدالت یعنی ثقہ ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے، مگر یہ ضبط (حفظ) کے اعتبار سے ہے، دینداری کے لحاظ سے بھی راوی کے عادل ہونے میں فرق کیا جاتا ہے یا نہیں؟ فقہی اعتبار سے دونوں اقوال ہیں]، (تدریب الراوی ۱/۳۴۹)

یعنی عادل ہونے کیلئے مسلم، عاقل، بالغ ہونے کے ساتھ اسباب فسق سے محفوظ ہونا ضروری ہے، اور اسباب فسق سے محفوظ ہونے میں فرق مراتب ممکن ہے مگر روایت حدیث میں اس فرق کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، کہ کم درجہ کا فاسق ہو تو قبول کر لیا جائے گا، بلکہ مطلقاً فسق کی تہمت ساقط الاعتبار ہونے کے لئے کافی ہے، ہاں اگر راوی پر تہمت حفظ اور ضبط کی جہت سے ہے تو اس میں فرق مراتب کا لحاظ کیا گیا ہے، نیز خفیف الضبط راوی کی روایت بھی مقبول ہوتی ہے، مگر جب اس کے حفظ میں اس درجہ کا خلل آجائے جس کا ذکر آگے آرہا ہے، تو پھر وہ

راوی متروک ہو جاتا ہے، کسی راوی پر بدترین تہمت یہ ہے کہ وہ وضع حدیث یا موضوع حدیث کی روایت میں ملوث پایا جائے۔

حدیث موضوع:

وضع حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غیر رسول ﷺ کے کلام یا فعل کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے، خواہ یہ کلام یا فعل اپنا ہو یا کسی غیر کا، اور اس طرح کے کلام یا فعل کو حدیث موضوع کہتے ہیں، "أما الحدیث الموضوع فهو المختلق المصنوع، وربما أخذ الواضع کلاما لغیره فوضعه وجعله حدیثا، وربما وضع کلاما من عند نفسه [حدیث موضوع من گھڑت اور بنائی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں، اور بسا اوقات واضع اپنے غیر کے کلام کو حدیث بنا دیتا ہے اور کبھی اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لیتا ہے (اور اسے رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے]۔(نووی)

وضع حدیث کا حکم:

انبیاء ورسل کا مقام ومنصب پیغامبر اور رسول وسفیر کا منصب ومقام ہے، جو انتہاء درجہ کی صدق ودیانت کا منصب ہے، یہ اللہ تعالی کے احکام کو اس کے بندوں تک پہونچاتے ہیں، اللہ کے کلام کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں، جیسا کہ خاتم الرسل محمد ﷺ کے بارے میں اللہ عز وجل نے صراحت فرمائی ہے: "بالبینات و الزبر وأنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم، ولعلهم یتفکرون" (النحل:۴۴)، [اور ہم نے آپ کے اوپر قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں سے اس کی وضاحت کریں]، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی سنن اور آپ کی احادیث کتاب اللہ کی تفسیر اور اس کا بیان ہیں، اور کتاب اللہ کی کوئی بھی تفسیر اسی وقت معتبر ہو گی جب کہ وہ احادیث وسنن رسول کے موافق ہو، معارض نہ ہو، اسی لئے کتاب اللہ کے ساتھ سنن واحادیث رسول بھی دین وشریعت کا مصدر ومرجع ہیں، جن سے دین کا علم ہوتا ہے، لہٰذا اگر غیر رسول کے کلام کو رسول اللہ ﷺ کے کلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے تو دین مشکوک اور شریعت بے اعتبار ہو جائے گی، اسی لئے جان بوجھ کر حدیث کا وضع کرنا یا موضوع ہونے کی صراحت کئے بغیر موضوع حدیث کی روایت کرنا حرام ہے، خواہ وہ احکام

سے متعلق ہو یا ترغیب وترہیب اور مناقب ومثالب کی قبیل سے، "وتحرم روايته مع العلم به أي بوضعه في أي معنى كان سواء الأحكام والقصص و الترغيب و غيرها الا مبيناً أى مقروناً ببيان وضعه" [اور موضوع حدیث خواہ احکام سے متعلق ہو یا قصص وترغیب وغیرہ سے، اس کے موضوع ہونے کو جانتے ہوئے اس کی روایت کرنا علی الاطلاق حرام ہے، مگر اس کے موضوع ہونے کی صراحت کے ساتھ]، یعنی جب بھی اس کو ذکر کرے تو اس کے موضوع ہونے کو بھی بیان کرے (تدریب الراوی ۱/ ۲۷۴)۔

احادیث موضوعہ کی شناخت:

حدیث موضوع کی شناخت و پہچان کے متعدد طریقے ہیں، جس میں سب سے اہم احادیث رسول ﷺ سے انسیت، اس کی قرأت ومطالعہ پر ممارست اور اس میں مہارت ہے، "قال الربيع بن خيثم: ان للحديث ضوء كضوء النهارتعرفه، وظلمة كظلمة الليل تنكره، وقال ابن الجوزي : الحديث المنكر يقشعر له جلد الطالب للعلم، وينفر منه قلبه للغالب"[ربیع بن خیثم کا قول ہے: دن کے اجالے کی طرح حدیث رسول کا ایک نور ہوتا ہے جس کو تم پہچان لوگے اور اور ایک تاریکی ہوتی ہے جس کو تم گوارا نہیں کروگے (یعنی اسے رد کردوگے)، ابن الجوزی نے کہا: حدیث منکر سے عموماً علم (حدیث) کے طالب کا بدن کانپ جاتا ہے، اور اس کا دل اس سے متنفر ہو جاتا ہے]، (تدریب الراوی ۱/ ۲۷۵)۔

رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ایک نور ہوتا ہے، اس کا اپنا ایک مزاج، اور اپنی الگ ایک شان ہے، جس کو انسیت اور مہارت ہوتی ہے وہ اسے پہچان لیتا ہے، اور موضوع حدیث پر ایک تاریکی ہوتی ہے جسے وہ فوراً بھانپ لیتا ہے اس سے کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے اور اس طرح صحیح کو موضوع سے الگ کرلیتا ہے۔

نیز کبھی خود واضع، یا راوی کے اقرار سے حدیث کا موضوع ہونا معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس کے اقرار میں بھی کذب کا احتمال ہوتا ہے، مگر اس کے اقرار کی وجہ سے اس حدیث کے بارے میں توقف کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، (یعنی اس پر عمل یا اس سے استدلال کرنا نہیں کیا جاتا)۔

اور کبھی راوی کے حالات وقرائن سے حدیث کا موضوع ہونا معلوم کرتے ہیں۔

اور گاہے خود حدیث میں کسی قرینہ سے بھی اس کا موضوع ہونا معلوم ہو جاتا ہے، جیسے رکاکتِ لفظ، رکاکتِ معنی وغیرہ۔

اسباب وضع:

حدیث کا وضع کرنا خواہ کسی سبب سے ہو حرام ہے، وضع حدیث کے اسباب ومقاصد متعدد رہے ہیں مثلاً:

۱- بعض لوگوں نے اسلام دشمنی میں حدیثیں وضع کی ہیں، اور انکا مقصد شریعت کو غیر معتبر بنا دینا رہا ہے۔

۲- جبکہ کچھ لوگوں نے امراء کی قربت یا عوام کی قبولیت، جاہ طلبی، یا جھوٹی شہرت کے حصول کے لئے حدیثیں وضع کی ہیں۔

۳- اور کبھی صالح مقصد کے تحت ترغیب وترہیب کی غرض سے حدیثیں وضع کی گئیں، مگر چونکہ وہ بھی غیر رسول کا کلام ہیں اسلئے وہ حدیث رسول نہیں کہلائیں گی۔

۴- کبھی فقہی یا قبائلی تعصب کے جذبہ سے بھی حدیثیں وضع کی گئیں۔

۵- اور کبھی راوی کی غفلت کیوجہ سے بھی موضوع حدیثیں وجود میں آئی ہیں۔

تراجم رجال:

عبداالله بن مسور ابو جعفر المدائنی: یہ عبداللہ بن مسور بن عون بن جعفر بن ابی طالب، ابو جعفر الہاشمی المدائنی ہیں، اور یحیٰی بن سعید نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، عبداللہ بن محمد بن مسور بن محمد بن جعفر، یہ غیر ثقہ ہیں، یحیٰی کہتے ہیں: ترکت أنا حدیثه، میں نے ان کی حدیثیں ترک کر دیں، امام نسائی اور دار قطنیؒ نے متروک کہا ہے، اور امام احمدؒ وغیرہ نے ان کی احادیث کو موضوع کہا ہے۔

عمرو بن خالد ابو خالد القرشی: کوفہ کے رہنے والے تھے اور واسط منتقل ہو گئے تھے، ۱۱۰ھ اور ۱۲۰ھ کے مابین ان کی وفات ہے، یحیٰی بن معین، احمد ابن حنبل، ابو حاتم، ابوزرعہ، ابو داؤد اور امام بخاری رحمہم اللہ سبھی ائمۂ حدیث نے انھیں کذاب اور متروک الحدیث کہا ہے بقول حاکم: "یروی عن زید بن علی الموضوعات" [زید بن علی سے روایت کرتے ہیں، موضوع حدیثیں]۔

عبد القدوس الشامی بن حبیب الکَلاعی (بفتح الکاف) ابو سعید الدمشقی: ان کے متروک ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ان کو صراحۃً کذاب کہا ہے، امام نسائیؒ نے کہا: لیس بثقة، ثقہ نہیں ہیں ابن عدی نے کہا ہے کہ ان کی احادیث سند اور متن دونوں لحاظ سے منکر ہیں۔

محمد بن سعید المصلوب: ان کے دادا کا نام حسان بن قیس الأسدی ہے، یہ متعدد نام اور مختلف کنیتوں سے مذکور ہیں، وضع حدیث اور کذب بیانی میں معروف ہیں، تمام ائمہ حدیث نے ان کو وضاع اور متروک قرار دیا ہے، خالد بن زید الأزرق کہتے ہیں: میں نے محمد بن سعید کو یہ کہتے سنا: "اذا كان الكلام حسناً لم أبال أن أجعل له اسناداً، جب کوئی اچھا کلام ملتا ہے تو میں بلا جھجھک اسکے لئے کوئی سند بنالیتا ہوں، اردنی، شامی، اور طبری کی نسبت سے بھی جانے جاتے ہیں، زندیق ہونے کے جرم میں ابو جعفر منصور نے پھانسی دی تھی اس لئے مصلوب کہے جاتے ہیں، طبقۂ سادسہ میں سے ہیں۔

غیاث بن ابراهیم: غیاث بن ابراہیم نخعی، اس کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے، اس نے اعمش وغیرہ سے اور اس سے بقیہ بن الولید، محمد بن حمران اور علی بن الجعد وغیرہ نے روایت کی ہے، اس کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے، امام احمدؒ اور بخاریؒ نے اسے لوگوں کے نزدیک متروک بتایا ہے، ابو خیثمہ کے کہنے کے مطابق اسی نے خلیفہ عباسی مہدی کے سامنے جبکہ وہ کبوتر بازی میں محو تھا اس کی خوشنودی اور انعام کی لالچ میں حدیث نبوی "لاَ سَبْقَ إِلاَّ فِي خُفٍّ أَوْ فِي حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ" میں "أو في جناح" کا اضافہ کیا تھا، اور جب یہ جانے لگا تو اس خلیفہ نے کہا: أشهد أن قفاك قفا كذاب، میں گواہی دیتا ہوں کہ تمھارا سر ایک کذاب کا سر ہے، (میزان الاعتدال) مگر افسوس کہ اس نے اسے سزا دینے کے بجائے انعام سے نوازا۔

سلیمان بن عمرو النخعی: ابوداؤد بغدادی، قدری، جہمی، کثرت عبادت اور ظاہری صلاح و تقوی کے باوجود وضع حدیث میں معروف ہے، امام احمد، یحییٰ بن معینؒ، وغیرہ سبھی نے اس کو کذاب اور متروک کہا ہے، بخاریؒ نے الضعفاء الکبیر (۲۸/۴) میں قتیبہ اور اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ: "معروف بالكذب"، امام ذہبیؒ نے میزان (۲/۲۱۷) میں اس کی متعدد روایات نقل کی ہیں، خطیب نے بھی تاریخ بغداد (۲۰/۱۰) میں کذاب اور وضاع بتایا

ہے اور بشر سکری نے اس سے روایت میں تدلیس کرتے ہوئے عبد الملک بن وھب المذحجی کے نام سے ذکر کیا ہے، اسی لئے ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر "عبد الملک باب الواو" کے تحت بھی کیا ہے، وھب اس کے جد اعلی ہیں اور مذحج کی طرف نسبت ذکر کی ہے اس لئے کہ نخع، مذحج کی ایک شاخ ہے (الجرح والتعدیل: ۵/۳۷۳)۔

حدیث منکر اور منکر الحدیث راوی:

وَكَذَلِكَ مَنِ الْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْمُنْكَرُ أَوِ الْغَلَطُ أَمْسَكْنَا أَيْضًا عَنْ حَدِيثِهِمْ. وَعَلاَمَةُ الْمُنْكَرِ فِي حَدِيثِ الْمُحَدِّثِ إِذَا مَا عُرِضَتْ رِوَايَتُهُ لِلْحَدِيثِ عَلَى رِوَايَةِ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْحِفْظِ وَالرِّضَا خَالَفَتْ رِوَايَتُهُ رِوَايَتَهُمْ أَوْ لَمْ تَكَدْ تُوَافِقُهَا فَإِذَا كَانَ الأَغْلَبُ مِنْ حَدِيثِهِ كَذَلِكَ كَانَ مَهْجُورَ الْحَدِيثِ غَيْرَ مَقْبُولِهِ وَلاَ مُسْتَعْمَلِهِ. فَمِنْ هَذَا الضَّرْبِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَرَّرٍ وَيَحْيَى بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ وَالْجَرَّاحُ بْنُ الْمِنْهَالِ أَبُو الْعَطُوفِ وَعَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ وَحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ضُمَيْرَةَ وَعُمَرُ بْنُ صُهْبَانَ وَمَنْ نَحَا نَحْوَهُمْ فِي رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْحَدِيثِ. فَلَسْنَا نُعَرِّجُ عَلَى حَدِيثِهِمْ وَلاَ نَتَشَاغَلُ بِهِ،

ترجمہ:

اور ایسے ہی جن راویوں کی حدیث پر منکر یا غلط احادیث کا غلبہ ہو، ان کی احادیث سے بھی ہم باز رہیں گے، اور محدث کی حدیث میں منکر کی پہچان یہ ہے کہ جب اس کی حدیث کی روایت اس کے علاوہ یاد رکھنے والے مقبول (راویوں) کی روایت کے سامنے کی جائے (موازنہ کیا جائے) تو اس کی روایت ان کی روایت کے خلاف ہو، یا قریب نہ ہو کہ ان کی موافقت کرے (بمشکل موافق ہو)، تو جب اس کی روایت کردہ حدیثوں میں اکثر ایسی ہی ہوں گی، تو وہ راوی متروک الحدیث ہوگا، اس کی روایت نہ قبول کی جائے گی اور نہ قابل عمل ہوگی، اس قسم کے محدثین میں عبد اللہ بن محرر، یحیٰی بن انیسہ، جراح بن منہال ابو العطوف، عباد بن کثیر، حسین بن عبد اللہ بن ضمیرہ، عمر بن صہبان اور وہ لوگ ہیں جو منکر حدیث کی روایت میں ان کے نقش قدم پر چلے، تو ہم ان کی حدیثوں کی طرف مائل نہیں ہوں گے، اور نہ ان (کی روایت) میں مشغول ہوں گے۔

حل لغات:

[أمسكنا عن حديثهم]: ان کی حدیث سے باز رہیں گے، اس کی روایت نہیں کریں گے، باب افعال سے "امسک عن الأمر" : رکنا، باز رہنا، امسک عن الکلام: چپ رہنا۔

[أيضاً]: باب ضرب سے، مصدر منصوب ہے، آض الیه: لوٹنا، یعنی متہم رواۃ کی احادیث کے ساتھ جو طریقہ اپنانے کو ہم نے کہا ہے وہی طریقہ دہرائیں گے منکر رواۃ کی حدیث کے ساتھ۔

[عُرضت]: باب ضرب سے، فعل مجہول ہے، پیش کرنا، سامنے کرنا۔

[لم تكد]: افعال مقاربہ سے ہے، کام اور فعل کی قربت کو بتلاتا ہے، اگر اس سے پہلے حرف نفی نہ ہو تو یہ مفہوم دیتا ہے کہ کام ہونے کے قریب تھا مگر ہوا نہیں (یعنی کام نہ ہونے کو بتاتا ہے)، اور اگر اس سے پہلے حرف نفی ہو تو یہ مفہوم دیتا ہے کہ کام نہ ہونے کے قریب تھا مگر ہو گیا (یعنی کام ہونے کو بتاتا ہے)، لہذا "لم تكد توافقها" کا معنی یہ ہو گا کہ اس کی روایت ان کی روایت کے موافق ہونے کے قریب نہ ہو مگر بمشکل موافق کی جائے۔

[مهجور الحديث]: متروک الحدیث، مہجور، اسم مفعول ہے، هجر يهجر، باب نصر سے، چھوڑنا، ترک کرنا۔

[فلسنا نعرج على حديثهم]: ہم ان کی حدیث کی طرف مائل نہیں ہونگے، عرّج علیه، تفعیل سے، مائل ہونا، مڑنا۔

تشریح:

جس طرح متہم اور مجروح رواۃ کی احادیث اس کتاب میں ذکر نہیں کی جائیں گی، اسی طرح منکر الحدیث اور متروک رواۃ کی احادیث بھی اس کتاب میں شامل نہیں کی جائیں گی، راوی کے منکر الحدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روایت کرنے میں اس سے غلطیاں زیادہ ہو رہی ہوں اور اس سے منکر روایات کا صدور کثرت سے ہو رہا ہو، اسکی وجہ سے راوی خود منکر ہو جاتا ہے، اسی کو امام مسلمؒ نے "مهجور الحديث ، غيرمقبوله ولا مستعمله" سے تعبیر کیا ہے۔

ایسا کوئی بھی راوی نہیں ہو گا کہ اس سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو، اسی لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی ثقہ راوی سے غلطی ہو، جس کی وجہ سے اس کی وہ روایت تو غیر مقبول ہو، مگر راوی مجروح نہیں ہو گا، جب کسی راوی سے

روایت حدیث میں صحت کے بالمقابل غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں تب یہ اس راوی کی حیثیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اسے منکر ومتروک بنادیتی ہیں۔

منکر کی پہچان:

حدیث منکر کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ کسی راوی کی حدیث کو دوسرے ثقہ اور معتبر رواۃ کی روایتوں سے ملایا جائے، موازنہ کیا جائے، اگر اس کی روایت ان لوگوں کی روایت کے خلاف ہو، تو کہا جائے گا کہ یہ روایت منکر ہے، اور جب یہی مخالفت اور عدم موافقت کثرت سے ہونے لگے تو کہا جائے گا کہ اس کی روایت پر منکر حدیث کا غلبہ ہے اب خود وہ راوی منکر الحدیث کہا جائے گا۔

"یعرف ضبطه بموافقةالثقات المتقنين غالباً،ولا تضر مخالفته النادره، فان كثرت اختل ضبطه ولم يحتج به" کسی راوی کا ضبط (یاد رکھنا) معلوم ہوتا ہے، متقن اور ثقہ راویوں کے ساتھ کثرت موافقت سے، اور نادر مخالفت مضر نہیں ہے، ہاں مخالفت زیادہ ہونے لگے تو اب اس کے ضبط میں خلل آگیا، اب اس راوی سے استدلال واحتجاج نہیں کیا جائے گا (تقریب النواوی مع شرحہ تدریب الراوی ا/۳۰۴)۔

منکر حدیث کی تعریف:

امام مسلمؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی محدث کی حدیث دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو وہ حدیث منکر ہوگی، خواہ وہ محدث ثقہ ہو یا غیر ثقہ، یہ تعریف بعد میں رائج مصطلحات کی کے لحاظ سے شاذ اور منکر دونوں کو شامل ہے، رائج مصطلحات کے لحاظ سے حدیث منکر کی مشہور اور عام تعریف یہ ہے کہ ضعیف راوی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے، "وان وقعت المخالفةمع الضعف فالراجح يقال له المعروف، ومقابله يقال له المنكر" (نزہۃ النظر ص ۶۳) یعنی ضعیف راوی ثقہ رواۃ کی مخالفت کرتا ہے تو ثقہ کی روایت معروف، اور ضعیف کی روایت منکر کہی جاتی ہے، اور اگر مخالف روایت کرنے والا راوی ثقہ ہو جو اپنے سے زیادہ ثقہ کے خلاف مضمون کی روایت کر رہا ہے تو اس مخالف ثقہ کی روایت کو شاذ اور زیادہ ثقہ کی روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے، عدم قبولیت کے حکم میں شاذ اور منکر یکساں ہیں، اور حافظ ابن حجرؒ نے اس راوی کی حدیث کو بھی

منکر کہا ہے، جس کی غفلت اور غلطیاں کثیر ہوں، یا اس کا فسق ظاہر ہو، "فمن فحش غلطه اوکثرت غفلته او ظهر فسقه فحديثه منكر" (نزہۃ النظر: ص ۹۲) بہر کیف صحیح مسلم میں منکر احادیث نیز وضاعین حدیث، متروک الحدیث اور منکر الحدیث رواۃ کی احادیث ذکر نہیں کی جائیں گی، اور امام مسلمؒ کے تقسیم کردہ طبقات میں تیسرا طبقہ اور تیسری قسم ان سب کو شامل ہے۔

تراجم رجال:

عبدالله بن مُحَرَّر: بفتح الراء مع التشدید، سبھی لوگوں نے ان کی تضعیف کی ہے، کسی نے منکر الحدیث، تو کسی نے متروک الحدیث کہا ہے، ابن حبان کہتے ہیں: "كان من خيار عباداالله إلا أنه كان يكذب ولا يعلم، ويقلب الحديث ولا يفهم" [یعنی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے، مگر جھوٹ بول جاتے تھے اور انھیں علم نہیں ہوتا تھا، اور حدیث کو الٹ پلٹ دیتے تھے اور سمجھ نہیں پاتے تھے]، غالباً ان کے صلاح وتقوی کے سبب ہی عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ مقولہ ہے کہ: "كنت لو خيرت أن أدخل الجنة و بين أن ألقى عبداالله بن محرر لأخترت أن ألقاه ثم أدخل الجنة، فلما رأيته كانت بعرة أحب الى منه" [یعنی اگر مجھے اس بارے میں اختیار دیا جائے کہ میں پہلے جنت میں داخل ہوں یا عبد اللہ بن محرر سے ملاقات کروں، تو میں پسند کرتا کہ ان سے ملاقات کروں پھر جنت میں داخل ہوں، پھر جب میں نے ان کو دیکھ لیا تو ایک مینگنی بھی میرے نزدیک ان سے اچھی تھی]، ۱۵۰ھ اور ۱۶۰ھ کے مابین ان کی وفات ہے۔

يحى بن أبى أُنيسة: (مصغراً) محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، خود انکے بھائی زید بن ابی انیسہ کہتے ہیں: لا تكتب عن أخي، يحيىٰ فانه كذاب، میرے بھائی یحیٰی سے (حدیثیں) مت لکھو کیونکہ وہ کذاب ہیں، ان کے بارے میں بھی منقول ہے کہ: "كان يقلب الأسانيد، ويرفع المراسيل، لايجوز الاحتجاج به" یعنی سندیں الٹ پلٹ دیتے تھے، مرسل و منقطع روایتوں کو مرفوع بیان کرتے تھے، ان کی احادیث سے استدلال درست نہیں ہے، ۱۴۶ھ میں ان کی وفات ہے۔

الجراح بن المنهال ابو لعطوف الجزری: امام نسائی اور دار قطنی رحمہما اللہ نے انھیں متروک کہا ہے، ابن حبان

نے کہا ہے کہ یہ حدیث میں کذب بیانی کرتے تھے، اور شراب پیتے تھے، امام بخاری اور مسلم رحمہا اللہ نے انھیں منکر الحدیث کہا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ غفلت والے تھے، ۱۶۷ یا ۱۶۸ھ میں وفات ہے۔

عباد بن کثیر الثقفی البصری: مرد صالح، زاہد اور عبادت گزار تھے، لیکن حدیث کا ضبط نہیں کر پاتے تھے، "عن أبی زرعة : لایکتب حدیثه، کان شیخاً صالحاً، وکان لا یضبط الحدیث"، ابوزرعہ سے مروی ہے کہ ان کی حدیث نہیں لکھی جائے گی، نیک آدمی تھے مگر حدیثیں یاد نہیں رکھ پاتے تھے، ابراہیم الجوزجانی کہتے ہیں: "لا ینبغی لحکیم أن یذکره، فی حسبک حدیث النھی" کسی بھی سمجھدار آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ ان کا تذکرہ کرے، انھیں جو بھی ایسی حدیث ملی جس میں "نھی رسول االله ﷺ عن کذا" مذکور ہے، خواہ صحیح ہو یا ضعیف، وہ سب ایک ہی متعین سند سے بیان کر دیا، ۱۴۰ اور ۱۵۰ھ کے مابین ان کی وفات ہے۔

حسین بن عبدااللہ بن ضمیرہ: امام مالکؒ نے انھیں کاذب کہا ہے، ابوحاتم نے متروک الحدیث کذاب کہا ہے، ابن معینؒ نے لیس بثقة ولامأمون اور امام بخاریؒ نے ضعیف، منکر الحدیث کہا ہے، ابوزرعہؒ نے کہا ہے لیس بشئ، إضرب علی حدیثه، کسی لائق نہیں ہیں، ان کی حدیثیں قلم زد کر دو۔

عمر بن صُھبان: (بضم الصاد وسکون الہاء)، ابن معینؒ فرماتے ہیں: ان کی حدیث ایک پیسہ برابر بھی نہیں ہے، بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے، ابن عدیؒ کہتے ہیں: "عا مة أحادیثه مما لا یتابعه الثقات علیه ، و غلبت علی حدیثه المناکیر" ان کی اکثر احادیث کی ثقہ رواۃ سے تائید نہیں ہوتی، اور ان پر منکر احادیث کا غلبہ ہے۔ احمد بن صالح نے ثقہ کہا ہے، ۱۵۷ھ میں وفات ہے۔

کسی راوی کا تفرد یا اضافہ کب معتبر ہوگا:

لأَنَّ حُكْمَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِى نَعْرِفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِى قَبُولِ مَا يَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيثِ أَنْ يَكُونَ قَدْ شَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِى بَعْضِ مَا رَوَوْا وَأَمْعَنَ فِى ذَلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَإِذَا وُجِدَ كَذَلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذَلِكَ شَيْئًا لَيْسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ قُبِلَتْ زِيَادَتُهُ فَأَمَّا مَنْ تَرَاهُ يَعْمِدُ لِمِثْلِ

الزُّهْرِيّ فِي جَلاَلَتِهِ وَكَثْرَةِ أَصْحَابِهِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِينَ لِحَدِيثِهِ وَحَدِيثِ غَيْرِهِ أَوْ لِمِثْلِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَحَدِيثُهُمَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مَبْسُوطٌ مُشْتَرَكٌ قَدْ نَقَلَ أَصْحَابُهُمَا عَنْهُمَا حَدِيثَهُمَا عَلَى الاِتِّفَاقِ مِنْهُمْ فِي أَكْثَرِهِ فَيَرْوِى عَنْهُمَا أَوْ عَنْ أَحَدِهِمَا الْعَدَدَ مِنَ الْحَدِيثِ مِمَّا لاَ يَعْرِفُهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِمَا وَلَيْسَ مِمَّنْ قَدْ شَارَكَهُمْ فِي الصَّحِيحِ مِمَّا عِنْدَهُمْ فَغَيْرُ جَائِزٍ قَبُولُ حَدِيثِ هَذَا الضَّرْبِ مِنَ النَّاسِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ،

ترجمہ:

اس لئے کہ اس حدیث کو قبول کرنے میں جس کی روایت میں محدث متفرد ہے، علماء محدثین کا فیصلہ اور ان کا معروف طریقہ یہ ہے کہ راوی کچھ احادیث کی روایت میں ثقہ اور حفاظ محدثین کا شریک رہا ہو، اور روایت کرنے میں ان کی موافقت کا اہتمام کیا ہو، تو جب راوی ایسا پایا جائے، (یعنی اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو جائے) پھر اس کے بعد وہ حدیث میں کسی ایسی بات کا اضافہ نقل کرتا ہے جو اس کے ساتھیوں کے پاس نہیں ہے تو اس کا اضافہ قبول کیا جائے گا،

اور رہا وہ شخص جس کو تم دیکھو کہ قصد کرتا ہے امام زہریؒ جیسے محدث کا جلالت علم میں، اور ایسے شاگردوں کی کثرت میں جو ان کی اور ان کے علاوہ کی حدیثوں کو پختہ یاد رکھنے والے ہیں، یا ہشام بن عروہ جیسے محدث کا، حال یہ کہ ان دونوں کی حدیثیں اہل علم کے نزدیک مبسوط ومتداول اور مشترک ہیں، ان کے شاگردوں نے ان کی احادیث کو اکثر باہم اتفاق کے ساتھ نقل کیا ہے، اور وہ شخص روایت کرے ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے کچھ ایسی حدیثیں جس کو ان دونوں کے شاگردوں میں سے کوئی نہیں جانتا ہے، اور وہ شخص ان کی صحیح احادیث کی روایت کرنے میں ان کا شریک بھی نہیں رہا ہے، تو اس قسم کے رواۃ کی حدیث قبول کرنا جائز نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

حل لغات:

[يتفرد به]: اس کی روایت کرنے میں متفرد اور اکیلا ہو، تفرد بالأمر: کسی کام کو تنہا کرنا۔

[أمعن]: گہرائی میں جانا، حدیث کی روایت میں ان سے موافقت کرنے میں گہرائی تک گیا ہو، ثقہ رواۃ کے موافق روایت کرنے کا اہتمام کیا ہو۔

[**یعمد**]:(ض) ارادہ کرے، عمد الشئ، وللشئ و الی الشئ، قصد وارادہ کرنا۔

[**مبسوط**]:اسم مفعول ہے، پھیلی ہوئی، بسط (ن) پھیلانا۔

تشریح:

ما قبل میں منکر کی جو تعریف کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منکر حدیث عام طور پر مفرد اور غریب ہوتی ہے، خواہ مکمل روایت مفرد ہو، جس کو کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا ہے، یا روایت کا کچھ حصہ مفرد ہو، "ویدخل في الغریب ما انفرد راو بروایته أو بزیادة في متنها أو في اسناده" (تدریب الراوی ۲/۱۸۱) یعنی حدیث غریب میں وہ حدیث بھی داخل ہے جس کی روایت کرنے میں راوی منفرد اکیلا ہو، یا اس کے متن یا اس کی سند میں کسی اضافہ میں اکیلا، منفرد ہو۔

گویا مفرد روایت، یا کسی حدیث میں زائد حصہ (جو اسی حدیث کے دیگر راویوں کی روایت میں نہیں ہے)، علی الاطلاق مردود نہیں ہے، کیونکہ حدیث غریب صحیح بھی ہوتی ہے، "و ینقسم (أي الغریب) إلی صحیح و غیره" (تدریب الراوی ۲/۱۸۲) یعنی حدیث غریب منقسم ہوتی ہے صحیح اور غیر صحیح کی جانب، اس لئے امام مسلمؒ منکر کو قبول نہ کرنے اور اپنی اس کتاب میں ذکر نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ تفصیل کر رہے ہیں کہ کسی راوی کا اضافہ اور زیادتی کب مقبول اور صحیح ہوگی، اور کب مردود، غیر صحیح ہوگی۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کسی محدث اور راوی کے تفرد اور اضافہ کو قبول کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہو، اس نے اکثر روایات میں اہل ضبط واتقان، ثقہ راویوں کی موافقت کرکے اپنے حفظ، ضبط اور اتقان کو ثابت کر دیا ہو، اور علماء محدثین کے نزدیک اپنا اعتبار قائم کرلیا ہو، دوسری شرط ان کے قول "لیس عند اصحابه" سے یہ ماخوذ ہوتی ہے کہ وہ زائد بات دیگر ثقہ رواۃ کے معارض نہ ہو، ورنہ راوی کے ثقہ ہونے کے باوجود، وہ معارض اضافہ مقبول نہیں ہوگا، امام نوویؒ فرماتے ہیں: "قال رحمه الله کلاماً مختصراً أن زیادة الثقة الضابطِ مقبولةٌ، وروایة الشاذ و المنکر مردودة، وهذا الذی قاله هو الصحیح الذی علیه الجماهیر من اصحاب الحدیث والفقه والأصول" (شرح صحیح مسلم)، یعنی امام

مسلمؒ نے مختصر کلام میں یہ بات کہی ہے کہ ضبط والے ثقہ راوی کا اضافہ مقبول ہے، اور شاذ اور منکر کی روایت مردود، غیر مقبول ہے، اور یہ جو انھوں نے کہاہے وہی صحیح ہے جس پر محدثین، فقہاء اور اصول کے جمہور علماء ہیں۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے واضح کیا ہے کہ امام زہریؒ جو جلالت علم میں مشہور ہیں، ان کے شاگرد بھی بہت ہیں، جو خود ان کی اور ان کے علاوہ محدثین کی احادیث کے حافظ و متقن ہیں، یا مثلاً ہشام بن عروۃؒ ہیں، ان دونوں کی احادیث معروف و معلوم ہیں، ان کے شاگرد ان کی احادیث کو تقریباً یکساں روایت کرتے ہیں، اب کوئی راوی امام زہریؒ یا ہشام بن عروہؒ سے کوئی ایسی حدیث نقل کرے جو ان کے شاگردوں کی روایت میں نہیں ملتی تو بھلا اس مفرد حدیث کو کیونکر قبول کیا جاسکتا ہے۔

تراجم رجال:

زھری: مشہور و معروف محدث وفقیہ قرشی تابعی ہیں، ان کا نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب ہے، قبیلہ بنو زہرہ سے ہیں اس لئے زہری کہے جاتے ہیں اور عموماً ابن شہاب زہری سے معروف ہیں، ۱۲۳، ۱۲۴یا ۱۲۵ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی ہے۔

ھشام بن عروۃ: ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام اسدی قرشی تابعی، ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، سنہ وفات میں ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷ھ تینوں اقوال ہیں، ۸۷ سال کی عمر پائی۔

قَدْ شَرَحْنَا مِنْ مَذْهَبِ الْحَدِيثِ وَأَهْلِهِ بَعْضَ مَا يَتَوَجَّهُ بِهِ مَنْ أَرَادَ سَبِيلَ الْقَوْمِ وَوُفِّقَ لَهَا وَسَنَزِيدُ – إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى – شَرْحًا وَإِيضَاحًا فِي مَوَاضِعَ مِنَ الْكِتَابِ عِنْدَ ذِكْرِ الأَخْبَارِ الْمُعَلَّلَةِ إِذَا أَتَيْنَا عَلَيْهَا فِي الأَمَاكِنِ الَّتِي يَلِيقُ بِهَا الشَّرْحُ وَالإِيضَاحُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ:

ہم نے حدیث اور محدثین کے طریقہ سے کچھ باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کردیں، جس سے اس شخص کو راہ مل جائیگی، جو محدثین کے نہج پر چلنا چاہے، اور اسے اس کی توفیق بھی دی گئی ہو، اور انشاء اللہ ہم مزید شرح اور

وضاحت کریں گے، کتاب کے چند مقامات پر معلل احادیث کے ذکر کے موقع سے، جب ہم وہاں پہونچیں گے، ان مقامات پر جہاں شرح اور وضاحت مناسب ہو گی۔

حل لغات:

[ما يتوجه به]: وجه بمعنی چہرہ، رخ سے باب تفعل "توجه"، سے فعل مضارع معروف، اور اس کا فاعل "من أراد سبيل ۔۔۔الخ "یعنی جس سے راستہ اور رخ پالے گا۔

[سبيل القوم]: مخصوص قوم، مراد علماء اور محدثین کا راستہ، یعنی جو محدثین کے طریقہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے راستہ اور رخ مل جائے گا۔

[وفق لها]: مصدر توفيق سے، فعل ماضی مجہول ہے، اور توفیق کا معنی ہے : اطاعت کی طاقت پیدا کرنا : "والتوفيق :خلق قدرةالطاعة "(شرح صحیح مسلم للنوویؒ:ص۵۹۱)۔

تشریح:

امام مسلمؒ نے رواۃ حدیث کی صفات، ان کے درمیان فرق مراتب، منکر حدیث، اس کی پہچان وغیرہ سے متعلق چند باتیں ذکر کی ہیں ،اور کچھ باتوں کا وعدہ کیا ہے کہ مناسب موقع سے ان کا ذکر اصل کتاب (صحیح مسلم)میں آئے گا۔ یہاں بھی وہی اختلاف ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنا یہ وعدہ اسی کتاب میں پورا کرنے کی بات کی ہے یاالگ تصنیف میں، ابوعبداللہ الحاکم اور ابو بکر البیہقی کے بقول امام مسلمؒ اپنا یہ وعدہ پورا نہ کرسکے، اور اس سے قبل ہی ان کی وفات ہو گئی، جبکہ قاضی عیاضؒ کے بقول امام مسلمؒ نے اسی کتاب میں اسے پورا کر دیاہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں:"وكذلک علل ا لحد يث التى ذ كر و وعد أنه يأتى بها، قد جا ء بها فى مواضعها من الأبواب من اختلافهم فى الأسانيد كالإرسال والإسناد والزيادة والنقص وذكر تصاحيف المصحفين و هذا يد ل على استيفائه غرضه فى تا ليفه و إدخا له فى كتابه كل ما وعد به" ،(مقدمۃ شرح مسلم للنووی:ص ۲۳) ،یعنی ایسے ہی حدیث کی وہ علل جن کا ذکر اور بیان کرنے کا وعدہ کیا ہے ان کو ابواب میں ان کی جگہوں پر بیان کر دیاہے، یعنی سندوں میں ان کے اختلاف مثلاً ارسال(انقطاع) واسناد(اتصال)اور کمی و زیادتی

کو، اور ذکر کیا ہے تصحیف کرنے والوں کی تصحیفات کو، اور یہ دلالت کرتا ہے ان کے اپنی تالیف میں اپنی غرض کے پورا کرنے پر، اور اپنی کتاب میں ہر اس شئے کے داخل کرنے پر جس کا انھوں نے وعدہ کیا ہے۔

خبر معلل (معلول حدیثیں):

خبر معلل: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی ایسا سبب غامض (پوشیدہ عیب) ہو جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو جبکہ بظاہر حدیث اس سبب قادح سے محفوظ معلوم ہوتی ہے، اسکو معلول بھی کہتے ہیں، اور یہ حدیث ضعیف کی اقسام سے ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے مخفی اسباب قادحہ پر وہی لوگ مطلع ہو سکیں گے، جو اس فن میں انتہائی تجربہ کار متبحر ہوں، فہم ثاقب اور مہارت کے حامل ہوں۔

"قال ابن مهدى: فى معرفة علم الحديث إلهام، لو قلت للعالم بعلل الحديث :من أين قلت هذا؟ لم يكن له حجة، وكم من شخص لا يهتدى لذٰلك" (تدریب:۱/۲۵۲)، یعنی عبد الرحمن بن مہدیؒ نے کہا ہے کہ؛ علم حدیث کی معرفت اور پہچان میں ایک الہام ہوتا ہے، اگر تم علل حدیث کے عالم سے پوچھو گے کہ آپنے یہ کہاں سے کہا تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی، اور بہت سے لوگوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی- جیسے سونار اور جوہری سونے اور جواہرات اور پتھروں کو اپنی مہارت اور تجربہ سے پرکھتے ہیں ویسے ہی ماہرین فنِ حدیث، علل حدیث پر اپنی مہارت اور ذوق سے مطلع ہوتے ہیں، "ایں سعادت بزور بازو نیست"۔

اخبار معللہ باوجودیکہ حدیث ضعیف کی قسم سے ہیں صحیح مسلم میں ان کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث حقیقۃً معلل نہیں ہوں گی، ورنہ التزام صحت کا وعدہ بے معنی ہوگا، یا ان کی علت بیان کر دینے کے بعد کسی مصلحت سے ان کا ذکر التزام صحت میں مخل نہیں ہوگا۔

تالیف کتاب کا مزید ایک سبب:

وَبَعْدُ – يَرْحَمُكَ اللّٰهُ – فَلَوْلاَ الَّذِى رَأَيْنَا مِنْ سُوءِ صَنِيعِ كَثِيرٍ مِمَّنْ نَصَبَ نَفْسَهُ مُحَدِّثًا فِيمَا يَلْزَمُهُمْ مِنْ طَرْحِ الأَحَادِيثِ الضَّعِيفَةِ وَالرِّوَايَاتِ الْمُنْكَرَةِ وَتَرْكِهِمُ الاِقْتِصَارَ عَلَى الأَحَادِيثِ

الصَّحِيحَةِ الْمَشْهُورَةِ مِمَّا نَقَلَهُ الثِّقَاتُ الْمَعْرُوفُونَ بِالصِّدْقِ وَالأَمَانَةِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِمْ وَإِقْرَارِهِمْ بِأَلْسِنَتِهِمْ أَنَّ كَثِيرًا مِمَّا يَقْذِفُونَ بِهِ إِلَى الأَغْبِيَاءِ مِنَ النَّاسِ هُوَ مُسْتَنْكَرٌ وَمَنْقُولٌ عَنْ قَوْمٍ غَيْرِ مَرْضِيِّينَ مِمَّنْ ذَمَّ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ أَئِمَّةُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِثْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الأَئِمَّةِ – لَمَا سَهُلَ عَلَيْنَا الانْتِصَابُ لِمَا سَأَلْتَ مِنَ التَّمْيِيزِ وَالتَّحْصِيلِ. وَلَكِنْ مِنْ أَجْلِ مَا أَعْلَمْنَاكَ مِنْ نَشْرِ الْقَوْمِ الأَخْبَارَ الْمُنْكَرَةَ بِالأَسَانِيدِ الضِّعَافِ الْمَجْهُولَةِ وَقَذْفِهِمْ بِهَا إِلَى الْعَوَامِّ الَّذِينَ لاَ يَعْرِفُونَ عُيُوبَهَا خَفَّ عَلَى قُلُوبِنَا إِجَابَتُكَ إِلَى مَا سَأَلْتَ.

ترجمہ:

اوران مذکورہ باتوں کے بعد- اللہ تم پر رحم فرمائیں- اگر نہ ہوتی وہ غلط روش جس کو ہم نے دیکھا، بہت سے ان لوگوں کی، جنھوں نے اپنے کو محدث کے طور پر (عوام کے سامنے) پیش کیا، اس بارے میں جو ان پر (بطور محدث) لازم ہے، یعنی ضعیف احادیث اور منکر روایتوں کو پھیلانا، اور ان صحیح، مشہور احادیث پر ان کا اکتفاء کو ترک کر دینا جنھیں روایت کیا ہے ان ثقہ راویوں نے جو صدق اور امانت میں معروف ہیں، ان کے جان لینے اور اپنی زبانوں سے اقرار کر لینے کے بعد کہ بہت سی وہ حدیثیں جن کو ناسمجھ عوام کے سامنے وہ بیان کرتے ہیں منکر ہیں، اور ایسے ناپسندیدہ راویوں سے مروی ہیں جن سے روایت کرنے کی مذمت کی ہے، ائمہ محدثین جیسے مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، اور ان کے علاوہ ائمہ نے، تو ہمارے لئے آسان نہ ہوتا کھڑا ہونا اس کام کیلئے جس کی آپ نے درخواست کی ہے یعنی انتخاب کرنا، اور جمع کرنا، لیکن اس سبب سے جو ہم نے آپ کو بتلایا، یعنی لوگوں کا مجہول اور ضعیف سندوں کے ذریعہ منکر احادیث کو پھیلانا اوران عوام کے سامنے ان کو بیان کرنا جو ان کے عیوب سے واقف نہیں ہیں، (اس سبب سے) ہمارے دل پر آپ کی درخواست کو پورا کرنا آسان ہو گیا۔

حل لغات:

[صنیع]: علی وزن فعیل بمعنی مصنوع، طریقہ، روش، کارنامہ، "سوء صنیع" میں صفت کی اضافت موصوف کی

طرف ہے، روش کی برائی، یعنی غلط طریقہ، غلط روش، کرتوت۔

[نصب نفسه محدثاً]: اپنے کو محدث کے طور پر کھڑا کیا، ظاہر کیا، نصب الشئ[ض] کھڑا کرنا۔

[فيما يلزمهم]: سوء صنيع سے متعلق ہے، یعنی محدث ہونے کی حیثیت سے جو ان کی ذمہ داری ہے اور جو ان پر لازم ہے، اس میں ان کا غلط رویّہ۔

[من طرح]: سوء صنيع کا بیان ہے، اور طرح (ف) بمعنی پھینکنا، دور کرنا، پھینکنے سے مراد لوگوں کی طرف پھینکنا، یعنی بیان کرنا، پھیلانا جیسا کہ آگے ایک جملہ آرہا ہے "ممايقذفون به الى الأغبياء من الناس" یا "من نشرالقوم الأخبار المنكرة" اس صورت میں آگے والا جملہ "وتركهم الاقتصار" اس پر معطوف ہے، یعنی ان کی غلط روش، ضعیف اور منکر روایات کو بیان کرنا ہے، اور صحیح احادیث پر اکتفا کو ترک کرنا ہے۔

اور اگر طرح بمعنی پھینکنا، یعنی ترک کرنا اور چھوڑ دینا مراد لیں، تو اس صورت میں –"من طرح الأحاديث" "ما يلزمهم" کا بیان ہوگا، یعنی محدث ہونے کی حیثیت سے ان پر ضعیف اور منکر احادیث کو چھوڑ دینا، ترک کر دینا لازم ہے، اس صورت میں "تركهم الاقتصار" کا عطف "سوء صنيع" پر ہوگا، یعنی "فلولاالذى رأينامن سوء صنيعهم ومن تركهم الاقتصار" مطلب یہ کہ اگر ہم نہ دیکھتے ان کے غلط رویہ اور اکتفاء کے ترک کرنے کو، ان دونوں صورتوں میں "ترک" کو مکسور پڑھا جائے گا۔

اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ "تركهم" کو مرفوع پڑھا جائے، اور اسکا عطف "الذى" پر ہو، یعنی "فلولا الذى رأينا---ولولاتركُهم الاقتصار----یعنی اگر نہ ہوتی ان کی غلط روش جو ہم نے دیکھی---اور نہ ہوتا ان کا صحیح احادیث پر اقتصار کو ترک کرنا تو ہمارے لئے آسان نہ ہوتا۔

[يقذفون به]: قذف به(ض) رمى به: پھینکنا، یعنی يلقونه اليهم، ان کی طرف پھینکتے ہیں، مراد یہ ہے کہ ان کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

[الأغبياء]: غبی کی جمع ہے، مراد عام لوگ جنھیں صحیح اور ضعیف کی جانکاری نہیں ہوتی، هم الغفلة و الجهال والذين لافطنة لهم۔

[لما سهل علينا الانتصاب]: "لو لا الذی رأينا" کا جواب ہے، یعنی ان محدثین کی غلط روش کا علم نہ ہوتا تو آپ کی درخواست پوری کرنے کے لئے ہماری آمادگی آسان نہ ہوتی اور "من التمييزوالتحصيل"، "لما سألت" کے "ما" کا بیان ہے، جس کا آپ نے مطالبہ کیا ہے، یعنی مقبول صحیح سندوں کے ساتھ احادیث کا جمع کرنا، اور مردود، غیر صحیح احادیث کو ذکر نہ کرنا، "الانتصا ب"، باب افتعال سے بمعنی کھڑا ہونا۔

[التمييزوالتحصيل]: باب تفعیل سے، الگ کرنا، یعنی صحیح اور ضعیف کو الگ الگ کرنا، صحیح کا انتخاب کرنا۔

[من أجل ماأعلمناك]: یعنی من سبب ما أعلمناک، "أجْل" بسکون الجیم، بمعنی وجہ، سبب، "أعلمنا" باب افعال سے فعل ماضی، صیغہ جمع متکلم بمعنی اخبرناک ۔

تشریح:

آپ کی درخواست کو پورا کرنا، اور صحیح احادیث کا انتخاب اور ان کو ایک کتابی شکل میں جمع کرنا اس لئے بھی ضروری معلوم ہوا کہ بہت سے محدثین دانستہ طور پر عوام کے سامنے منکر، ضعیف اور غیر صحیح احادیث کو رواج دے رہے ہیں، جبکہ ایک محدث کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے صحیح احادیث بیان کرنے پر اکتفاء کرے، اس لئے کہ احادیث نبویہ، شریعت کا مرجع اور منبع ہیں، دین کی تعلیم انھیں سے ملتی ہے، اسمیں احتیاط نہ برتی جائے تو دین خلط ملط ہو جائے گا، لہٰذا ان غیر ذمہ دار محدثین کے طرز عمل کو دیکھ کر اس مشکل کام کا بیڑہ اٹھانا آسان ہو گیا۔

تراجم رجال:

مالک بن انس الأصبحی: مشہور فقیہ اور ائمہ اربعہ متبوعین میں سے ایک ہیں، حدیث میں ان کی مشہور کتاب "موطا" ہے، انتہائی محتاط ائمہ حدیث میں سے ہیں، یحیٰ بن معین کا قول ہے: "كل من روى عنه مالك فهو ثقة ،إلا عبدالكريم"، یعنی امام مالکؒ نے جتنے لوگوں سے روایت لی ہے سب ثقہ ہیں سوائے عبد الکریم کے، ۹۳ھ میں ولادت اور ۱۷۹ھ میں وفات ہے۔

شعبة بن الحجاج: بن الورد العتکی الأزدی، فن حدیث میں اپنی مثال آپ تھے، عراق میں سب سے پہلے

احادیث کی تفتیش اور رجال پر کلام کرنے والوں میں سے ہیں، امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: "مارأیت احداً قط أحسن حدیثاً من شعبة" میں نے حدیث کے اعتبار سے کسی کو بھی شعبہ سے اچھا نہیں دیکھا، ۸۲ھ میں ولادت اور ۱۶۰ھ میں وفات ہے۔

سفیان بن عیینه: بن ابی عمران میمون الہلالی، حکماء اصحاب حدیث میں شمار ہوتے ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "لولا ما لک و سفیان لذهب علم الحجاز"، اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا، ۱۰۷ھ میں ولادت اور ۱۹۸ھ میں وفات ہے۔

یحییٰ بن سعید القطان: بن فروخ التمیمی ابو سعید البصری الاحول الحافظ، رجال کے زبردست ماہر، اور حدیث کے حافظ تھے، اپنے حفظ سے حدیثیں بیان کرتے تھے، اور صرف ثقہ لوگوں سے حدیثیں لیتے تھے، "کان لا یحدث الاعن ثقة"، ابن عمار کہتے ہیں: "کنت إذا نظرت إلی یحییٰ القطان ظننت أنه لایحسن شیئاً ،فإذا تکلم أنصت له الفقهاء"، میں جب یحییٰ القطان کو دیکھتا تھا تو ایسا لگتا کہ انھیں کچھ نہیں آتا، مگر جب کلام کرتے تو فقہاء ان کی باتوں پر کان لگاتے، احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ اور علی بن المدینیؒ نے انھیں سے علم حاصل کیا تھا، "قال الخلیل:هو امام بلا مدافعة"، خلیل نے کہا: یہ بالاتفاق امام ہیں، ائمہ حدیث کا کہنا ہے: من ترکه یحییٰ ترکناه، جس (راوی) کو یحییٰ نے چھوڑ دیا اس کو ہم نے بھی ترک کر دیا، ۱۲۰ھ کے اوئل میں ولادت ہے اور ۱۹۸ھ میں وفات ہے۔

عبدالرحمن بن مهدی: بن حسان بن عبد الرحمن العنبری، حدیث ورجال حدیث کے زبردست عالم ہیں، ثقہ لوگوں سے ہی روایت کرتے تھے، رجال کے بارے میں معتدل تھے، علی بن المدینیؒ کا قول ہے: "إذااجتمع یحییٰ بن سعید وعبدالرحمن بن مهدی علی ترک رجل،لم أحدث عنه، فإذا اختلفا،أخذت بقول عبدالرحمن، لأنه أقصدهما وکان فی یحییٰ تشدد"، یعنی جب کسی راوی کے ترک پر یحییٰ بن سعید اور عبد الرحمن بن مہدی متفق ہوتے ہیں تو میں اس راوی سے حدیث نہیں لیتا، اور جب ان دونوں کا اختلاف ہوتا ہے تو میں عبد الرحمن کے قول کو اختیار کرتا ہوں، اس لئے کہ یہ ان دونوں میں معتدل ہیں اور یحییٰ کے اندر سختی

تھی، ۱۹۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

محدث ہونے کی ذمہ داری[باب وجوب الروایۃ عن الثقات]:

وَاعْلَمْ – وَفَّقَكَ اللَّهُ تَعَالَى – أَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ عَرَفَ التَّمْيِيزَ بَيْنَ صَحِيحِ الرِّوَايَاتِ وَسَقِيمِهَا وَثِقَاتِ النَّاقِلِينَ لَهَا مِنَ الْمُتَّهَمِينَ أَنْ لاَ يَرْوِيَ مِنْهَا إِلاَّ مَا عَرَفَ صِحَّةَ مَخَارِجِهِ. وَالسِّتَارَةَ فِي نَاقِلِيهِ. وَأَنْ يَتَّقِيَ مِنْهَا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ أَهْلِ التُّهَمِ وَالْمُعَانِدِينَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ،

ترجمہ:

اور اللہ تعالی تم کو توفیق دیں، جان لو کہ ہر اس شخص پر جو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے درمیان، نیز ثقہ اور متہم راویوں کے درمیان تمیز کرنا جانتا ہے، واجب ہے کہ نہ روایت کرے مگر وہی حدیثیں جن کے راویوں کے صحیح ہونے، اور ان کے ناقلین کے (اسباب جرح سے) مستور یعنی محفوظ ہونے کو جان لیا ہے، اور ان احادیث سے اجتناب کرے جو متہم اور معاند مبتدعین سے مروی ہوں۔

تشریح:

یہاں سے محدثین کی ذمہ داری کو موکد اور واضح انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ ایسے لوگ جو صحیح اور سقیم وضعیف روایات کے درمیان، نیز اس کے راویوں میں سے ثقہ اور متہم لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کی صلاحیت اور واقفیت رکھتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ ایسی روایات کو ہی نقل کریں جن کی سندوں کے صحیح ہونے کو اور ان کے نقل کرنے والوں کے ثقہ اور عادل ہونے کو جان لیں، اور ایسی روایات سے پرہیز کریں جو متہم اور معاند بدعتی راویوں سے مروی ہوں۔

"وثقات الناقلين لها من المتهمين"، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ "صحيح الروايات و سقيمها" کے بعد تاکید کے طور پر مکرر لایا گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ دونوں جملوں کے معانی الگ الگ ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حدیث متن کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے جبکہ اس کی کسی سند میں کسی متہم راوی کے

آجانے سے وہ حدیث اس سند سے کمزور ہوتی ہے،لہذاایسی سند کے بیان کرنے سے بھی بچنا چاہئے،امام نوویؒ فرماتے ہیں:"ليس هو من باب التكرار للتاكيد، بل له معنىً غير ذلك،فقد تصح الروايات لمتن،ويكون الناقلون لبعض أسانيده متهمين فلا يشتغل بذلك الاسناد"(شرح مقدمہ للنوویؒ)

سند کا ضعیف ہونا متن کے ضعیف ہونے کو مستلزم نہیں ہے:

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ کسی سند کے ضعیف ہونے سے اس کے ذریعہ مروی متن کا ضعیف ہونا ضروری نہیں ہے، ممکن ہے کسی دوسری صحیح سند کے ذریعہ وہی متن منقول ہو،امام نوویؒ "تقریب" میں لکھتے ہیں:"إذارأيت حديثًاباسنادضعيف فلك أن تقول هو ضعيف بهذاالإسناد، و لاتقل ضعيف المتن لمجرد ضعف ذلك الإسناد، الا أن يقول إمام إنه لم يرو من وجه صحيح"۔ (۱/۲۹۶)،یعنی جب تم کسی ضعیف سند سے کسی حدیث کو دیکھو تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے،اور اس سند کے ضعف کی وجہ سے تم اس متن کو ضعیف مت کہو، مگر یہ کہ کوئی امام فن حدیث یہ کہے کہ یہ حدیث کسی صحیح سند سے روایت نہیں کی گئی ہے۔

اسی طرح سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو بھی مستلزم نہیں ہے،"والحكم بالصحة أو بالحسن على الاسناد لا يلزم منه الحكم بذلك على المتن، اذ قد يكون شاذاً أو معللاً"۔(اختصار علوم الحدیث لابن کثیر مع شرحہ الباعث الحثیث ص۳۶)یعنی سند پر صحیح یا حسن ہونے کے حکم سے متن پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم لازم نہیں ہوتا،کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ متن شاذ یا معلل ہو۔

حل لغات:

"صحة مخارجه": مخارج ،مخرج کی جمع ہے،جوخرج خروجاً سے اسم ظرف ہے،خروج کا معنی نکلنا،ظاہر ہونا،لہذا مخرج کا معنی ہوا،نکلنے اور ظاہر ہونے کی جگہ،حدیث کا مخرج اس کا سلسلۂ اسناد ہے،جس سے حدیث ظاہر ہوتی ہے،دوسروں تک پہونچتی ہے،اسلئے صحة مخارجه کا معنی ہوا،اس کی سندوں کا صحیح ہونا،اس لفظ کا استعمال امام ابو سلیمان الخطابی نے حدیث حسن کی تعریف میں کیا ہے،"هو ما عرف مخرجه واشتهر رجاله"جس کی

سند معروف ہو اور اس کے رجال مشہور ہوں، اس کی شرح میں امام سیوطیؒ لکھتے ہیں: "فأخرج بمعرفة المخرج المنقطعَ وحديثَ المد لِّس قبل بيانه" (تدریب الراوی ۱/۱۵۳)، یعنی مخرج (سند) کے معروف ہونے کی قید سے انھوں نے حدیث منقطع اور مدلس کی حدیث کو خارج کر دیا، اور علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں: "وذلک كناية عن الإتصال إذ المرسل والمنقطع والمعضل لعدم بروز رجالها لا يعلم مخرج الحديث منها "(فتح المغیث ص ۶۱) اور یہ (مخرج کا معروف ہونا) کنایہ ہے سند کے متصل ہونے سے، اس لئے کہ مرسل، منقطع اور معضل کے راویوں کے ظاہر نہ ہونے سے حدیث کا مخرج معلوم نہیں ہو پاتا کہ کس نے اس کو روایت کیا ہے۔

"والستارة فی ناقليه": الستارة هی مایستتر به، جس کے ذریعہ چھپا جائے، امام نوویؒ کہتے ہیں: "هی هنا إشارة إلى الصيانة" یہاں راوی کے بے داغ اور محفوظ ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ امور جن کی وجہ سے راوی متہم اور مجروح ہو جاتا ہے خواہ عدالت کی جہت سے ہوں یا ضبط و حفظ کی جہت سے، وہ عیوب مستور ہوں، ان کا علم نہ ہو، ایسی صورت میں وہ راوی عدل اور اہل ضبط مانا جائے گا، اور مقبول قرار پائے گا۔

یہاں امام مسلمؒ کا منشا تام الضبط اور خفیف الضبط (مستور الحفظ) راویوں کے درمیان فرق کرنا نہیں ہے، کیونکہ صحیح کے راوی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے، اور دونوں کی روایتیں حد قبول میں ہیں، یہاں منشاء ثقہ اور غیر ثقہ نیز مقبول اور غیر مقبول میں فرق کا علم ہونا ہے۔

"والمعا ند ين من اهل البد ع": باب مفاعلۃ سے اسم فاعل، عناد کا معنی سرکشی، ضد، ہٹ دھرمی، معاند یعنی سرکش، ضدی بدعتی کی روایت سے بچے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بدعتی جو معاند و متشدد نہ ہو اس سے روایت نقل کی جاسکتی ہے۔

مبتدع راوی کے بارے میں علماء کی آراء:

اہل بدع کی روایت کے بارے میں تفصیل ہے، اور اسمیں علماء کے متعدد اقوال ہیں:

۱۔ وہ متبدعین جو بدعت مکفرہ کے قائل ہیں یعنی ایسے امر کے قائل ہیں جو شریعت کے امر متواتر اور معلوم بالضرورۃ کے خلاف اور منافی ہے، تو ایسے مبتدعین کی روایت قبول نہیں کی جائی گی، کیونکہ ایسا بدعتی اسلام سے

خارج ہے، اور راوی کے عدل ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔

۲۔ وہ مبتدعین جن کی بدعت مکفرہ نہیں ہیں، ان کی روایتیں بھی علی الاطلاق قبول نہیں کی جائیں گی، ان کی روایات کے مقبول ہونے میں تفصیل ہے:

(الف) بدعت غیر مکفرہ کا قائل اگر اپنی بدعت کا داعی اور مبلغ ہے تو اس کی روایت بھی قبول نہیں کی جائیگی۔

(ب) اور اگر اپنی بدعت کا داعی نہیں ہے، اور قبولیت کی صفات اس میں موجود ہیں تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ اسی کو معتدل قول اور جمہور علماء کا مذہب قرار دیا گیا ہے، کیونکہ صحیحین کے رواۃ میں ایک کثیر تعداد ان رواۃ کی ہے جو کسی نہ کسی بدعت کے قائل رہے ہیں، مثلاً تشیع، ارجاء، قدر وغیرہ۔

فاسق غیر عادل اور مجروح کی روایت غیر مقبول ہونے کی دلیل:

وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ الَّذِى قُلْنَا مِنْ هَذَا هُوَ اللاَّزِمُ دُونَ مَا خَالَفَهُ قَوْلُ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ) وَقَالَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ (مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ) وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ (وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ) فَدَلَّ بِمَا ذَكَرْنَا مِنْ هَذِهِ الآىِ أَنَّ خَبَرَ الْفَاسِقِ سَاقِطٌ غَيْرُ مَقْبُولٍ وَأَنَّ شَهَادَةَ غَيْرِ الْعَدْلِ مَرْدُودَةٌ وَالْخَبَرُ وَإِنْ فَارَقَ مَعْنَاهُ مَعْنَى الشَّهَادَةِ فِى بَعْضِ الْوُجُوهِ فَقَدْ يَجْتَمِعَانِ فِى أَعْظَمِ مَعَانِيهِمَا إِذْ كَانَ خَبَرُ الْفَاسِقِ غَيْرَ مَقْبُولٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَمَا أَنَّ شَهَادَتَهُ مَرْدُودَةٌ عِنْدَ جَمِيعِهِمْ

ترجمہ:

اور دلیل اس پر کہ جو ہم نے کہا وہی لازم ہے نہ کہ اس کے خلاف، اللہ جل ذکرہ کا قول ہے، اے ایمان والو: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو چھان بین کرلو، تحقیق کرلو، کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو مصیبت میں مبتلا کردو، پھر اپنے کئے پر نادم اور شرمندہ ہو، اور اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ: ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، اور اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ: اپنے میں سے دو عدل والوں کو گواہ بناؤ، تو یہ آیتیں جو ہم نے ذکر

کی ہیں دلالت کرتی ہیں کہ فاسق کی خبر بے اعتبار اور غیر مقبول ہے، اور یہ کہ غیر عادل کی گواہی مردود ہے۔

اور خبر اگرچہ اس کا معنی بعض صورتوں میں شہادت سے الگ اور جداگانہ ہے پھر بھی اپنے عظیم بنیادی معنوں میں دونوں متحد ہیں، اس لئے کہ علماء کے نزدیک فاسق کی خبر غیر مقبول ہے، جیسا کہ فاسق کی گواہی ان سب کے نزدیک رد کی ہوئی ہے۔

تشریح:

اب اپنے مذکورہ قول (دعوی) کہ صرف ثقہ لوگوں کی صحیح روایات کو ہی نقل کیا جائے اور متہم مجروح راویوں کی روایات سے پرہیز کیا جائے، اس کو دلائل سے مؤید اور مضبوط کرنے کیلئے قرآن کریم کی چند آیات اور احادیث رسول کو پیش کر رہے ہیں۔

پہلی آیت{یایھاالذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا۔۔۔۔۔۔الآیۃ}(سورہ حجرات)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فاسق غیر عدل کی خبر محض سن کر قبول نہیں کرلی جائے گی، بلکہ اس کی چھان بین کرنے کا حکم دیا گیا ہے، گویا فاسق یعنی غیر عدل کی خبر مردود ہے، ورنہ اس کی تحقیق کا حکم نہیں ہوتا۔

دوسری آیت{ممن ترضون من الشھداء}(سورۃ البقرۃ:۲۸۲)

یہ آیتِ دَین کا ایک حصہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو قرض تم لکھواتے ہو اس پر دو گواہ بنالو، "ممن ترضون"، یعنی گواہ ایسے ہوں جو پسندیدہ صفات کے حامل ہوں، جس امر کی گواہی دینی ہے اس کے علم کے بعد اس کو محفوظ رکھنے والے ہوں، جھوٹ اور کذب بیانی سے بچنے والے ہوں، یعنی دیانتدار ہوں، غافل اور متہم نہ ہوں۔

تیسری آیت{وأشھدوا ذوی عدل منکم}(سورۃ الطلاق:۲)

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ گواہ دو عادل لوگوں کو بنایا جائے، اس میں عدل کی قید ملحوظ ہے یعنی وہ فاسق نہ ہوں، کبائر سے اجتناب کرنے والے ہوں، صغائر پر مصر و مستمر نہ ہوں، معروف عادات حسنہ سے متصف ہوں۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ فاسق کی خبر اور غیر عدل کی شہادت مردود، غیر مقبول ہے مگر اشکال یہ ہے کہ، شہادت ایک دیگر شے ہے، اور خبر ایک الگ امر ہے، پھر ایک ایسے دعوی پر جو خبر اور روایت سے متعلق

ہے، شہادت سے متعلق آیات کو اس کی دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جا سکتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خبر اور شہادت میں فرق:

"والخبر وان فارق معناه معنى الشهادة في بعض الوجوه فقد يجتمعان في أعظم معانيهما ": بعض امور کے لحاظ سے خبر اور شہادت میں یقینا فرق ہے، مثلا گواہ کا آزاد ہونا شرط ہے، جبکہ غلام کی روایت بھی درست ہے، شہادت کے لئے خاص عدد کا ہونا شرط ہے، جبکہ روایت ایک فرد کی بھی قبول کی جاتی ہے، شہادت کے لئے بعض صورتوں میں گواہ کا مذکر ہونا شرط ہے، اور روایت مرد و زن ہر ایک کی قبول کی جاتی ہے، شہادت میں عداوت اور قرابت مانع ہے، جبکہ روایت دوست دشمن ہر ایک کی قبول کی جائے گی وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ سارے فرق ضمنی، اعتباری اور کسی امر خارج کے لحاظ سے ہیں، کیونکہ خبر اور روایت کا تعلق عام لوگوں سے ہوتا ہے، حتی کہ خود روایت کرنے والے سے بھی، اور شہادت کا تعلق کسی خاص فرد یا افراد سے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے شہادت میں کچھ خاص امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے، "الرواية هي الإخبار عن عام لاترافع فيه إلى الحكام وخلافه الشهادة" (تدریب الراوی: ۱/ ۳۳) روایت ایک ایسے امر عمومی کی خبر دینا ہے جس میں حکام کے سامنے کسی قضیہ کا پیش کرنا نہیں ہوتا، (یعنی اس کا تعلق عام اور سبھی لوگوں سے ہوتا ہے)، اور شہادت، اس کے خلاف ہے، (اس کا تعلق کسی خاص قضیہ سے ہوتا ہے جو حاکم کے سامنے پیش شدہ کسی خاص قضیہ میں فریقین سے ہوتا ہے)

لیکن حقیقۃً اور اصالۃً قبولیت کے لئے جن امور کا ہونا ضروری ہے، اور مذکورہ امور و شرائط میں بھی ان کا لحاظ ضروری ہے، وہ دونوں میں مشترک ہیں، یعنی مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، خبر و روایت اور مشہود بہ کا ضابط ہونا، اور ان سب صفات کا تقریبا جامع عدل یعنی غیر فاسق ہونا ہے۔ اس لئے امام مسلمؒ اسی بنیادی صفت کے اشتراک کو بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: "إذ كان خبرالفاسق غير مقبول عند أهل العلم كما أن شهادته مردودة عند جميعهم"، یہ آیت اگرچہ خبر سے متعلق ہے مگر جیسا کہ اہل علم کے نزدیک فاسق کی خبر غیر

مقبول ہے، ویسا ہی فاسق کی شہادت و گواہی سب کے نزدیک مردود ہے، اور جیسا کہ شہادت کے لئے گواہ کا عدل کے ساتھ ضابط و متقن ہونا چاہئے جس پر لوگوں کو اطمینان ہو، خبر دینے والے کا بھی عادل وضابط ہونا لازم ہے،

راوی کے لئے عدل وضبط کے ضروری ہونے پر حدیث سے دلیل:

وَدَلَّتِ السُّنَّةُ عَلَى نَفْيِ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الأَخْبَارِ كَنَحْوِ دَلاَلَةِ الْقُرْآنِ عَلَى نَفْيِ خَبَرِ الْفَاسِقِ. وَهُوَ الأَثَرُ الْمَشْهُورُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ«مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ» حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ. ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَيْضًا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالاَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَلِكَ

ترجمہ:

اور منکر احادیث کی روایت کی نفی [غیر مقبول ہونے] پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے، فاسق کی خبر کے انکار پر قرآن کے دلالت کرنے کی طرح، اور وہ رسول اللہ ﷺ سے منقول مشہور حدیث ہے کہ "جس کسی نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں اس کا گمان ہے کہ وہ خلاف واقعہ ہے [یعنی مجھ سے منقول نہیں ہے] تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے" ہم سے بیان کیا ابو بکر بن ابی شیبہ نے انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا وکیع نے، روایت کیا انھوں نے شعبہ سے، انھوں نے حکم سے، انھوں نے عبد الرحمن بن ابی لیلی سے اور انھوں نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے، نیز ہم سے بیان کیا ابو بکر بن ابی شیبہ نے، انھوں نے کہا کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا، روایت کرتے ہوئے شعبہ اور سفیان سے، ان دونوں نے حبیب سے، انھوں نے میمون بن ابو شبیب سے، انھوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ (مذکورہ بالا) ارشاد فرمایا۔

حل لغات:

" الأثر ": بمعنی منقول، اثر کا اطلاق بھی محدثین کے نزدیک خبر یعنی حدیث پر ہوتا ہے۔ فقہاء خراسان خاص طور

سے اس کا اطلاق حدیث موقوف (قول صحابی) پر نیز حدیث مقطوع (قول تابعی) پر کرتے ہیں، "و یقال للآخَرین أی المو قو ف و المقطوع الأثر" (نزھۃ ۱۳۴)، "و عندالمحدثین کل ھذا یسمی اثراً" [اور محدثین کے نزدیک (مرفوع، موقوف، مقطوع) سبھی کو اثر کا نام دیا جاتا ہے] (تقریب النواوی: ۱/ ۱۸۵)۔

" یُر ی": یری کی مشہور اور عام روایت بضم الیاء صیغہ مجہول کے ساتھ ہے "یظن" کے معنی میں، اور بعض لوگوں نے بفتح الیاء صیغہ معروف کے ساتھ بھی جائز کہا ہے، "وأما من فتحها فظاھر و معناہ: وھو یعلم، ویجو ز أن یکو ن بمعنی یظن، أیضًا فقد حکی رأی بمعنی ظن" (نووی)، البتہ منشاء کی تاکید اور بلاغت بضم الیاء صیغہ مجہول میں ہی معلوم ہوتی ہے، یعنی اگر کسی حدیث کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے منقول نہ ہونے کا گمان بھی ہو تو اس کی روایت نہ کی جائے۔

" الکا ذ بین": مشہور روایت بکسر الباء جمع کے ساتھ ہے، نیز بفتح الباء مثنی بھی منقول ہے (نووی)۔

تشریح:

سابق میں قران کریم کی آیات سے استدلال کیا ہے، اور اب حدیث نبوی سے اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ منکر احادیث کی روایت کرنا ممنوع ہے اور مستدل وہ مشہور روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی بات جس کا نبی ﷺ سے منقول ہونا یقینی نہ ہو اس کو نبی کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا کذب بیانی ہے، اور ایسا کرنے والا جھوٹوں میں شمار ہو گا۔

متن کا سند پر مقدم کرنا:

"من حد ث عنی بحدیث یری أنه کذب فھو أحدا لکا ذبین":

امام مسلمؒ نے یہاں پر متن پہلے ذکر کیا ہے، اور اس کی سند بعد میں بیان کر رہے ہیں، یہ بھی ایک طریقہ ہے، اور درست طریقہ ہے، موقع محل کی مناسبت سے تقدیم و تاخیر کی جاسکتی ہے "ومن التر خیص تقدیم متن سمعه علی الإسنا د وبالعکس" [سنے ہوئے متن کو اسکی سند سے پہلے بیان کرنا اور اس کے برعکس یعنی پہلے سند کا ذکر اور اس کے بعد متن بیان کرنا دونوں کی اجازت ہے]، (الموقظۃ ص ۶۴)،

البتہ محدث ابن خزیمہؒ کا معمول رہا ہے کہ سند میں متکلم فیہ راوی ہو تا تو پہلے اس راوی کا ذکر کرتے ہوئے متن بیان کرتے ہیں پھر سند کا ذکر کرتے ہیں" ثُمَّ إِنَّهُ يُسْتَثْنَى مِنَ الْجَوَازِ مَا يَقَعُ لِابْنِ خُزَيْمَةَ، فَإِنَّهُ يَفْعَلُهُ إِذَا كَانَ فِي السَّنَدِ مَنْ فِيهِ مَقَالٌ حَيْثُ يَبْتَدِئُ مِنَ الْمُتَكَلَّمِ فِيهِ، ثُمَّ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْمَتْنِ يَذْكُرُ أَوَّلَ السَّنَدِ، وَقَالَ: إِنَّ مَنْ رَوَاهُ عَلَى غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ لَا يَكُونُ فِي حِلٍّ مِنْهُ. "(فتح المغیث:۳/۱۹۶، تدریب:۱/۵۵۷)۔

نقل روایت کے صیغے:

احادیث کی روایت میں سلسلۂ اسناد کو بیان کرنے کیلئے متعدد صیغے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے: سمعت، حدثنی ،حدثنا، أخبر نی، أخبر نا، أنبأنی، أنبأنا، قرأت علی فلان، قرئ علیه وأنا أسمع، عن فلان اِن فلا نا قال، ان میں مراتب کے لحاظ سے فرق ہے جس کی تفصیل مصطلحات کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

فی الجملہ شیخ سے حدیث سننے کی دو صورت ہے، ایک تو یہ کہ شیخ حدیث کی قرأت کریں اور طالب سنے، دوسری صورت یہ ہے کہ استاذ کے سامنے شاگرد قرأت کرے اور استاذ سنیں، اسکو عرض اور قرأت علی الشیخ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں صورتیں بعض علماء محدثین کے نزدیک مرتبہ میں یکساں ہیں، اور جمہور اہل مشرق سے پہلی صورت یعنی استاذ کا قرأت کرنا افضل ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی ذئبؒ وغیرہ سے قرأت علی الشیخ یعنی شاگرد کی قرأت کا افضل ہونا منقول ہے نیز ان دونوں صورتوں میں سے کسی کیلئے بھی روایت کرتے وقت حدثنا یا اخبرنا کا صیغہ استعمال کرنا جائز ہے امام مالک، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان اور امام بخاری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

قرأت علی الشیخ کی صورت میں عبد اللہ بن المبارک، احمد بن حنبل اور امام نسائی رحمہ اللہ حدثنا یا اخبرنا کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیتے، ان کے بقول اس کے لئے قرأتُ علی فلان، یاقُرِئَ علیه وأنا أسمع، یا حدثنا یا أخبرنا قرأةً علیه کا صیغہ استعمال کیا جائے گا،

اور امام مسلم، امام شافعی اور جمہور اہل مشرق کے نزدیک قرأۃ الشیخ علی الطالب کی صورت

میں "حدثنا" کا استعمال ہو گا، اور قرأۃ الطالب علی الشیخ کی صورت میں "أخبرنا" کے ذریعہ روایت کی جائے گی، اس صورت میں "حدثنا" کے ذریعہ روایت کرنا درست نہیں ہو گا، (تدریب الراوی)،

"ح": امام مسلمؒ نے اس متن کے لئے دو سندیں ذکر کی ہیں، اور ان دونوں کے درمیان "ح" کا استعمال کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ایک متن کیلئے دو یا دو سے زیادہ سندیں بیان کرنی ہوتی ہیں، تو بے فائدہ طول سے بچنے کیلئے ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہوتے وقت جس راوی پر دو یا زائد سندیں متفق ہوتی ہیں، اس سے پہلے "ح" کا استعمال کرتے ہیں، جیسے حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة حدثناأبو خالد الأحمر ح وحدثنيه زهير بن حرب حدثنا يزيد بن هارون كلاهما عن أبي مالك -----الحديث، امام مسلمؒ نے یہ حدیث ابو بکر بن ابو شیبہ سے بھی سنا ہے، اور زہیر بن حرب سے بھی سنا ہے، اور ان دونوں نے الگ الگ اساتذہ سے سنا ہے، ابو بکر نے ابو خالد احمر سے سنا ہے اور زہیر بن حرب نے یزید بن ہارون سے، اور ان دونوں نے ابو مالک سے سنا ہے، لہذا اپنے دونوں اساتذہ کی سند کو الگ الگ مکمل ذکر کی تطویل سے بچنے کے لئے ان کے دونوں اساتذہ کی سند جس راوی یعنی ابو مالک پر ملتی ہے اور اس کے بعد ایک ہو جاتی ہے، پہلی سند میں ان کے ذکر سے پہلے "ح" لکھ کر پھر دوسرے استاذ کی سند کو وہاں تک ذکر کرنے کے بعد "كلاهما عن ابی مالک" سے بقیہ سند کی تکمیل کی۔

تنبیہ:

"ح" کی تفصیل اور اس کی قرأت:

۱- اہل مغرب کا قول ہے کہ یہ "ح"، "الحديث" کا مخفف ہے، اسی لئے اس موقع پر وہ "الحديث" پڑھتے بھی ہیں۔

۲- بعض لوگ "حائل" کا مخفف مانتے ہیں کیونکہ یہ دو سندوں کے مابین حائل ہوتا ہے۔

۳- بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ لفظ "صح" کا مخفف ہے، اور اس کی جگہ "صح" لکھتے بھی ہیں اور یہ اس بات کا رمز و اشارہ ہے کہ مذکورہ پہلی سند کا ذکر صحیح ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کا متن بھولے سے رہ گیا ہے، یا دونوں سندیں غلطی سے مخلوط ہو گئی ہیں۔

۴ - اور اکثر لوگ اسے "تحویل " کا مخفف مانتے ہیں، اس لئے قرأت کرتے وقت "حا" پڑھتے ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں: والمختار أن يقول :"حا" ويمرَّ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ۸۸/۲)، اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ "حا" کہے اور آگے بڑھے۔

تراجم رجال:

ابو بکر بن ابو شيبة: ان کا نام عبد اللہ، والد کا نام محمد اور دادا کا نام ابراہیم بن عثمان بن خواستی ہے، ابو شیبہ دادا کی کنیت ہے، جو واسط کے قاضی رہ چکے ہیں اور ضعیف راوی ہیں، جبکہ ابو بکر ثقہ اور حافظ محدث ہیں، ان کے ایک بھائی عثمان ہیں وہ بھی ثقہ ہیں اور امام مسلمؒ نے دونوں سے روایت کی ہے، عثمان عمر میں بڑے ہیں اور ان کی وفات ۲۳۹ھ میں ہے، اور ابو بکر کی وفات ۲۳۵ھ میں ہوئی، ابو بکر سے واقدی کے کاتب محمد بن سعد نے بھی روایت کیا ہے اور اور یوسف بن یعقوب ابو عمرو نیشاپوری نے بھی اور ان دونوں شاگردوں کی وفات کے درمیان تقریباً ایک سو نو سال کا فرق ہے۔

وكيع: بن الجراح مليح الرؤاسی الکوفی، ان کی کنیت ابو سفیان ہے، ثقہ اور حافظ ہیں، ائمۂ فقہ و حدیث میں ان کا شمار ہے، انھوں نے اعمشؒ، شعبہؒ اور امام مالکؒ سے روایت کی ہے، ان کی ولادت ۱۲۸ میں اور وفات ۱۹۶ھ میں ہے،

حكم: بن عُتَيبۃ الکندی، ابو عبد اللہ الکوفی، فقیہ محدث تابعی ہیں، ۵۰ھ میں ولادت اور ۱۱۳ یا ۱۱۴ھ میں وفات ہے،

عبد الرحمن بن ابو ليلى: ابو لیلی کا نام یسار یا بلال یا داؤد ہے، عبد الرحمن کی کنیت ابو عیسی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہوئے، حضرات صحابہ سے روایت کی ہے، کوفہ کے رہنے والے ثقہ تابعی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے ۸۲ھ میں ان کی وفات ہے۔

حبيب: بن ابو ثابت قیس بن دینار، اصحاب فتاوی میں ان کا شمار ہے تابعی ہیں ابن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ہے عروہ بن زبیر سے ان کا سماع ثابت نہیں، ۱۱۹ھ میں ان کی وفات ہے۔

ميمون بن أبو شبيب : ربعی، ان کی کنیت ابو نصر ہے، تابعی ہیں صحابہ سے انھوں نے روایتیں کی ہیں، مگر

کسی میں سمعت کا صیغہ استعمال نہیں کیا ہے، ابو حاتم نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔

سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ:(میم کے ضمہ، اور دال کے فتحہ وضمہ کے ساتھ) بن ہلال الفزاری، کنیت ابو سعید ہے، صحابی ہیں، نیز انصار کے حلیف تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کر لیا تھا، ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔

مغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ: کنیت ابو محمد ہے ثقفی ہیں، ذکاوت میں مشہور صائب الرائے صحابی ہیں، حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعۃ الرضوان میں شریک رہے، ۴۹ھ میں وفات پائی (تفصیل کے لئے دیکھئے الإصابہ لابن حجرؒ)۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کی شناعت:

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيًّا رضى الله عنه يَخْطُبُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ« لاَ تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ » .

وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ - عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ « مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ».

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ « مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ».

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ رَبِيعَةَ قَالَ أَتَيْتُ الْمَسْجِدَ وَالْمُغِيرَةُ أَمِيرُ الْكُوفَةِ قَالَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ رضي الله عنه سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ « إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ».

وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ الأَسَدِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الأَسَدِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ رضي الله عنه بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ

عَلَى أَحَدٍ ۔

ترجمہ:

۱- ربعی بن حراشؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: میری طرف (کسی قول یا فعل کی) غلط نسبت مت کرنا، کیونکہ جو میری جانب جھوٹی نسبت کرے گا جہنم میں داخل ہو گا۔

۲- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ: مجھ کو تم سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص جانتے ہوئے میری طرف جھوٹی نسبت کرے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

۳- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص جانتے ہوئے میری طرف جھوٹی نسبت کرے تو اسے چاہئے کہ اپنی جگہ جہنم میں سمجھے۔

۴- علی بن ربیعہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ وہ مسجد میں آئے، اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے، تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری طرف جھوٹی نسبت کرنا کسی اور کی جانب جھوٹی نسبت کرنے جیسا نہیں ہے، لہٰذا جو شخص قصداً میری طرف جھوٹی نسبت کرے تو اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنی جگہ بنالے۔

۵- خبر دیا ہے **محمد** بن قیس الأسدی نے روایت کرتے ہوئے علی بن ربیعہ الأسدی سے انھوں نے روایت کرتے ہوئے **مغیرہ** ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے روایت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل، اور نہیں ذکر کیا ہے (اس جملہ کو کہ) میری طرف جھوٹی نسبت کرنا، کسی اور کی طرف جھوٹی نسبت کرنے جیسا نہیں ہے۔

حل لغات:

لا تكذبوا عليَّ: كذب عليه: کسی کے خلاف غلط بات کہنا، کسی پر الزام لگانا، غلط نسبت کرنا، مرے اوپر الزام مت رکھو یعنی جو بات میں نے نہیں کہی ہے، یا جو کام میں نے نہیں کیا ہے اس کو مری طرف منسوب مت کرو۔

یلج النار: جہنم میں داخل ہو گا،ولج[ض]ولوجا داخل ہونا سے فعل مضارع مجزوم۔

فلیتبوأ: فعل امر ہے،تبوأ المکان وبه: مقیم ہونا، جگہ بنانا۔

"یعنی ابن عُلَیَّة": سند کے رجال میں سے کسی راوی کے ابہام کو دور کرنے کے لئے تعارفی کلمات جو شیخ یا استاذ سے منقول نہیں ہیں ان کو ذکر کرنے سے پہلے "یعنی" یا" ھو" کا استعمال کرتے ہیں، تاکہ بقدر ضرورت وضاحت بھی ہو جائے اور شیخ سے غیر منقول کا نقل بھی لازم نہ آئے۔امام مسلم رحمہ اللہ زیادہ تر "یعنی" کا استعمال کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ "ھو" کا استعمال کرتے ہیں، زہیر بن حرب نے صرف اسماعیل کہا،امام مسلم رحمہ اللہ نے یعنی ابن علیۃ سے اس کی وضاحت کر دی کہ اسماعیل سے اسماعیل بن عُلَیّہ مراد ہیں،

تشریح:

گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جس امر کے متعلق رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ثابت نہ ہونے کا ظن و گمان ہو، اس کو رسول کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا کذب ہے،اسی طرح دوسری روایت میں آپ کی طرف ایسے امر کو منسوب کرنے سے صراحۃً منع کیا گیا ہے، ربعی بن حراش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا، انھوں نے کہا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میری طرف جھوٹی نسبت کرکے کذب بیانی مت کرو، اسلئے کہ جو میری طرف جھوٹی نسبت کرے گا جہنم میں داخل ہو گا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کے اعتبار سے مکثرین صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، پھر بھی یہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کثرت روایت سے مانع یہ فرمان نبوی ہے جس میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ بولے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھنا چاہئے" اور ان کو یہ کہنے کا پورا، پورا حق ہے، کیونکہ دس سال تک رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت فرمائی ہے، سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، جو کچھ سنا یا دیکھا سب روایت کرنے لگ جاتے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنا ذخیرہ ہو جاتا، مگر اس سخت وعید کے پیش نظر احتیاط برتی، کہ کثرت میں خطا کا اندیشہ ہے، گویا انھوں نے اپنے حساب سے کم روایتیں بیان کیں اگرچہ فی الواقع کثیر ہیں، ثابت البنانی سے منقول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لڑکوں نے ان سے عرض کیا کہ "یا أبانا ألا تحدثنا کما تحدث الغرباء؟ قال أی

بنی! انه من یکثر یهجر"[اباجان! یہ دوسری جگہوں سے آنے والے لوگ جس کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہیں، آپ ہم سے اس کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: جگر گوشو! جو زیادہ بیان کرے گا بے تکی باتوں کا بھی مرتکب ہوگا]۔(السنۃ قبل التدوین ص ۹۴ بحوالہ طبقات ابن سعد ۷/ ۴۱)۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی طرف جھوٹی نسبت کرنا، الزام تراشی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کے نتائج خراب ہوتے ہیں، لیکن میری طرف جھوٹی نسبت کرنا اس سے کہیں زیادہ فساد و بگاڑ کا باعث ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی طرف منسوب باتیں شریعت کا منبع اور ماخذ ہیں، لہذا آپ ﷺ کی طرف کسی قول یا فعل کی غلط نسبت کرکے بیان کر دیا جائے، اور سننے والا اسے شریعت سمجھ کر اس پر عمل کر بیٹھے تو وہ غیر شریعت پر عمل کرنے والا ہوگا، اور بسا اوقات نادانی میں گمراہی کا شکار ہوگا، اس لئے بالقصد جھوٹی حدیثیں بیان کرنے کی وعید اتنی سخت ہے کہ اس کے مرتکب کی جگہ آپ ﷺ نے جہنم بتائی ہے۔

موضوع حدیث کی روایت کا حکم:

اور اسی لئے وضع کی صراحت کئے بغیر بالقصد موضوع حدیث کی روایت کرنا بھی حرام ہے۔ خواہ وہ عقائد واحکام سے متعلق ہوں یا ترغیب وترہیب اور فضائل کے باب سے، سب کا حکم یکساں ہے، صرف فرقۂ مبتدعہ کرّامیہ ترغیب وترہیب کے باب میں وضع حدیث کے جواز کا قائل ہے، اور اس معاملہ کی نزاکت سے بے خبر زہد وعبادت سے مغلوب کچھ حضرات سے غفلت وجہالت میں وضع حدیث یا موضوع حدیث کی روایت کا صدور ہوا ہے، جن کا اس فن علوم حدیث میں کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے، لہذا جس حدیث کے بارے میں معلومات نہ ہوں اس کے بیان سے احتراز کرنا چاہئے، مبادا حدیث میں مذکور وعید میں داخل ہو جائیں۔

وضاعین حدیث کی تاویلات باطلہ:

حدیث نبوی "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" متواتر ہے، اس متن کے ساتھ ستّر سے زیادہ صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے، ان میں عشرۂ مبشرہ بھی ہیں، اور اس مفہوم کو بیان کرنے والے صحابہ سو سے زیادہ ہیں، (تدریب الراوی ۲/ ۱۷۷)، اور صحابہ وتابعین ومحدثین نے اس کا مفہوم یہی سمجھا ہے کہ نبی ﷺ کی

طرف کسی بھی ایسے امر کو منسوب کرنا جو آپ سے ثابت نہیں ہے، جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی اچھا ہو، اور اچھے مقصد کیلئے کیا گیا ہو، مگر وضاعین حدیث نے اس کی درج ذیل کچھ غلط تاویلات کر رکھی ہیں تا کہ انکی یہ حرکت اس کا مصداق قرار نہ پائے، چنانچہ:

۱- ایک قول یہ ہے کہ "من كذب عليّ---" کا مطلب ہے کہ جو مجھ کو ساحر اور مجنون کہے۔

۲- بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ "من أراد عيبه و شين الاسلام" یعنی اس کا مصداق وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے اور اسلام کو بدنما کرنے کے ارادہ سے حدیث وضع کرے، اور اس کے لئے وہ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ جب آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو صحابہ کو شاق ہوا اور انھوں نے کہا "يا رسول الله نحدث بالحديث نزيد وننقص، قال ليس أعنيكم انما أعني الذى يكذب عليّ متحدثاً يطلب به شين الاسلام" (اللہ کے رسول! ہم حدیث بیان کرتے ہیں تو اس میں کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو مراد نہیں لیتا، میری مراد ان لوگوں سے ہے جو حدیث بیان کرتے ہوئے میرے اوپر کذب بیانی کرتے ہیں اسلام کو داغدار کرنے کی غرض سے) جبکہ اس حدیث کے راوی احوص بن حکیم اور محمد بن فضل ضعیف ہیں، اور اسید بن زید متروک ہیں، یحییٰ نے ان کی تکذیب کی ہے، لہذا متواتر روایت جو مطلق ہے اس کے مقابلہ میں ایسی سند سے مروی حدیث سے استدلال معتبر نہیں ہو گا، (مجمع الزوائد ۱/۱۴۸)۔

۳- بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ آپ ﷺ نے من كذب عليّ فرمایا ہے، یعنی آپ ﷺ کو ضرر پہونچانے کے لئے وضع حدیث کی ممانعت ہے، نفع رسانی کے لئے نہیں، ونحن نكذب له، اور ہم آپ کے فائدہ کے لئے حدیثیں وضع کرتے ہیں۔

۴- بعض نے کہا کہ یہ حدیث "ليضل به الناس" سے مقید ہے، "من كذب عليّ متعمداً ليُضل به الناس" (مجمع الزوائد ۱/۱۴۴)، یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے جھوٹی روایت کرے تب اس وعید کا مستحق ہو گا،

مگر یہ تمام تاویلات، فاسد و باطل ہیں، اس لئے کہ وضع حدیث، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ دین میں نقص کو مستلزم ہے، اور قول خداوندی "اكملت لكم دينكم" کے معارض ہے، اور " ليضل به الناس " کا اضافہ

متکلم فیہ ہے ابن حجرؒ وغیرہ نے کہا کہ یہ اضافہ ثابت نہیں ہے(فتح الباری:۱/۲۰۰)،اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ تاکید کے لئے ہوگا یعنی کذب علی الرسول سے لازماً گمراہی ہوگی یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کے قول میں ہے:"فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ"(الأنعام:۱۴۴)، یہ توجیہ امام طحاویؒ کی ہے(مشارق الانوار الوھاجہ شرح سنن ابن ماجہ)،اور اس توجیہ کے پیش نظر دونوں میں تطبیق کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لیضل به الناس میں لام تعلیل کیلئے نہیں، صیرورت وعاقبت کیلئے ہے، یعنی جو میرے اوپر کذب بیانی کرے گا وہ لوگوں کو گمراہ ہی کرے گا، اس کا انجام لوگوں کو گمراہی میں ہی مبتلا کرنا ہوگا(شرح نوویؒ)، کیونکہ اگر اس کا راستہ کھول دیا جاتا تو کوئی بھی اپنی کذب بیانی کی توجیہ یہی کرتا کہ میں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی ہدایت اور نفع کے لئے حدیث وضع کی ہے، اور اس طرح وضع حدیث کی راہ کھل جاتی، اور احادیث صحیحہ، موضوع احادیث کے ساتھ مخلوط ہوکر مشکوک اور غیر معتبر ہو جاتیں، اور پھر غیر رسول کا کلام رسول کے کلام جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔

لہذا حدیث بیان کرنے میں غایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی لئے طالب حدیث کے لئے ضروری ہے کہ قواعد عربیت سے واقف ہو، تاکہ حدیث رسول ﷺ کی غلط قرأت کے سبب اس وعید میں داخل نہ ہو جائے،"قال الأصمعی : أخشى عليه اذا لم يعرف العربيةأن يد خل فی قوله" من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" فان النبی ﷺ لم يكن يلحن، فمهما رويت عنه ولحنت فيه كذبت عليه "(الباعث الحثیث ص۱۲۲)، اصمعی کا کہنا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ جب عربی نہیں جانتا ہے تو کہیں رسول ﷺ کی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے کیونکہ رسول ﷺ بولنے میں غلطی نہیں کرتے تھے، لہذا جب تم آپ ﷺ سے روایت کروگے اور (ادائیگی میں) غلطی کروگے تو آپ پر جھوٹ بولنے کے مرتکب ہوگے۔

نیز ایسے لوگ جو عربی زبان سے ناواقف ہیں انھیں بھی عربی الفاظ میں حدیث کے بیان کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے، ان کے لئے مناسب ہے کہ حدیث کے مفہوم کو بیان کریں، اور علماء کے حوالہ سے بیان کریں، اسی طرح کسی ضعیف حدیث کی روایت کیلئے: رُوی عنه كذا ، جاء عنه كذا، جیسے مبہم اور مجہول صیغے استعمال کرنے چاہئیں، یعنی روایت میں منقول ہے، بہتر یہ ہے کو اس کو حدیث کے نام سے بیان ہی نہ کرے۔

تراجم رجال:

غندر: اس حدیث کی سند میں ایک راوی غندر ہیں غین کے ضمہ نیز دال کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ان کا نام محمد بن جعفر ہے، جو دوسری سند میں صراحۃً مذکور ہے، نیز ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت میں "غندر عن شعبة" معنعن ہے، جبکہ دوسری سند میں "محمد بن جعفر حدثنا شعبة"، صراحۃً تحدیث کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد بن جعفر نے شعبہ سے سنا ہے، لہذا تکرار سند سے یہ دو فائدے حاصل ہوتے ہیں، کہ غندر کی تعیین ہوگئی کہ وہ محمد بن جعفر ہیں، اور پہلی روایت میں ان کا شعبہ سے حدیث کو بصیغہ "عن" بیان کرنا منقول ہے جو صیغہ ابہام ہے مگر دوسری سند میں "قال حدثنا شعبة" منقول ہے، جس سے سننے کی صراحت مل رہی ہے۔

یہ محمد بن جعفر غندر حضرت شعبہ کے شاگردوں میں ایک باحیثیت شاگرد ہیں، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب شعبہ کی روایت کے بارے میں اختلاف ہو تو غندر کی کتاب ان کے مابین حکم ہے، علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ سے روایت میں یہ مجھے عبد الرحمن بن مہدیؒ سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔

رِبعی بن حِراش: بکسر الحاء المہملۃ، بن جحش تابعی ہیں، حضرت عمر، ابن مسعود اور علی رضی اللہ عنہم سے روایتیں سنی ہیں، حراش کے تین لڑکے ہیں، ربعی، ربیع اور مسعود، مسعود کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے موت کے بعد کلام کیا [تكلم بعد الموت] اسی طرح ربعی نے قسم کھا رکھی تھی کہ اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک اپنا ٹھکانہ معلوم نہیں ہو جائے گا، چنانچہ مرنے کے بعد ہی ہنسے،" تابعي كبير جليل لم يكذب قط، وحلف أنه لا يضحك حتى يعلم أين مصيره، فما ضحک الا بعد موته"، غالباً ۱۰۴ھ میں ان کی وفات ہے، اسی طرح ان کے تیسرے بھائی ربیع نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک یہ معلوم نہیں ہو جائے گا کہ جنتی ہیں یا جہنمی اس وقت تک نہیں ہنسوں گا، مرنے کے بعد ان کو غسل دینے والے کا کہنا ہے کہ غسل کے دوران وہ مسلسل مسکراتے رہے (امام نوویؒ)۔

علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ: چوتھے خلیفۂ راشد، رسول ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں، عرب کے بہادروں اور فقہاء صحابہ میں امتیازی مقام پر فائز ہیں، اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں، جس وقت اسلام لائے

انکی عمر تیرہ سال کی تھی، رمضان ۴۰ھ میں شہادت پائی۔

أنس بن مالک رضی اللہ عنہ: انس بن مالک بن نضر انصاری، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی ان کی عمر تقریباً دس سال تھی، ان کی والدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا انھیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ اللہ کے رسول یہ آپ کا چھوٹا سا خادم ہے، "هذا خويد مک يا رسول االله" اس وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر آپ کی خدمت میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کثرت مال، کثرت اولاد اور دخول جنت کی دعا فرمائی، بصرہ میں قیام پذیر تھے، جہاں سو سال سے زیادہ عمر میں ۹۳ھ میں وفات ہوئی۔

إسماعيل بن علية: زبردست محدث ہیں، حضرت شعبۃ رحمہ اللہ انھیں ریحانۃ الفقہاء اور سید المحدثین کہتے تھے، ان کے والد کا نام ابراہیم ہے، مگر یہ اپنی ماں عُلَیّہ بنت حسان کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے، کیونکہ وہ بھی بڑی عاقلہ وفاضلہ تھیں، مگر خود اسماعیل بن علیہ اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ انھیں اس کنیت سے ذکر کیا جائے،" قال أبوداؤد السجستاني:ما أحد من المحدثين إلا قد أخطأ إلا إسماعيل ابن علية و بشربن المفضل"[ابوداؤد سجستانیؒ نے کہا ہے کہ سبھی محدثین سے غلطیاں ہوئی ہیں سوائے اسماعیل بن علیہ اور بشر بن مفضل کے]،"وقال أحمد بن سعيد الدارمي: لا يعرف لابن علية غلط، إلا في حديث جابر في المدبر، جعل اسم الغلام اسم المولى ،واسم المولى اسم الغلام"[روایت حدیث میں ان کی کوئی غلطی نہیں ملی، سوائے مدبر کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے، جس میں غلام کے نام کو آقا کا نام کر دیا، اور آقا کے نام کو غلام کا نام]، ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

ابو هريره رضی اللہ عنہ: یہ کنیت ہے اور اسی سے مشہور ہیں، اور ان کے نام میں اختلاف ہے، زمانہ جاہلیت میں عبد شمس یا عبد عمرو تھا، اور اسلام لانے کے بعد عبد اللہ یا عبد الرحمن ہو ا دیگر متعدد اقوال بھی منقول ہیں، والد کا نام صخر ہے، اور قبیلہ دوس سے ان کا تعلق ہے، کثیر الروایت صحابی ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے تابعین کی تعداد آٹھ سو سے زائد ہے، ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر حاضر خدمت ہوئے، اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ کے بعض بعد کے مشاہد میں شریک بھی ہوئے، ۵۹ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

أبوحصين: بفتح الحاء وكسر الصاد المهملتين، ان کا نام عثمان بن عاصم بن حصین ہے، اور یہ بھی قول ہے کہ ان کا نام زید بن کثیر بن زید بن مرّۃ ہے، کوفی تابعی ہیں، جابر بن سمرہ، ودیگر صحابہ سے روایت کی ہے، عبد الرحمن بن مہدی نے ان کو کوفہ کے صحیح الحدیث اور ثقہ لوگوں میں بتایا ہے، ۱۲۸ھ میں وفات ہے۔

کذب بیانی سے بچنے کے طریقے:

۱- ہر سنی ہوئی بات نقل نہ کی جائے

وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِىُّ حَدَّثَنَا أَبِى ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِىٍّ قَالاَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ «كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ».

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ بِمِثْلِ ذَلِكَ.

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِىِّ عَنْ أَبِى عُثْمَانَ النَّهْدِىِّ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضى الله تعالى عنه بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

وَحَدَّثَنِى أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِى مَالِكٌ اعْلَمْ أَنَّهُ لَيْسَ يَسْلَمُ رَجُلٌ حَدَّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ وَلاَ يَكُونُ إِمَامًا أَبَدًا وَهُوَ يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ عَنْ أَبِى الأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَهْدِىٍّ يَقُولُ لاَ يَكُونُ الرَّجُلُ إِمَامًا يُقْتَدَى بِهِ حَتَّى يُمْسِكَ عَنْ بَعْضِ مَا سَمِعَ.

ترجمہ:

۱- حفص بن عاصم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے کہ بیان کرے ہر اس بات کو جو وہ سنے۔

۲۔ حفص بن عاصم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ نبی ﷺ سے اسی کے مثل۔

۳۔ ابو عثمان نہدی نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔

۴۔ ابن وھب نے فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا جان لو کہ محفوظ نہیں رہتا ہے وہ آدمی جس نے ہر سنی ہوئی بات کو بیان کیا، اور کبھی پیشوا نہیں ہو گا حال یہ کہ وہ بیان کر رہا ہو ہر سنی ہوئی بات کو۔

۵۔ ابو الاحوص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا پھرے۔

۶۔ عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ آدمی کبھی ایسا سربراہ نہیں بن سکتا جسکی پیروی کی جائے تا آنکہ وہ بعض سنی ہوئی بات بیان کرنے سے باز رہے اپنے کو روکے۔

حل لغات:

خُبیب بن عبدالرحمن: بضم الخاء، مصغراً، بن خبیب بن یَساف، ثقہ اور قلیل الحدیث ہیں سن وفات ۱۳۲ ہے۔

کفی بالمرئ: کفی (ض) فعل ماضی اور المرء اس کا فاعل ہے، کفی کے فاعل پر اکثر باء زائدہ کا استعمال کرتے ہیں، لہذا ترجمہ ہو گا آدمی کافی ہے جھوٹ کے لئے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے، والغالبة فی فاعل "کفی" نحو :{کفی باللہ شهیدا}، (مغنی اللبیب من کتب الاعاریب: حرف الباء) یعنی باء تاکید کے لئے زائدہ ہوتا ہے، اس کے چھ مواضع ہیں، ان میں سے ایک: "فاعل" ہے، اور فاعل پر اس زائد باء کا دخول کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی کبھی بطور کثرت وغلبہ اور کبھی ضرورةً۔

هشیم: بضم الہاء (مصغر) بن بشیر بن قاسم ثقہ حافظ ہیں، ۱۰۴ یا ۱۰۵ ہجری میں ولادت اور ۱۸۳ھ میں وفات ہے۔

بحسب المرء: اس میں مبتدا پر باء زائدہ داخل ہے، اور حسب بمعنی کافی ہونا، یعنی حسب المرء من الکذب ،

جھوٹ سے آدمی کی کفایت یعنی کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرنا ہے۔

لیس یسلم: (س) محفوظ نہیں رہتا، مصدر سلاماً و سلامۃً بچا رہنا، عیب وغیرہ سے پاک ہونا، محفوظ رہنا۔

یمسک عن بعض۔۔۔۔: افعال سے الامساک عن الشئی: اجتناب و پرہیز کرنا۔

یُقتَدی به: جس کی پیروی کی جائے، افتعال سے، مادہ ق د و ہے، قدا (ن) قدوًا قریب ہونا، اقتدی به پیروی کرنا، کسی کے مثل عمل کرنا۔

تشریح:

کذب بیانی یا متہم ہونے سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہر سنی ہوئی بات کو نقل کرنے سے پرہیز کرے، کیونکہ جو باتیں اس تک پہونچتی ہیں، وہ سچ بھی ہو سکتی ہیں اور جھوٹ بھی، لہذا احتیاط اور تحقیق کئے بغیر ہر بات کو نقل کرنے سے جھوٹ کا نقل کرنا بھی لازم آئے گا، اور جھوٹ کا نقل کرنا اس کو لوگوں کی نگاہ میں جھوٹا اور کاذب بنادے گا، لوگوں کی نظروں سے گرادے گا، ناقابل اعتبار بنادے گا، اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص مقتدیٰ اور قابل تقلید واتباع نہیں ہو سکتا، اسی کو امام مالکؒ نے ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے: "اعلم أنه لیس یسلم رجل حدث بکل ماسمع"، نیز فرمایا: "ولا یکون اماماً أبداًوھو یحدث بکل ماسمع"، اور یہی بات عبد الرحمن بن مہدی سے بھی منقول ہے: "لا یکون الرجل اماماًیقتدیٰ به حتی یمسک عن بعض ما سمع"، ترجمہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

مذکورہ حدیث "کفی با لمرء کذبا أن یحدیث بکل ماسمع" کی پہلی سند جس میں معاذ العنبری اور عبد الرحمن بن مہدی حضرت شعبہؒ سے نقل کر رہے ہیں اس میں حفص بن عاصم تابعی ہیں وہ کہہ رہے ہیں: "قال رسول اللهﷺ "، اس طرح کی روایت جس میں تابعی کہے "قال رسول اللهﷺ کذا" یا "فعل رسول الله ﷺ کذا" اصطلاح میں مرسل کہی جاتی ہے۔

مرسل روایت اگرچہ جمہور محدثین اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قابل حجت واستدلال نہیں ہے، لیکن وہ روایت دوسری سند سے متصلا بیان ہو جائے، یا کسی صحابی کا قول اس کے موافق ہو یا اکثر علماء اس روایت کے

مقتضا پر فتوی دیتے ہوں تو وہ لائق احتجاج ہوتی ہے، ”فان صح مخرج المرسل بمجیئه أو نحوه من وجه آخر مسند اأومرسلا أرسله من أخذ عن غیر رجال الأول کان صحیحاً،هکذا نص علیه الشافعی فی الرسالة مقیدا له بمرسل کبار التابعین،-------- وزاد فی الا عتضاد أن یوافق قول صحابی أویفتی اکثر العلماء بمقتضاه“[مرسل حدیث یا اس کے مثل اگر کسی دوسری سند سے متصلاً بیان ہو جائے یا مرسلاً ہی بیان ہو مگر اس کے رواۃ پہلی سند کے رواۃ کے علاوہ ہوں تو صحیح ہوتی ہے، امام شافعیؒ نے ”رسالہ“ میں کبار تابعین کی قید کے ساتھ مرسل کے بارے میں ایسی ہی صراحت کی ہے،---- یا وہ مرسل روایت کسی صحابی کے قول کے موافق ہو یا اکثر علماء نے اس کے مقتضا کے موافق فتوی دیا ہو]، (تدریب الراوی:۱/ ۱۹۸، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے ”الرسالۃ للشافعیؒ: ص ۴۶۲)۔

چناچہ اس روایت کی دوسری سند جس میں علی بن حفص حضرت شعبہ سے نقل کرتے ہیں اس میں حفص نے ابوہریرہ کی صراحت کی ہے حفص بن عاصم عن أبی هریره عن النبی ﷺ روایت مسند و متصل ہے۔

نیز تیسری روایت میں صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور پانچویں روایت میں صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کے موافق ”بحسب المرء من الکذب أن یحدث بکل ماسمع “منقول ہے۔

اور چوتھی و چھٹی روایت میں حضرت امام مالکؒ اور عبد الرحمن بن مہدیؒ جو اس فن میں اپنا ایک مقام اور مرتبہ رکھتے ہیں، ان کا قول اس کے مقتضاء کے موافق منقول ہے، کہ ایسا آدمی کذب بیانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، یا لوگوں کی تہمت سے نہیں بچ سکتا، اور نہ ایسا شخص قابل تقلید واتباع، اور مقتدیٰ بن سکتا ہے جو ہر سنی ہوئی بات کو تنقیح و تصدیق کئے بغیر نقل کرے، لہذا یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود بالاتفاق متصل کے حکم میں ہے۔

تراجم رجال:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: دوسرے خلیفۂ راشد، اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں، روایت حدیث کے بارے میں انتہائی تثبت اور غایت احتیاط کے قائل تھے، اشراف قریش میں سے تھے، زمانۂ جاہلیت میں سفارت کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد تھیں، ۲۳ھ میں شہید کئے گئے اور جوار رسول میں مدفون ہوئے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ابوعبدالرحمن الہذلی، قدیم الاسلام، سابقین اولین میں سے ہیں، صاحب النعل، صاحب السواک، صاحب الوسادہ کے القاب سے معروف ہیں، فقہاء صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُقَدَّمٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ سَأَلَنِي إِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ إِنِّي أَرَاكَ قَدْ كَلِفْتَ بِعِلْمِ الْقُرْآنِ فَاقْرَأْ عَلَيَّ سُورَةً وَفَسِّرْ حَتَّى أَنْظُرَ فِيمَا عَلِمْتَ. قَالَ فَفَعَلْتُ. فَقَالَ لِيَ احْفَظْ عَلَيَّ مَا أَقُولُ لَكَ إِيَّاكَ وَالشَّنَاعَةَ فِي الْحَدِيثِ فَإِنَّهُ قَلَّمَا حَمَلَهَا أَحَدٌ إِلاَّ ذَلَّ فِي نَفْسِهِ وَكُذِّبَ فِي حَدِيثِهِ.

وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالاَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لاَ تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلاَّ كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً.

ترجمہ:

۱- سفیان بن حسین نے کہا کہ ایاس بن معاویہ نے مجھ سے دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ علم تفسیر کے دلدادہ ہو، تو میرے سامنے کوئی سورت پڑھو اور اس کی تفسیر کرو، تاکہ میں تمھارا علم دیکھوں، یہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی، تو انھوں نے مجھ سے کہا: جو میں کہتا ہوں اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھو، حدیث بیان کرنے میں اپنے کو قباحت سے بچائے رکھنا، کیونکہ کسی نے بھی حدیث کے بارے میں قباحت کا ارتکاب نہیں کیا مگر وہ اپنے آپ میں ذلیل ہوا اور اپنی بات میں جھٹلایا گیا۔

۲- اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نہیں بیان کروگے لوگوں سے کوئی ایسی بات (حدیث) جس تک ان کی عقلیں نہ پہونچیں، مگر ان کے بعض کے لئے وہ فتنہ کا باعث ہوگی۔

حل لغات:

[کلفت بعلم القرآن]: تم علم قرآن (تفسیر) کے شوقین ہو، کلف الشئ و بہ (س) دلدادہ ہونا، شوقین ہونا۔

[احفظ عليّ]: میری بات کا خیال رکھنا، حفظ عليه بمعنی رقب، خیال رکھنا، نگرانی کرنا۔

[الشناعة]: قباحت، بھونڈا پن، (ک) خراب ہونا، قبیح ہونا۔

[قلما حملها أحد]: بہت کم کسی نے اس کو اٹھایا، یعنی ارتکاب کیا۔

[لاتبلغه عقولهم]: ان کی عقلیں اس تک نہ پہونچیں (ان کے معیار سے اوپر کی بات ہو)۔

تشریح:

ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ نے سفیان بن حسین کو نصیحت کیا۔ "اياک والشناعته في الحديث" حدیث میں قباحت سے پرہیز کرنا، احتیاط کرنا، حدیث میں قباحت کی ایک صورت تو وہی ہے کہ بلا تحقیق ہر سنی ہوئی بات نقل کی جائے، اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ مخاطب کی سمجھ سے بالاتر بات کی جائے، دونوں صورتوں میں جھٹلائے جانے کا امکان ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقولہ غالباً اسی کی تفسیر اور وضاحت کیلئے اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے "ماانت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقو لهم الا كان لبعضهم فتنة" اسلئے ہر شخص سے ہر بات بیان نہیں کی جائی گی، اور اسی طرح ہر حدیث سب کے سامنے بیان نہیں کی جائے گی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "حدثو الناس بما يفهمون اويعرفون ،أتحبون أن يكذب االله ورسوله"، [لوگوں سے وہی حدیث بیان کرو جس کو لوگ سمجھیں، یا ان کے درمیان معروف ہو، کیا تم پسند کروگے کہ اللہ اور رسول کو جھٹلایا جائے]، اس کی شرح میں کہا گیا ہے: "أی اذا سمعوا ما لم تحط به عقولهم فانهم يبادرون إلى تكذيبه"، [یعنی جب وہ ایسی حدیث سنیں گے جس کا ان کی عقلیں احاطہ نہیں کر پائیں گی، تو اس کی تکذیب میں جلد بازی کریں گے]، (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ ۱/۲۸۴) محدث کے آداب سے یہ بھی ہے "وليجتنب رواية المشكلات مما لا تحمله قلوب العامة" (الموقظہ ص۶۷)، [مشکل احادیث جس کو عام لوگوں کے قلوب نہ جھیل پائیں ان کی روایت سے پرہیز کرے]، "وليجتنب مالا تحمله عقولهم ومالا يفهمونه" [اور ایسی احادیث کی روایت سے پرہیز کرے جس کا تحمل مخاطبین کی عقلیں نہ کر پائیں اور جس کو

وہ لوگ سمجھ نہ پائیں](تقریب النواوی مع تدریب الراوی ۱۳۸/۲)۔

تراجم رجال:

إياس بن معاويه: ایاس بن معاویہ بن قرۃ المزنی ابو واثلہ البصری، ثقہ ہیں، اذکیاء امت سے ہیں، ان کی ذکاوت اور عقلمندی کے بہتیرے قصے مشہور ہیں، کمسنی میں ہی قضا کے عہدہ پر مامور کر دیئے گئے تھے، "قال عبدالله بن شوذب : كانوا يقولون :يو لد فى كل مائة سنة رجل تام العقل، فكا نوا يرون إياس بن معاوية منهم "،[عبد اللہ بن شوذب نے کہا کہ لوگوں کا قول ہے: ہر سو سال پر ایک تام العقل شخص پیدا ہوتا ہے، لوگوں کا خیال ہے کہ ایاس بن معاویہ انھیں میں سے ہیں]ایاس بن معاویہ کہتے ہیں "ما خاصمت أحدا من أهل الأهواء بعقلى كله إلا القدرية، قال قلت : أخبرونى عن الظلم ما هو ؟ قالوا : أخذ ما ليس له فقلت : فإن لله كل شئ، وقال الأصمعى: قال إياس:امتحنت خصال الرجال فوجدت أشرفهاصدق اللسان "،[میں نے اہل بدعت میں سے کسی کے ساتھ مخاصمت میں اپنی کل عقل کا استعمال نہیں کیا سوائے قدریہ کے، میں نے ان سے پوچھا، یہ بتاؤ ظلم کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا جو اپنی ملکیت نہ ہو اس کو لینا (اس میں تصرف کرنا)، تو میں نے کہا، اللہ کی تو ہر چیز ہے، (لہذا اگر کسی کو ایمان سے محروم رکھا تو اپنی ملکیت میں تصرف کیا، یہ ظلم کیسے ہوگا)، اور اصمعی نے ایاس کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے لوگوں کی خصلتوں کو پرکھا تو سب سے زیادہ شرافت والی خصلت صدق لسانی کو پایا]۱۲۲ھ میں وفات پائی(تہذیب التہذیب:۳۹۰/۱)۔

أبوالطاهر: ان کا نام احمد بن عمرو بن عبد اللہ بن عمرو بن سرح ہے، ابن وہب سے انھوں نے کثرت سے روایتیں نقل کی ہیں ثقہ اور صالح ہیں، ۲۵۵ھ میں وفات ہے۔

۲- ہر کس و ناکس کی روایت قبول نہ کی جائے:

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ

اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ:سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ-

وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو شُرَيْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ شَرَاحِيلَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ أَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ« يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لاَ يُضِلُّونَكُمْ وَلاَ يَفْتِنُونَكُمْ ».

ترجمہ:

۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے، جو تم سے ایسی حدیثیں بیان کریں گے، جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباواجداد نے، لہذا اپنے کو ان سے دور رکھنا، اور ان کو اپنے سے دور رکھنا۔

۲ - ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اخیر زمانہ میں کچھ فریبی، جھوٹے لوگ ہوں گے، جو تمھارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباواجداد نے، لہذا ان سے محتاط رہنا، بچتے رہنا تم کو وہ گمراہ نہ کردیں، اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

حل لغات:

[دجالون]: دجال کی جمع ہے، دجل باب نصر سے فریب دینا جھوٹ بولنا، دجال فعّال کے وزن پر مبالغہ ہے بہت زیادہ فریبی، مکار اس کی جمع مکسر دجاجلة آتی ہے۔

[التجيبى]: تجیب، بضم التاء، کندہ کی ایک شاخ کی طرف منسوب ہے، تاء کو فتحہ بھی پڑھا گیا ہے، "بالضم ويفتح، بطن من كندة" غالبًا یہ شاخ تجیب بن کندۃ کی طرف منسوب ہے، اور انھیں میں سے کنانہ بن بشر التجیبی ہے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے، نیز ایک عورت کا نام بھی تجیب ہے جو ثوبان بن سلیم کی لڑکی ہیں،

اور تجوب، تاء کے فتحہ اور واو کے سکون کے ساتھ، حمیر کا ایک قبیلہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم التجوبی، اسی قبیلہ کا تھا، اس میں تاء کا ضمہ صحیح نہیں ہے (القاموس المحیط: ت ج ب: /ج و ب)۔

تشریح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ ﷺ ایک پیشینگوئی کے ذریعہ امت کو متنبہ اور خبر دار فرمارہے ہیں، جو دوسری سند سے اور زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے کہ میری امت کے آخر میں یا اخیر زمانہ میں کچھ فریبی اور جھوٹے ظاہر ہوں گے، جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جنھیں اس سے پہلے نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تم سے پہلے کے لوگوں نے، لہذا ایسے لوگوں سے بچے رہنا، دور رہنا، کیونکہ اگر تم ان کی بیان کردہ روایتوں کو صحیح حدیث سمجھ کر عمل کرنے لگوگے تو گمراہ ہو جاؤگے، اور فتنہ میں مبتلا ہو جاؤگے۔

اس لئے ہر رطب ویابس کو سن کر نقل کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے، اور نہ ہر شخص سے ہر بات نقل کرنا مناسب ہے، اور نہ ہی ہر بات کو سن کر قبول کرلینا اور ان پر عمل کر بیٹھنا ہی دانشمندی ہے۔ بلکہ خاص طور سے احادیث رسول ﷺ کے بارے میں بہت زیادہ بیدار مغزاور محتاط رہنے کی ضرورت ہے، احادیث رسول ﷺ جو امور شریعت سے متعلق ہیں سب کی سب منقول و معروف ہیں، کتب حدیث میں جمع کی جاچکی ہیں، اس لئے کوئی بھی نئی روایت نہ فوراً بلا تحقیق مان لی جائے گی، اور نہ فوراً ہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا، سلف کا معمول تھا کہ معروف ومشہور احادیث کی روایت کرتے تھے، اور غریب ونادر احادیث وروایات سے گریز کرتے تھے، ایوب سختیانیؒ کا مقولہ آگے آئے گا کہ: "انما نفر أو نفرق من تلک الغرائب" ان ہی نادر اور عجیب وغریب باتوں سے تو ہم بھاگتے ہیں یا ڈرتے ہیں۔

تراجم رجال:

أبوشریح: بالتصغیر، یہ عبد الرحمن بن شریح المعافری ہیں، امام احمد، ابن معین اور نسائی رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن سعد نے منکر الحدیث کہا ہے، ابوحاتم کہتے ہیں: "لا أظنه ادرک شراحیل"، میرا گمان نہیں ہے کہ انھوں نے شراحیل کو پایا ہے، (لہذا شراحیل سے ان کی روایت منقطع ہوگی)، جبکہ یہاں مذکور ہے: "حدثنی ابوشریح انه سمع شراحیل بن یزید "، جس میں سماع کی صراحت ہے، فاللہ اعلم بالصواب۔

وَحَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبَدَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِى صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِى الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلاً أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلاَ أَدْرِى مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ.

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ إِنَّ فِى الْبَحْرِ شَيَاطِينَ مَسْجُونَةً أَوْثَقَهَا سُلَيْمَانُ يُوشِكُ أَنْ تَخْرُجَ فَتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ قُرْآنًا.

ترجمہ:

۱- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کی صورت میں ظاہر ہو گا، لوگوں کے پاس آئے گا، ان سے جھوٹی حدیثیں بیان کرے گا، پھر لوگ منتشر ہو جائیں گے، اور انھیں میں سے ایک آدمی کہے گا، کہ میں نے ایک شخص کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، جس کا چہرہ تو میں پہچانتا ہوں، اس کا نام نہیں جانتا۔

۲- اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سمندر میں کچھ مقید شیاطین ہیں، جنھیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے باندھ رکھا ہے قریب ہے کہ وہ نکلیں اور لوگوں کے سامنے کچھ قرآن پڑھیں۔

حل لغات:

لَیتمثل فی صورة الرجل: أی یظهر فی صورة الرجل، آدمی کی صورت میں آئے گا ظاہر ہو گا،

مسجونة: یعنی مقید و محبوس ہیں، باب نصر سے اسم مفعول ہے شیاطین کی صفت واقع ہے،

أوثقها : من الوثاق، ان کو باندھ رکھا ہے، باب افعال سے،

یوشک: افعال مقاربہ سے ہے، ماضی، مضارع دونوں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح:

جس طرح سے دین اور احادیث رسول ﷺ کے تعلق سے نادر، انوکھی، اور نایاب باتوں کو فوراً قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ ان کے بیان کرنے والے علماء و مشائخ کے لباس میں ہی کیوں نہ ہوں، اسی طرح حدیث یا دین کی بات ہر اس شخص سے نہیں لی جائے گی، جو بظاہر شناسا معلوم ہو، اور اسکے حالات و کوائف سے کوئی واقفیت

نہ ہو، کیونکہ دجال اور فریبی لوگ، جن وانس دونوں میں سے علماء کے لباس میں ظاہر ہوں گے، اور لوگوں پر ان کے دین کو مشتبہ، اور بے اعتبار کرنے کیلئے حدیث و قرآن کے نام پر بے بنیاد باتیں بیان کریں گے۔

فتقرأعلی الناس قرآنا :اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ شیاطین قرآن کریم کی آیتیں ہی پڑھیں گے، جس کے سبب لوگ انھیں عالم سمجھ کر دھوکہ کھا جائیں گے، اور پھر ان کی دوسری گمراہ کن باتوں کو بھی صحیح سمجھیں گے۔ اور اس پر عمل کریں گے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے قرآن کریم پڑھ کر ان کی منمانی اور من گھڑت تفسیر بیان کرکے لوگوں کو دھوکہ دیں گے، اور قرآنی آیات کی تفسیر وبیان میں جو احادیث نبویہ منقول ہیں اور جن پر سلف کا معمول رہا ہے انھیں ظنی بتا کر غیر معتبر قرار دیں، اور بہت سارے احکام جن کا ذکر احادیث نبویہ میں ملتا ہے ان کا انکار کریں، جیسے رجم وغیرہ کے احکام، جو صحیح سندوں سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی مذکور ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے قرآن کے نام اور طرز پر غیر قرآن کو پیش کرکے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

چنانچہ اسلام دشمن تحریکیں اور تنظیمیں ایسے لوگوں کو تیار کرتی رہی ہیں جو اسلامی علوم میں مہارت اور جانکاری حاصل کرکے علماء کی شکل میں لوگوں کے درمیان جائیں، اور دینی معلومات، اور دینی باتوں کے ذریعہ ہی مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کردیں، اور اپنی باطل اصطلاح "اعتدال پسند اسلام" کا قائل کریں۔

تراجم رجال:

مسیَّب بن رافع: یاء پر فتحہ کے ساتھ، کسرہ درست نہیں، سوائے تابعی کبیر سعید کے والد مسیب کے اس میں فتحہ اور کسرہ دونوں درست ہے، اور عامر بن عبدۃ میں باء پر فتحہ اور سکون دونوں پڑھا گیا ہے، اس سند کے تمام راوی کوفی ہیں، اور اس میں تین تابعی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں، اعمش روایت کرتے ہیں مسیب سے اور مسیب، عامر بن عبدہ سے،

عبداالله بن عمرو رضی اللہ عنہ: غزیر العلم اور کثیر الروایۃ صحابی ہیں، اپنے والد سے پہلے اسلام لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث کو لکھتے تھے، اور اس صحیفہ کا نام "الصادقۃ" رکھا تھا، سریانی زبان سے بھی واقف

تھے (دراسات فی الحدیث النبوی ص ۱۲۳)، ان کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی، ۶۵، ۶۸، ۷۳ اور ۷۷ھ کے بھی اقوال ہیں۔

صحابہ کرام اور روایت حدیث میں احتیاط (نہ کثرت روایت کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی بلا تحقیق روایت کرتے تھے):

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الأَشْعَثِيُّ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ – قَالَ سَعِيدٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ – عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ هَذَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ – يَعْنِي بُشَيْرَ بْنَ كَعْبٍ – فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا. فَعَادَ لَهُ ثُمَّ حَدَّثَهُ فَقَالَ لَهُ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا. فَعَادَ لَهُ فَقَالَ لَهُ مَا أَدْرِي أَعَرَفْتَ حَدِيثِي كُلَّهُ وَأَنْكَرْتَ هَذَا أَمْ أَنْكَرْتَ حَدِيثِي كُلَّهُ وَعَرَفْتَ هَذَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ تَرَكْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ.

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِيثَ وَالْحَدِيثُ يُحْفَظُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَمَّا إِذْ رَكِبْتُمْ كُلَّ صَعْبٍ وَذَلُولٍ فَهَيْهَاتَ.

وَحَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْغَيْلاَنِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ – يَعْنِي الْعَقَدِيَّ – حَدَّثَنَا رَبَاحٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ جَاءَ بُشَيْرٌ الْعَدَوِيُّ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَعَلَ يُحَدِّثُ وَيَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لاَ يَأْذَنُ لِحَدِيثِهِ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا لِي لاَ أَرَاكَ تَسْمَعُ لِحَدِيثِي أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلاَ تَسْمَعُ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا كُنَّا مَرَّةً إِذَا سَمِعْنَا رَجُلاً يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا وَأَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلاَّ مَا نَعْرِفُ.

ترجمہ:

۱- طاؤسؒ سے مروی ہے کہ یہ یعنی بشیر بن کعب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے سامنے حدیث بیان کرنے لگے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ فلاں فلاں حدیث دوبارہ بیان کرو، انھوں نے دوبارہ

بیان کیا، پھر آگے انھوں نے حدیث بیان کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ فلاں فلاں حدیث کا اعادہ کرو تو انھوں نے ان حدیثوں کو دہرایا، پھر انھوں (بشیر بن کعب) نے ان (ابن عباس رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میں نہیں جان سکا کہ آپ نے میری تمام حدیثوں کو پہچانا(معتبر سمجھا)اور ان (دہرائی گئی)حدیثوں کو منکر سمجھا، یا میری تمام حدیثوں کو منکر سمجھا، اور ان حدیثوں کو معروف اور معتبر جانا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے (یا ہم سے بیان کی جاتی تھیں) جبکہ آپ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا، مگر جب لوگ ہر مشکل اور آسان کی سواری کرنے لگے (بے احتیاطی کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے حدیث کی روایت چھوڑ دیا۔

۲- طاؤس رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کے ہم حدیث یاد کرتے تھے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث یاد کی جاتی تھی، مگر جب تم لوگ ہر مشکل اور آسان پر سوار ہونے لگے تو پھر (بے اعتباری کی وجہ سے حدیث کو سننا اور قبول کرنا) دور ہو گیا۔

۳- مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بُشیر عدوی، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: قال رسول ﷺ ، قال رسول ﷺ، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی حدیث پر نہ کان لگایا اور نہ ان کی طرف دیکھا تو انھونے کہا کہ اے ابن عباس! کیا بات ہے کہ میں آپ کو اپنی حدیثیں سنتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں، میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سن نہیں رہے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کبھی ایسے تھے کہ جب کسی آدمی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے سنتے، تو ہماری نگاہیں جلدی سے اٹھ جاتیں اور ہم ساری توجہ ادھر لگا دیتے، پھر جب لوگوں نے بے احتیاطی شروع کر دی تو ہم، لوگوں سے نہیں لیتے مگر وہی حدیثیں جو ہم جانتے ہیں۔

حل لغات:

[قَالَ سَعِيدٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ] اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنے دو اساتذہ سے سنا ہے ان میں سے محمد بن عباد نے اپنے استاذ کی کنیت "ابن عیینہ" کا ذکر کرتے ہوئے "عن" کے صیغہ سے روایت بیان کی، اور دوسرے استاذ سعید نے ان کے نام "سفیان" کا ذکر کرتے ہوئے "اخبرنا" کے صیغہ سے روایت کی،

اس تفصیل سے ایک تو اتصال روایت کی صراحت ہو گئی، دوسرا فائدہ سفیان کی تعیین کا حاصل ہوا۔

[نحدث]: باب تفعیل سے مجہول و معروف دونوں پڑھا گیا ہے۔

[ركب الناس الصعب والذلول]: ضرب المثل ہے، یہ دونوں لفظ اونٹ کی صفات کیلئے ذکر کئے جاتے ہیں۔

[الصعب]: وہ سرکش اونٹ جس پر سواری مشکل ہو، اور "الذ لول" وہ سدھا ہوا اونٹ جس کی سواری آسان ہو، یہاں مراد یہ ہے کہ "سلک الناس کل مسلک مما یحمد ویذم" لوگ محمود و مذموم ہر راستہ پر چل پڑے، معروف غیر معروف، ثقہ غیر ثقہ ہر طرح کے لوگوں کی حدیثیں بیان کرنے لگے، بے احتیاطی کرنے لگے۔

[تركنا الحديث عنه]: ہم نے (علی الاطلاق) حدیث کی روایت سننا اور یاد کرنا چھوڑ دیا، یا ہم نے حدیث کی نشر واشاعت ترک کر دیا، اس ڈر سے کہ جس کو روایت سنائیں وہ امین اور دیانتدار نہ ہو۔ اور اس میں کمی بیشی کر دے۔

[هيهات]: اسم فعل ہے، بعُد فعل ماضی کے معنی میں، کثرت بعد کو بتلانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، اس میں متعدد لغات ہیں، قرآن میں بھی مستعمل ہے، یہاں پر اس کا مفہوم ہے: بعُد الأخذ والحفظ۔

تشریح:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بشیر بن کعب کے ساتھ یہ رویہ جبکہ بشیر ثقہ راوی ہیں، نہ ان کی روایتوں پر انکار کے لئے تھا، اور نہ مرسل روایت کرنے کے سبب، بلکہ اس تثبت اور احتیاط کے طور پر یہ رویہ اپنایا جو حضرت عمر و دیگر اجلۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپناتے تھے، اور جس کی بنا پر اکثار فی الحدیث کو بہتر نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ مذکورہ واقعہ میں سیاق سے اندازہ ہوتا ہے، کہ بشیر بن کعب نے حدیث بیان کرنے میں اکثار اور زیادتی سے کام لیا، "فجعل یحدث ویقول قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ" اور کثرت روایت میں غلطی اور خطا کا امکان ہے گویا کثرت روایت پر نکیر مقصود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وفد کو جسے کوفہ روانہ کیا تھا یہ وصیت بھی کی تھی "اقلوا الروایة عن رسول اللہ ﷺ" "رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے حدیثیں زیادہ بیان مت کرنا، (سنن ابن ماجہ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ) حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو تاکید کر رکھا تھا کہ وہی احادیث بیان کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیان کی جاتی تھیں، (السنۃ قبل التدوین ص

۹۷،۹۸) یا ممکن ہے بشیر بن کعب نے کچھ غیر معروف روایتیں بھی بیان کی ہوں ان پر نکیر مقصود ہو۔

تراجم رجال:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں آپ ﷺ نے ان کیلئے حکمت، فقہ فی الدین، اور تاویل (تفسیر) قرآن کی دعا فرمائی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں ترجمان القرآن کہا، کثرت علم کے سبب بحر، اور حبر الامتہ کے لقب سے جانے جاتے ہیں، ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔

بشیر بن کعب العدوی العامری (مصغراً) تابعی ہیں، ابن مدینی نے معروف، اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔

۳- کسی کی جانب منسوب قول وعمل کی تصدیق کے لئے قائل کے احوال وکوائف کو بھی دیکھا جائے:

حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَمْرٍو الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ أَسْأَلُهُ أَنْ يَكْتُبَ لِي كِتَابًا وَيُخْفِي عَنِّي. فَقَالَ وَلَدٌ نَاصِحٌ أَنَا أَخْتَارُ لَهُ الأُمُورَ اخْتِيَارًا وَأُخْفِي عَنْهُ. قَالَ فَدَعَا بِقَضَاءِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَجَعَلَ يَكْتُبُ مِنْهُ أَشْيَاءَ وَيَمُرُّ بِهِ الشَّيْءُ فَيَقُولُ وَاللَّهِ مَاقَضَى بِهَذَا عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ ضَلَّ.

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ أُتِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِكِتَابٍ فِيهِ قَضَاءُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَمَحَاهُ إِلاَّ قَدْرَ. وَأَشَارَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ بِذِرَاعِهِ.

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ لَمَّا أَحْدَثُوا تِلْكَ الأَشْيَاءَ بَعْدَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَيَّ عِلْمٍ أَفْسَدُوا.

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ لَمْ يَكُنْ يَصْدُقُ عَلَى عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فِي الْحَدِيثِ عَنْهُ إِلاَّ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.

ترجمہ:

۱- ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درخواست کرتے ہوئے ان کو لکھا کہ وہ

میرے لئے ایک کتاب (تحریر) لکھ دیں اور (غیر ضروری باتوں کو یا مشتبہ امور کو) مجھ سے پوشیدہ رکھیں، تو انھوں نے کہا کہ لائق اور خیر خواہ طالب ہے، میں اس کے لئے اچھے طریقہ سے انتخاب کروں گا، اور (کچھ) اس سے مخفی رکھوں گا، پھر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگائے، اور اس سے کچھ فیصلے نقل کرنے لگے، اور کچھ فیصلے نظر سے گزرتے تو فرماتے: بخدا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہے مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو چکے ہوں۔

۲- طاؤسؒ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تحریر لائی گئی جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے لکھے ہوئے تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے مٹا دیا، قلمزد کر دیا، مگر اتنا، اور سفیان بن عیینہ نے اشارہ کر کے بتایا کہ ایک ہاتھ کی مقدار۔

۳- ابو اسحاق سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد وہ باتیں (خرافات) پیدا کر لیں (اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا شروع کر دیا) تو آپ کے تلامذہ میں سے ایک نے کہا: اللہ انھیں ہلاک کرے کتنے بہتر اور مفید علم کو انھوں نے خراب کر دیا (بے اعتبار بنا دیا)۔

۴- مغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث روایت کرنے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ اور شاگرد ہی سچائی سے کام لیتے تھے، یا حضرت علی رضی اللہ سے روایت کی جانے والی ان کی احادیث کی تصدیق عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے کی جاتی تھی۔

حل لغات:

[یخفی عنی]: بالخاء المعجمہ، إخفاء بمعنی پوشیدہ رکھنا، یعنی: یکتم عنی ما ھو غیر معروف ،أوفیه مقال، [یعنی غیر معروف یا متکلم فیہ احادیث یا فتاوی کو مجھ سے مخفی رکھیں، بیان نہ کریں] نیز اس کی روایت بالحاء المھملۃ بھی ہے، احفاء بمعنی جڑ سے اکھاڑنا، کترنا، کاٹنا، یعنی یقطع عنی، اور اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ "یمسک عنی بعض ماعنده ممالاأحتمله ، وان حمل الاحفاء بمعنی المبالغه فتکون عنی بمعنی علیّ ، وقیل هو بمعنی المبالغه فی البر والنصیحة له" (اپنے پاس موجود بعض وہ امور جن کا میں متحمل نہیں ہو سکتا میرے لئے ان کو تحریر کرنے سے باز رہیں، اور اگر احفاء کو مبالغہ کے معنی پر محمول کیا جائے تو "عنی" "علیّ" کے

معنی میں ہو گا اور کہا گیا ہے کہ یہ ان کے لئے نصیحت اور خیر خواہی میں مبالغہ کے معنی میں ہے)۔(مجمع بحار الانوار)، یعنی وہ باتیں جن کا میں متحمل نہ ہو سکوں، وہ نہ لکھیں، یا میری خیر خواہی میں مبالغہ سے کام لیں۔

[إلا أن يكون ضل]: یعنی اگر ان فتاوی اور فیصلوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مان لیا جائے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گمراہ ہونا لازم آئے گا، اور ظاہر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گمراہ نہیں ہوئے بلکہ وہ خلفاء راشدین مہدیین مبشرین بالجنۃ میں سے ہیں، اس لئے یہ فتاوی اور فیصلے ان کے نہیں ہیں، ان کی طرف غلط منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

[إلا قدر]: منصوب بالاستثناء ہے، اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے جس کی طرف سفیان بن عیینہ نے ذراع سے اشارہ کیا ہے، یعنی طاؤس کی بات "الا قدر" پر ختم ہو گئی، اور سفیان بن عیینہ اس مقدار کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بتلا رہے ہیں، کہ بقدر ایک ذراع باقی رکھا بقیہ سب مٹا دیا۔

[أيّ علم افسدوا]: "أيّ" منصوب ہے "افسدوا" کا مفعول واقع ہے، استفہام کی وجہ سے مقدم ہے وجوباً، اور یہاں پر استفہام تعظیم کے لئے ہے، یعنی کتنے عظیم اور نافع علم کو ان لوگوں نے خراب کر دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ روافض اور شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و فتاوی کو من گھڑت باتوں اور دوسروں کے اقوال سے مخلوط کر کے بے اعتبار بنا دیا۔

[لم يكن يصدق]: مجرد میں باب نصر سے معروف بھی پڑھا گیا ہے، یعنی روایت کرنے میں سچائی سے کام نہیں لیتے تھے، اور تفعیل سے مجہول بھی، یعنی تصدیق نہیں کی جاتی تھی مگر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے۔

[قاتلهم الله]: یہ جملہ بطور لعنت استعمال کیا گیا ہے، یعنی اللہ ان کو ہلاک کرے۔

مبہم طریقہ پر کفار و ظالمین یا فعل قبیح کے مرتکبین پر لعنت کرنا جائز ہے، مگر تعیین کے ساتھ کسی فرد یا افراد پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جس کا خاتمہ کفر پر ہونا بالیقین معلوم ہو اس پر تعیین کے ساتھ بھی لعنت کرنا جائز ہے "لعن المؤمن كقتله"۔

تشریح:

ابن ابی ملیکہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درخواست کی کہ ان کے لئے کچھ احادیث و فتاوی تحریری شکل میں منتخب کر دیں، درخواست کے ساتھ اختصار کا بھی مطالبہ کیا، یعنی تکثیر اور غیر معروف روایتوں سے صاف ستھری کتاب ہو، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوی و قضایا کو طلب کیا، اور اس میں سے انتخاب کر کے ان کے لئے نقل کئے، ان کے طریقۂ انتخاب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بھی قول کی تصدیق اور اس کو قبول کرنے کے لئے یا منکر روایتوں سے بچنے کے لئے اس پر بھی نظر رکھی جائے گی کہ وہ قول، قائل کے مناسب حال ہے یا نہیں، ایسا شخص جس کی دیانت، اور دیگر احوال و کوائف حسنہ لوگوں میں معروف و مشہور ہوں، اس کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کر کے بیان کی جائے جو اس کے حالات کے معارض ہو، موافق نہ ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، مذکورہ فیصلے جن کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے محو کر دیا، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ان کی نسبت سے انکار کیا، اگر انھیں صحیح مان لیا جائے، تو یہ بھی ماننا پڑے گا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گمراہ تھے (العیاذ باللہ)، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد ہیں، ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی جاچکی ہے، اس لئے یہ غلط اور گمراہ کن فیصلے ان کے نہیں ہو سکتے۔

اسلام دشمن عناصر تو ظہور اسلام کے وقت سے ہی اسلام کے خلاف سازشیں رچنے میں مصروف تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنہ کھڑا کیا، انھیں شہید کیا پھر اہل بیت کی محبت کی آڑ میں شیعان علی کے گروہ کو وجود دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں حدیثیں وضع کیں، آپ کے حوالہ سے موضوع حدیثوں کی روایت شرع کی، اور آپ کی طرف ایسے اقوال منسوب کئے جو آپ نے کبھی نہ کہے اور نہ بیان کیا، اسی لئے مغیرہ بن مقسم یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے احادیث نقل کرنے میں صرف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی سچائی سے کام لیتے تھے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث وہی معتبر ہوں گی، جن کی روایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد کریں، یا وہ روایتیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کے موافق ہوں۔

تراجم رجال:

[ابن ابی ملیکه]: ان کا نام عبد اللہ بن عبید اللہ ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے طائف

کے قاضی بنائے گئے تھے۔ ثقہ ہیں کثیر صحابہ سے ان کی ملاقات رہی ہے، ۱۱۷ھ میں وفات ہے۔
[طاؤس بن کیسان الیمانی]: کہاجاتا ہے کہ ان کانام ذکوان ہے اور طاؤس لقب ہے، سادات تابعین میں سے ہیں محتاط، ثقہ، اور عبادتگذار لوگوں میں سے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، "انی لأظن طاؤسا من أهل الجنة"، میں طاؤس کو جنتی لوگوں میں خیال کرتا ہوں مستجاب الدعوات تھے، ۱۰۱ یا ۱۰۶ھ میں وفات ہے۔
[ابو اسحاق]: یہ عمرو بن عبد اللہ بن عبید، السبیعی ہیں، تابعی ہیں، ثقہ ہیں، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں علقمہ سے ان کا عدم سماع ثابت ہے، ۱۲۶ھ میں وفات ہے ولادت ۲۹، یا ۳۲ھ کی ہے (تہذیب التہذیب)۔
[مغیرۃ بن مقسم الضبی]: الکوفی، الفقیہ، ثقہ ہیں، انکاشمار فقہاء محدثین میں ہوتا ہے، ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں: "مارأیت أحدا أفقه من مغیرة، فلزمته"، میں نے مغیرہ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا، چنانچہ میں نے ان کو لازم پکڑ لیا، ان کے ساتھ رہنے لگا، ۱۳۶ھ میں وفات ہے، ۱۳۳ھ اور ۱۳۴ھ کے بھی اقوال ہیں۔
[ابن ادریس] یہ عبد اللہ بن ادریس الاودی الکوفی ہیں، انھوں نے اعمش، اسماعیل بن ابو خالد، عاصم بن کلیب اور ابن جریج وغیرہ سے روایت لی ہے، اور ان سے امام مالک نے جو ان کے شیخ بھی ہیں، نیز ابن مبارک، یحیٰ بن آدم، ابن معین، احمد بن حنبل، اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے روایت کی ہے، ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۲ھ میں ہے۔

۴-سند کا استعمال:

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ وَهِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ وَحَدَّثَنَافُضَيْلٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ.

حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الإِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلاَ يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ.

ترجمہ:

۱- محمد بن سیرینؒ نے کہا: یہ علم (حدیث) دین ہے لہذا دیکھ لو کس سے اپنا دین لے رہے ہو۔

۲- محمد بن سیرین سے مروی ہے فرمایا: لوگ سند کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، پھر جب فتنہ پھیل گیا، تو لوگوں نے کہا اپنے آدمیوں (راویوں) کا نام لو، تو دیکھا جاتا کہ اہل سنت سے ہیں تو ان کی حدیثیں قبول کی جاتیں، اور دیکھا جاتا کہ اہل بدعت سے ہیں تو ان کی حدیثیں قبول نہ کی جاتیں۔

تشریح:

امام مسلمؒ کے استاذ، حسن بن ربیع نے یہ روایت، حماد بن زید، فضیل اور مخلد بن حسین، تین اساتذہ سے نقل کیا ہے، ان میں سے حماد بن زید نے اس کو دو اساتذہ ایوب اور ہشام سے نقل کیا ہے، جبکہ فضیل اور مخلد بن حسین نے صرف ہشام سے روایت کیا ہے، اور حماد بن زید کی روایت میں ''عن محمد'' مبہم ہے اس کی وضاحت مخلد بن حسین کی روایت میں ''عن محمد بن سیرین '' سے ہو رہی ہے۔

امام مسلمؒ نے اپنی عادت اختصار کے خلاف ہر سہ طرق کو الگ الگ ذکر کیا، اس کی ایک وجہ یہ ممکن ہے کہ انھوں نے حسن بن ربیع سے اسی تفصیل کے ساتھ سنا ہو، اس لئے تطویل کے باوجود اسی طرح نقل کیا، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حماد بن زید نے یہ حدیث ایوب اور ھشام دو اساتذہ سے نقل کیا ہے، جبکہ فضیل اور مخلد نے اسے محض ہشام سے نقل کیا ہے، اور غالباً ان دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ مخلد بن حسین کے طریق میں ''عن محمد بن سیرین '' کی صراحت ہے، جبکہ ممکن ہے فضیل کے طریق میں بھی حماد کی سند کے مثل محض ''عن محمد '' ہو، اور شاید اسی مماثلت کے سبب حماد کی سند کے بعد فضیل کی سند کا ذکر ہے، اور اس کے بعد مخلد بن حسین کے طریق کا ذکر الگ بیان کیا ہے، واللہ اعلم۔

اہتمام سند کی ابتدا:

حدیث کی نسبت میں کذب سے بچنے کا چوتھا طریقہ سند کا استعمال ہے، سند سے مراد کسی حدیث کے وہ رجال و رواۃ ہیں جن کے توسط سے اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ تک پہونچتی ہے، لہذا حدیث میں کذب بیانی سے بچنے کے لئے یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس حدیث کو کس نے نقل کیا ہے، اور جس نے نقل کیا ہے اس نے

کس سے لیا ہے، اگر سلسلہ متصل ہے اور تمام رواۃ معتبر ہیں تو حدیث صحیح قرار پائے گی، اور اگر ایک بھی راوی غیر معتبر ہے، یا سلسلہ سند میں کہیں بھی انقطاع ہے تو حدیث غیر مقبول ہوگی،

متن میں مذکور روایت میں محمد بن سیرینؒ کے قول:"ان هذاالعلم" سے مراد علم حدیث ہے، جو دین کی اساس ہے، اس لئے اسے قابل اطمینان شخص سے ہی لینا چاہئے، محمد بن سیرینؒ تابعی ہیں، ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ سند کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے، اس لئے کہ ان کے درمیان جھوٹ اور کذب کا رواج نہیں تھا، وہ نفوس قدسیہ جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے اس کی راہ میں جان ومال کی قربانیاں دیں، اقرباء اور رشتہ داروں سے ناطے توڑے، وطن کو خیر باد کہا، زندگی کی تلخیاں برداشت کیں، ان کے بارے میں یہ تصور بھی محال ہے کہ وہ کذب بیانی اور جھوٹ کے ذریعہ اس دین کو خلط ملط کر کے رائیگاں اور بے اعتبار کر دیں گے، جس کو اپنانے کے لئے انھوں نے ساری قربانیاں دیں، ان سے بعید ہے اور ہزار مرتبہ بعید ہے، جبکہ انھوں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ "من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" جو شخص میرے اوپر جھوٹ جان بوجھ کر بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے، ان کو ایک دوسرے پر اطمینان تھا، لہذا وہ جب کسی سے حدیث سنتے تو اس پر کان لگاتے اور اسے قبول کر لیتے تھے، وہ اس سے اس کا مطالبہ نہیں کرتے تھے کہ تم نے کس سے سنا ہے، اور اسی لئے کہا گیا ہے "الصحابة كلهم عدول"، سبھی صحابہ عدل ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ سند بیان کرتے ہی نہیں تھے، فتنہ سے پہلے بھی سند کا استعمال تھا مگر التزام نہیں تھا، سند کے ساتھ بھی حدیث بیان کرتے تھے اور سند کے بغیر بھی، بہت سی احادیث کی روایتیں ملتی ہیں جس کو صحابی، صحابی سے نقل کرتے ہیں اور کبار تابعین، صحابی سے نقل کرتے ہیں، "فلما وقعت الفتنة ، قالوا سموا لنا رجالكم" ہاں جب فتنہ واقع ہو گیا، جس کے بعد مناقب ومثالب میں حدیثیں گھڑی جانے لگیں تب لوگوں نے بیان سند کا التزام کیا، اور کہا کہ اپنے رجال (راویوں) کا نام لو، یعنی سند بیان کرو کہ کس سے سنا ہے۔

یوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہی فتنہ کا دروازہ کھل گیا، اور سب سے پہلا فتنہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی االلہ عنہ کی شہادت کی صورت میں وقوع پذیر ہوا، پھر حضرت علی رضی اللہ کے عہد خلافت

میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا وقوع ہوا، اوراسکے بعد تو فرقہ بندی، اور تحزب کا سلسلہ ہی جاری ہو گیا، ابتدائی طور پر دو متقابل بدعتیں وجود میں آئیں، ایک خوارج کی بدعت جس کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے انھیں کافر کہتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت جس کے لوگ حضرت علی رضی للہ عنہ کی امامت، نبوت بلکہ الوہیت تک کے قائل ہو گئے، مناقب ومثالب میں حدیثیں گھڑی جانے لگیں، اور کذب بیانی کا سلسلہ شروع ہو گیا چنانچہ اس سے تحفظ اور دفاع کے طور پر سند کا التزام کیا جانے لگا اور ایک دوسرے کو اسکی نصیحت اور تاکید کی جانے لگی کہ جب تم سے کوئی حدیث بیان کرے تو اس سے پوچھو کس سے سنا ہے؟ ہشام بن عروۃ کا قول ہے: "اذا حدثک رجل بحدیث فقل عمن هذا؟" تم سے جب کوئی آدمی حدیث بیان کرے تو پوچھو: یہ کس سے مروی ہے (الجرح والتعدیل ا/۳۴)، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ متن میں مذکور فتنہ سے مراد جنگ صفین ہے جس کے نتیجہ میں خوارج کا ظہور ہوا۔

"فینظر إلی أهل السنة فیؤخذ حدیثهم ،وینظر إلی أهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم" جب کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے پوچھا جاتا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنا ہے، بیان کرنے والا یا جس سے اس نے سنا ہو اگر اہل سنت والجماعت میں سے ہوتا تو اس کی روایت قبول کی جاتی، اور اگر اہل بدعت میں سے ہوتا تو اس کی روایت رد کر دی جاتی، قبول نہیں کی جاتی تھی، یہاں پر مطلقا اہل بدعت کی حدیث رد کرنے کا ذکر ہے اس لئے کہ اس دور میں جو بدعت وجود میں آئی یا تو مکفرہ تھی، یا اس کے اندر غلو اور تشدد تھا، کہ ایک دوسرے کے خلاف حدیثیں وضع کرتے تھے، اہل بدعت کی روایتوں کو قبول کرنے کے بارے میں تفصیل ماسبق میں گزر چکی ہے۔

۵-رواۃ حدیث کی تحقیق (حدیث کی صحت وتوثیق کے لئے اس کی سند کے راویوں کا ثقہ ہونا ضروری ہے):

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عِيسَى – وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ – حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى قَالَ لَقِيتُ طَاوُسًا فَقُلْتُ حَدَّثَنِي فُلاَنٌ كَيْتَ وَكَيْتَ. قَالَ إِنْ كَانَ صَاحِبُكَ مَلِيًّا فَخُذْ عَنْهُ.

وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ – يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيَّ –

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ إِنَّ فُلاَنًا حَدَّثَنِي بِكَذَا وَكَذَا. قَالَ إِنْ كَانَ صَاحِبُكَ مَلِيًّا فَخُذْ عَنْهُ.

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا الأَصْمَعِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَدْرَكْتُ بِالْمَدِينَةِ مِائَةً كُلُّهُمْ مَأْمُونٌ. مَا يُؤْخَذُ عَنْهُمُ الْحَدِيثُ يُقَالُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلاَّدٍ الْبَاهِلِيُّ – وَاللَّفْظُ لَهُ – قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ عَنْ مِسْعَرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ يَقُولُ لاَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلاَّ الثِّقَاتُ.

ترجمہ:

۱،۲- سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے ملاقات کیا اور کہا: فلاں نے مجھ سے اس طرح حدیث بیان کیا ہے، تو انھوں نے کہا: اگر تمھارا ساتھی (جس نے بیان کیا ہے) مالدار، بھرا ہوا، یعنی ثقہ ہو تو اس سے لے لو، یعنی قبول کرلو۔

۳- ابوالزناد نے کہا: میں نے مدینہ میں سو (۱۰۰) حضرات کو پایا، جو سب کے سب مامون ہیں، (مگر) ان سے حدیث نہیں لی جاتی، کہا جاتا ہے کہ اس (حدیث) کے اہل سے نہیں ہیں۔

۴- سعد بن ابراہیم کہتے ہیں: صرف ثقہ لوگ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کریں گے۔

حل لغات:

"**حدثنی فلان کیت وکیت**": تاء کے فتحہ وکسرہ کے ساتھ، دونوں لغت ہے، اور مجمع بحار الانوار میں، تاء کے ضمہ کا بھی قول ہے، کسی امر سے کنایہ کیلئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے،، اور مکرر استعمال ہی دیکھنے میں آیا ہے، بولا جاتا ہے: "کان من الأمر کیت وکیت، نسیت آیۃکیت وکیت "، یعنی کذا وکذا ، چنانچہ دوسری سند سے "قلت لطاؤس کذا وکذا " ہی مروی ہے، کیت کی تاء اصل میں ھاء ہے۔ (کذا فی القاموس)۔

"**إن کان صاحبک ملیاً فخذ عنه**": ملی، غنی کے وزن پر اور اسی کے معنی میں ہے، اس کی جمع

'مُلاَّء' ہے، یعنی الأغنیاء المتمولون، وہ مالدار جس پر قرض اور دَین میں اعتماد کیا جاتا ہے، یہاں پر ثقہ اور معتمد کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: ملؤ الرجل، صار ملیاً، ای ثقة (مختار الصحاح) مطلب یہ ہے کہ تمھارا صاحب معاملہ جس نے تم سے حدیث بیان کیا ہے اگر قابل اعتماد اور ثقہ ہے تو اسکی حدیث قبول کر لو۔

تشریح:

حدیث کی سند میں مذکور، رواۃ کو صرف مبتدع اور اہل سنت کی حیثیت سے ہی نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ حدیث میں کذب سے بچنے کے لئے ان کے حفظ و اتقان اور ضبط پر بھی نظر رکھی جائیگی، نیز یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ اس میدان کے آدمی ہیں یا نہیں، علم حدیث ان کا مشغلہ رہا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اگلی روایت میں ابو الزناد کا قول نقل کر رہے ہیں کہ میں نے مدینہ میں سو ایسے لوگوں کو پایا کہ سب کے سب مامون ہیں، ان کی دین داری میں کلام نہیں جا سکتا، پھر بھی ان سے حدیث نہیں لی جاتی، کیونکہ ضبط و اتقان نہ ہونے کی وجہ سے وہ حدیث کی روایت کے اہل نہیں ہیں، یہ ان کا میدان اور مشغلہ نہیں ہے، اس فن سے ان کو لگاؤ نہیں ہے، اسی طرح کی بات امام مالکؒ سے بھی منقول ہے، انکے الفاظ ہیں: "لم یکونوا یعرفون ما یحدثون" [وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ کیا بیان کر رہے ہیں] (تدریب الراوی ۲/۹۳)، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت دین کے لئے حجت اور مستدل نہیں ہو سکتی۔

سفیان بن عیینہ نے سعد بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے: "لا یحدث عن رسول الله ﷺ الا الثقات" [حدیث کی روایت صرف ثقہ لوگ ہی کریں]، یعنی صرف ثقہ لوگوں کی روایتیں ہی قبول کی جائیں گی جو اعتماد کے قابل ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو حدیث کو حفظ کرنے کا، پھر اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام کریں، یا اگر لکھتے ہیں تو کتاب کی حفاظت کریں، اس میں کسی طرح کی کمی بیشی یا رد و بدل نہ ہونے دیں، اس کا مذاکرہ کرتے رہیں، اور ایسا وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس علم سے دلچسپی ہو گی، اس سے لگاؤ ہو گا، اس علم کی اہمیت، اور احادیث رسول ﷺ کی قدر و قیمت ان کے پیش نظر ہو گی۔

تراجم رجال:

[ابو الزناد]: زاء کے کسرہ کے ساتھ انکا نام عبد اللہ بن ذکوان، اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے، ابو الزناد ان کا لقب

ہے جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے ،سفیان ثوری نے انھیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے ، کثیر الحدیث فقیہ ہیں،"قال البخاری رحمہ اللہ:أصح أسانید أبی هریرة أبو الزناد عن الأعرج عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ" ،امام بخاریؒ نے ان کی اس سند کو اصح الاسانید کہاہے، رمضان ۱۳۰ھ میں وفات ہے۔

[سعد بن ابراهيم]:بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، مدینہ کے قاضی تھے ثقہ ہیں، اہل علم کا ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ نے ان سے روایت نہیں کی ہے، حضرت شعبہ رحمہ اللہ جب ان کا ذکر کرتے تو کہتے "حدثنی حبیبی سعد "،۱۲۵یا۱۲۶ھ میں انکی وفات ہے۔

سند کی اہمیت کا سبب:

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُهْزَاذَ – مِنْ أَهْلِ مَرْوَ – قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَانَ بْنَ عُثْمَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْمُبَارَكِ يَقُولُ الإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ وَلَوْلاَ الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ.

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ أَبِي رِزْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ. يَعْنِي الإِسْنَادَ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمَ بْنَ عِيسَى الطَّالَقَانِيَّ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحَدِيثُ الَّذِى جَاءَ « إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّىَ لأَبَوَيْكَ مَعَ صَلاَتِكَ وَتَصُومَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ ». قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَا أَبَا إِسْحَاقَ عَمَّنْ هَذَا قَالَ قُلْتُ لَهُ هَذَا مِنْ حَدِيثِ شِهَابِ بْنِ خِرَاشٍ.فَقَالَ ثِقَةٌ عَمَّنْ قَالَ قُلْتُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ. قَالَ ثِقَةٌ عَمَّنْ قَالَ قُلْتُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. قَالَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ إِنَّ بَيْنَ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ مفَاوِزَ تَنْقَطِعُ فِيهَا أَعْنَاقُ الْمَطِيِّ وَلَكِنْ لَيْسَ فِى الصَّدَقَةِ اخْتِلاَفٌ.

ترجمہ:

۱-عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:سند بیان کرنا دین سے ہے، اگر سند بیان کرنا نہ ہوتا تو جس کا جو جی چاہتا کہہ ڈالتا۔

۲-عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: ہمارے اور قوم کے درمیان پائے ہیں، اور قوائم یعنی پائے سے سند مراد لیتے۔

۳-ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! وہ حدیث جو آئی ہے کہ نیکی کے بعد نیکی سے یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے نماز پڑھو، اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے روزہ رکھو (اس کا کیا حکم ہے)؟ تو عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ اے ابو اسحاق! یہ حدیث کس سے (مروی) ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ان سے کہا: یہ شہاب بن خراش کی حدیث سے ہے، تو انھوں نے کہا کہ ثقہ ہیں، انھوں نے کس سے (سنا)؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے کہا کہ حجاج بن دینار سے، تو فرمایا، ثقہ ہیں، انھوں نے کس سے؟ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تو عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ اے ابو اسحاق، حجاج بن دینار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کئی بیابان ہیں جس میں سواریوں کی گردنیں ٹوٹ جائیں گی، ہلاک ہو جائیں گی، یعنی کئی واسطے ہیں، لیکن صدقہ میں اختلاف نہیں ہے۔

حل لغات:

[**القوم**]: لام عہد کے لئے ہے مراد قوم محدثین ہے جن کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔

[**القوائم**]: قائمة کی جمع ہے، "والقائمة واحدة قوائم الدابة" (القاموس المحیط) جانور کے پیر جن پر وہ کھڑا ہوتا ہے، اور چلتا ہے، اسی طرح حدیث کا مدار سند پر ہے، سند کے ذریعہ ہی حدیث ہم تک پہونچتی ہے۔

[**مفاوز**]: مفازة کی جمع ہے۔ فلاة اور قفر کے معنی میں بے آب و گیاہ چٹیل میدان۔

[أعناق المطی] اعناق، عنق کی جمع ہے بمعنی گردن، اور مطی، مطية کی جمع ہے، تیز رو سواری۔

تشریح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، شریعت اسلامیہ کا مصدر و مرجع ہیں، انھیں کے ذریعہ دین کا علم ہوتا ہے، اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت، سند بیان کرنے پر قائم ہے، اسباب کے تحت احادیث کی حفاظت و بقا، سند کے استعمال سے ہے، اس لئے سند بیان کرنا، اس کا استعمال و اہتمام کرنا بھی دین کا ایک حصہ ہے، اگر سند بیان کرنا نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص، اپنے من مطابق کلام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتا، اس طرح دین خلط ملط ہو جاتا، صحیح اور غلط میں امتیاز نہ ہو پاتا، دین خالص اور محفوظ نہ رہ جاتا۔

صحیح متصل سند، اس امت کی خصوصیت ہے:

صحیح متصل سند، یعنی ایسا سلسلہ رواۃ جس میں ایک راوی دوسرے سے نقل کرتے ہوئے اصل قائل رسول اللہ ﷺ تک اسے پہونچادیتا ہے کہیں سے انقطاع اور خلا نہیں رہ جاتا اور پھر ہر نقل کرنے والا ثقہ اور قابل اعتماد ہوتا ہے اور اس کے سارے احوال و کوائف نام ونسب، تلامذہ وشیوخ، معروف ومشہور ہوتے ہیں، اس طرح کی سند کا اہتمام والتزام صرف اس امت کا اختصاص وامتیاز ہے، محض سند کا بیان واستعمال جس میں نہ اتصال کا لحاظ ہو اور نہ اس کے رجال کے معتبر اور ثقہ ہونے کا خیال، اس طرح کی سند کا استعمال تو زمانہ جاہلیت میں بھی تھا اور یہود ونصاری کے یہاں بھی سندِ محض کا استعمال ملتا ہے اس کے باوجود وہ ان سندوں کے ذریعہ اپنے نبی تک نہیں پہونچ پاتے۔

”قال ابن حزم :نقل ثقه عن ثقة يبلغ به ا لنبى ﷺ مع الاتصال خص الله به المسلمين دون سائرالملل، وأما،مع الإرسال والاعضال فيوجد فى كثير من اليهود ،لاكن لا يقربون فيه من موسى عليه السلام قربَنا من محمد ﷺ، بل يقفون بحيث يكون بينهم وبين موسىٰ عليه السلام أكثر من ثلثين عصراً، وإنما يبلغون إلى شمعون ونحوه، قال وأما النصارىٰ فليس عندهم من صفة هذا ا لنقل إلا تحريم الطلاق فقط، وأما النقل بالطريق المشتملة على كذاب أو مجهول العين فكثير فى نقل اليهود والنصارىٰ“[ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ثقہ (معتبر شخص) کی نقل جو نبی ﷺ تک ثقہ راوی سے اتصال کے ساتھ پہونچے، اس کو دوسرے مذاہب کے سوا مسلمانوں کے ساتھ اللہ نے خاص کیا ہے، اور بہر حال ارسال اور انقطاع کے ساتھ سند تو بہت سے یہود میں پائی جاتی ہے، لیکن وہ لوگ اس میں نہیں قریب ہوتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے، ہمارے قریب ہونے کی طرح محمد ﷺ سے، بلکہ وہ لوگ دم توڑ دیتے ہیں ایسے مقام پر کہ ان کے اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین ابھی تیس (۳۰) سے زیادہ واسطے ہوتے ہیں، اور وہ لوگ صرف شمعون یا ان کے جیسے لوگوں تک ہی پہونچ پاتے ہیں، ابن حزمؒ نے کہا کہ اور بہر حال نصاری، تو ان کے پاس اس جیسی نقل ہے ہی نہیں سوائے حرمت طلاق کے، اور بہر حال ایسی نقل جو کذاب یا مجہول العین شخص پر مشتمل ہو تو یہود ونصاری کے پاس بہت ہیں]“ (تدریب الراوی ۲/ ۱۵۹)، (احمد محمد شاکرؒ نے ابن حزم کا کلام الباعث الحثیث

ص ۱۳۴ میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔) امام ابن حزمؒ کا کلام ان کی کتاب "الفصل فی الملل والأھواء والنحل ۲/ ۶۸" اور اس کے بعد کے صفحات میں بالتفصیل دیکھا جاسکتا ہے۔

لہٰذا صحیح متصل سند کا استعمال والتزام اس امت کی خصوصیت ہے، جس کے ذریعہ اس امت نے اپنے نبی کے اقوال وافعال کو قابل اطمئنان حالت میں محفوظ رکھا ہے، اور کسی بھی فاسق یا بدخواہ کے لئے اپنی طرف سے اس میں کچھ شامل کرنے کی گنجائش نہں رہ گئی، عبد اللہ بن مبارکؒ کے اس قول سے سند کی اہمیت واضح ہورہی ہے، انھیں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ: ہمارے اور قوم کے درمیان پائے ہیں یعنی سندیں ہیں، جن پر چل کر حدیث ہم تک آتی ہے، سند کے متعلق اس جیسے اقوال دیگر ائمہ سے بھی منقول ہیں، ایک مرتبہ سفیان بن عیینہؒ نے امام زہریؒ سے کہا: بغیر سند کے حدیث بیان کیجئے، تو امام زہریؒ نے فرمایا: کیا بغیر زینہ کے چھت پر چڑھ جائیں گے؟ "أترقى السطح بلا سلم؟" سفیان ثوریؒ کا قول ہے: "الإسناد سلاح المؤمن"، سند مومن کا ہتھیار ہے۔ (تدریب الراوی ۲/ ۱۶۰)

مذکورہ حدیث جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کی سند میں مذکور ہے: عن الحجاج بن دینار قال رسول االلهﷺ، اور حجاج بن دینار تبع تابعی ہیں، اسلئے کم از کم ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تابعی اور صحابی کا واسطہ ہونا چاہئے جو یہاں مذکور نہیں، زمانہ کے اس طویل فاصلہ کو عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بے آب وگیاہ میدان سے تعبیر کیا ہے جس میں چلتے چلتے سواریاں ہلاک ہوجائیں، جو سند کے منقطع ہونے سے کنایہ ہے، یعنی سند متصل نہیں ہے، زبردست انقطاع ہے، لہٰذا اس سے احتجاج درست نہیں ہوگا، پھر اس حدیث میں مذکور مسئلہ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "ولکن لیس فی الصدقه اختلاف"، لیکن صدقہ کا ثواب پہونچنے میں اختلاف نہیں ہے، یہ حدیث مصنف ابن ابوشیبہ میں ان الفاظ میں مذکور ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، ثنا ابْنُ رَوَّادٍ، ثنا شَرِيكٌ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِمَا مَعَ صَلَاتِكَ، وَأَنْ تَصُومَ عَنْهُمَا مَعَ صِيَامِكَ، وَأَنْ تَصَدَّقَ عَنْهُمَا مَعَ صَدَقَتِكَ" (۳/ ۵۹ حدیث: ۱۲۰۸۴)۔

مسئلہ وصول ثواب عن الغیر:

مذکورہ حدیث کے بارے میں سوال کیا ہے ابو اسحاق الطالقانی نے کہ یہ حدیث جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے نماز پڑھو، اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے روزہ رکھو، ان کے لئے نماز اور روزہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس کا ثواب پہونچاؤ، نماز اور روزہ اعمال بدنیہ میں سے ہیں کیا ان کا ثواب بھی دوسرے کو پہونچایا جا سکتا ہے؟ اسی کے متعلق عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقہ یعنی عبادات مالیہ کا ثواب پہونچنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، صدقہ کے بارے میں تو احادیث صریحہ موجود ہیں "ان رجلا قال لرسول الله ﷺ إن أمی توفیت أينفعها إن تصدقت عنها قال نعم "میری ماں کی وفات ہو چکی ہے، میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو نفع ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (رواہ البخاری) "إن أبی ترک ما لا ولم یوص، فهل یکفی أن أتصدق عنه، قال نعم "میرے والد نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیت نہیں کی، میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کافی ہو گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (صحیح مسلم) اسی طرح حج کا ثواب بھی دوسرے تک پہونچنے میں اختلاف نہیں ہے احناف وحنابلہ کی طرح مالکیہ اور شوافع کے نزدیک بھی حج کا ثواب دوسرے کو پہونچایا جا سکتا ہے۔

عبادات بدنیہ، نماز، روزہ، قرأت قرآن وغیرہ کے ایصال ثواب میں ائمہ کا اختلاف ہے، احناف وحنابلہ کے یہاں عبادات بدنیہ عن الغیر (یعنی ان کا ثواب غیر کو پہونچانا) جائز ہیں، "الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره، صلاة کان أوصوما أو صدقة أو غیرها کا لحج وقراء ة القرآن وجمیع أنواع البر" [اس باب میں اصل یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کا جواز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو دیدے، نما، روزہ ہو یا صدقہ یا اس کے سوا، جیسے حج، قراءۃ قرآن اور تمام نیکی کے اعمال] (فتاوی عالمگیریہ ۱: ۲۵۷)۔

"وتنازعوا فی وصول الأعمال البدنیة کالصوم والصلاة والقراء ة والصواب أن الجمیع یصل الیه" [اعمال بدنیہ جیسے نماز، روزہ اور قراءۃ قرآن کے ثواب کے پہونچنے میں علماء کا نزاع ہے، اور صحیح یہ ہے کہ سب پہونچتا ہے] (فتاوی ابن تیمیہ۔ ۲۴/ ۳۶۶)

اور فقہاء مالکیہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ جمیع عبادات کا ثواب پہونچتا ہے ، ”وحكى صاحب الحاوى عن عطاء بن أبى رباح وإسحاق بن راهويه أنهما قالا بجواز الصلاة عن الميت،ومال الشيخ ابو سعد عبداالله بن محمد بن هبة االله من أصحابنا فى كتابه إلى الانتصار لاختيار هذا“ [اور صاحب حاوی نے عطابن ابورباح اور اسحاق بن راہویہ سے نقل کیاہے کہ ان دونوں نے میت کی طرف سے نماز کے جواز کا قول کیاہے، اور ہمارے فقہاء میں ابو سعد عبد اللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ اسی کے اختیار کی تائید کی طرف مائل ہیں] (اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم للابی ص ۵۴ مقدمہ)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادات بدنیہ کا ثواب نہیں پہونچتا، ہاں میت کا فرض روزہ، ولی یا ولی کی اجازت سے کوئی غیر رکھ دے تو میت کو ثواب ملے گا، مگر قرأت قرآن کا ثواب پہونچنے میں فقہاء شافعیہ کا میلان بھی جواز اور صحت کی طرف ہے ”والمختار ،الوصول إذا سأل الله إيصال ثواب قراءته و ينبغى الجزم به لأنه دعاء“ [اور قول مختار ، ثواب کا پہونچنا ہے جبکہ سوال کرے اللہ تعالی سے اپنی قرأت کے ثواب کو پہونچانے کا، اور اسپر یقین رکھنا چاہئے، اسلئے کہ یہ ایک دعا ہے۔ (المجموع شرح المھذب: ۱۵ / ۵۲۲)۔

تراجم رجال:

[محمدبن عبداالله بن قهزاذ]: قہزاذ بضم القاف و بمعجمتین بعد الہاء الساکنۃ، قاف کے ضمہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ، کنیت ابو جابر ہے، انھوں نے نضر بن شمیل، عباس بن رزمہ اور عبدان وغیرہ سے روایت کی ہے ثقہ ہیں، امام مسلمؒ نے ان سے گیارہ حدیثیں نقل کی ہیں، محرم ۲۶۲ھ میں وفات ہے (تہذیب التہذیب)۔

[عبدان بن عثمان]: عین کے فتحہ کے ساتھ، ان کا نام عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ، کنیت ابو عبد الرحمن ہے، نام اور کنیت دونوں میں عبد کے وجود کے سبب ان کا لقب عبدان ہے جس سے یہ مشہور ہیں، صاحب خیر، ثقہ محدث ہیں، ۲۲۱ھ میں وفات ہے۔

[عبداالله بن المبارک رحمه االله]: امام زاہد، محدث فقیہ، امیر المومنین فی الحدیث، اور مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مبارک بن واضح الحنظلی المروزی، رحمہ اللہ، انھوں نے

سلیمان التیمی، حمید الطویل یحییٰ بن سعید الانصاری، خالد بن دینار، عاصم الاحول، سلیمان الاعمش، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، شعبہ، اور دیگر کثیر لوگوں سے حدیثیں سنی ہیں، اور ان سے حدیثیں سننے والوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، معمر بن راشد، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ اور دیگر کبار ائمہ و محدثین ہیں، کتب حدیث میں ان کی تصنیف کتاب الزہد والرقاق معروف و مشہور ہے، ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا: ان کے اندر وہ سبھی خصال حمیدہ موجود تھیں، جو ان کے زمانہ میں پوری دنیا کے اہل علم میں سے کسی میں جمع نہیں ہوئیں، اور جب عبد الرحمن بن مہدی سے عبد اللہ بن مبارک اور سفیان ثوری کے بارے میں پوچھا گیا، تو انھوں نے جواب دیا: اگر سفیان اپنی ساری محنت صرف کر دیتے اس کے لئے کہ ایک دن بھی عبد اللہ بن مبارک کے مثل ہو جائیں تو اس پر قادر نہ ہوتے، اسماعیل بن عیاش نے کہا: سطح زمین پر عبد اللہ بن مبارک جیسا کوئی نہیں، اور مجھے نہیں معلوم کہ اللہ نے خصائل حمیدہ سے کوئی خصلت پیدا کی ہے، مگر ان کے اندر اس کو ودیعت نہ رکھا ہو، اور اسود بن سالم نے کہا: جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ عبد اللہ بن مبارک پر کوئی عیب لگاتا ہے تو اس کو مسلمان ہونے میں متہم جانو، اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہا ہے: "والله إني لأحبه في الله و أرجو الخير بحبه لما أمنحه الله من التقوى و العبادة والإخلاص و الجهاد و-----الخ "میں ان سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں، اور ان کی محبت کے وسیلہ سے خیر کی امید رکھتا ہوں، اس سبب سے جو اللہ نے انھیں عنایت فرمایا ہے، یعنی تقوی، عبادت، اخلاص، جہاد، علم کی وسعت اور پختگی، غمخواری، شجاعت، اور دیگر صفات حمیدہ، ان کی وفات ۱۸۱ھ میں اور ولادت ۱۱۸ھ میں ہے، (مزید تفصیلات و معلومات کے لئے تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے) اور بخدا راقم السطور بھی ان سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے اور ان کی محبت میں اللہ عزوجل سے خیر کی امید رکھتا ہے، اور ان کے اعزاز میں ہی میں نے ان کے تذکرہ کو قدرے طویل کر دیا ہے، اللہ ان پر خوب خوب اپنی رحمتیں نازل فرمائیں، نیز اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے انھیں بہتر بدلہ عطا فرمائیں۔

[**العباس بن أبي رزمة**]: "بكسر الراء،واسم أبي رزمه غزوان وفي بعض الأصول العباس بن رزمة،وقال النوويؒ: وكلاهما مشكل،ولم يذكر البخاريؒ في تاريخه وجماعة من أصحاب كتب أسماء الرجال العباس بن رزمة،ولا العباس بن أبي رزمة،وانما ذكروا:عبد العزيز بن أبي

رزمة"،[رِزمہ بکسر الرء، اور ابو رزمہ کا نام غزوان ہے، اور بعض اصول میں عباس بن رزمہ ہے، امام نوویؒ نے کہا کہ عباس بن رزمہ ہو یا عباس بن ابی رزمہ، دونوں ہی مشکل ہے، کیونکہ نہ تو بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور نہ تو اسماء رجال کے مصنفین نے ہی اپنی کتابوں میں عباس بن رزمہ یا عباس بن ابی رزمہ کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ ان لوگوں نے عبد العزیز بن ابی رزمہ کا ذکر کیا ہے۔ اھ،] اور ممکن ہے یہاں پر یہی عبد العزیز بن ابی رزمہ ہی ہوں، کیونکہ ان کے شاگردوں میں محمد بن عبد اللہ بن قہزاذ کا اور اساتذہ میں عبد اللہ بن مبارکؒ کا ذکر آتا ہے، عبد العزیز کی کنیت ابو محمد ہے، عبد اللہ بن مبارکؒ کے خاص لوگوں میں سے ہیں، دار قطنی نے ان کو لیس بالقوی کہا ہے مگر ابن قانع اور ابن سعد وغیرہ نے ثقہ کہا ہے ابن حجر نے بھی تقریب میں ثقة من التاسعة کہا ہے، ان کی ولادت ۱۲۹ اور وفات ۲۰۶ھ میں ہے (تہذیب التہذیب:۵/۱۱۷، نیز ۶/۳۳۶، تاریخ کبیر للبخاری، الجرح والتعدیل، سیر اعلام النبلاء)۔

حدیث کے مقبول ہونے کے لئے اس کے راوی کا عادل ہونا بھی ضروری ہے:

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ شَقِيقٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْمُبَارَكِ يَقُولُ عَلَى رُءُوسِ النَّاسِ دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ.

ترجمہ:

اور علی بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو بر سر عام کہتے سنا کہ عمرو بن ثابت کی حدیث چھوڑ دو، اسلئے کہ وہ سلف کو برا بھلا کہتا تھا۔

حل لغات:

[**على رؤوس الناس**]: یعنی سب کے سامنے، بر سر عام، علی الاعلان۔

[**دعُوا**]: ودع یدع بمعنی ترک یترک سے امر حاضر معروف، چھوڑ دو، ترک کر دو۔

[**يَسُبّ**]: برا کہتا ہے، گالی دیتا ہے باب نصر۔

[**السلف**]: بمعنی المتقدم، پہلے کے لوگ، قاموس میں اس کا معنی بیان کیا ہے: کل من تقدمک من آبائک و

قرابتک ، ج سُلاّف وأسلاف [تمھارے آباواجداد اور رشتہ داروں میں سے جو لوگ پہلے گزر چکے]۔

تشریح:

کذب فی الروایہ سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غیر ثقہ لوگوں سے روایت نہ لی جائے، صحت حدیث کے لئے اتصال سند کے ساتھ راویوں کا ثقہ اور معتبر ہونا لازم ہے، اور اگر رجال سند میں کوئی ایسا عیب موجود ہے جس سے روایت کی صحت متاثر ہوتی ہے تو واقف اور جانکار کے لئے کسی راوی کے اس عیب کو بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ دوسرے لوگ متنبہ ہو جائیں، عیب خواہ عدل و دینداری کی قبیل سے ہو یا ضبط و اتقان کی جہت سے، راوی کے عیب کو ظاہر کرنا یا اس کے اندر موجود عیب کی بنیاد پر غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد ہونے کا حکم لگانا ''جرح'' کہلاتا ہے، یہاں عبداللہ بن مبارکؒ نے عمرو بن ثابت کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اسے ترک کر دیا جائے، اس کی حدیثیں بیان نہ کی جائیں، اور اس کے ساتھ ہی ترک کرنے کی وجہ بھی بیان کی، اس قسم کی جرح، ''جرحِ مفسر'' کہلاتی ہے، سبب یہ بتلایا کہ وہ سلف کو برا بھلا کہتا ہے، معلوم ہوا کہ ائمہ محدثین کے نزدیک سلف کے بارے میں بدزبانی فسق کا سبب ہے، اس سے آدمی متہم، مجروح اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے، کیونکہ کسی کو برا کہنا اگر اس سے عداوت کی بنیاد پر ہو تو عداوت آدمی کو راہ اعتدال سے ہٹا دیتی ہے صحابہ یا سلف صالحین سے عداوت بھی تہمت کا سبب ہے، حدیث میں بھی اس بات کو علامتِ قیامت بتایا گیا ہے کہ اس امت کے بعد کے لوگ پہلے کے لوگوں پر طعن و تشنیع کریں (ترمذی کتاب الفتن حدیث نمبر ۲۲۱۰)۔

تراجم رجال:

[**عمرو بن ثابت**]: بن ہرمز ابو ثابت الکوفی، یہ عمرو بن ابو المقدام حداد سے بھی معروف ہے، ابو اسحاق سبیعی اور اعمش وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابو داؤد طیالسی اور سعید بن منصور وغیرہ نے روایت کی ہیں، ابو داؤد نے اس کو ''رافضی خبیث'' [خبیث رافضی] اور ''رجل سوء'' [برا آدمی] سے تعبیر کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا ''کان یشتم عثما ن رضی اللہ عنہ''، ''کان ینال من عثمان رضی اللہ عنہ'' (تہذیب التہذیب: ۹/۸) غالی درجہ کا خبیث رافضی شیعہ تھا، ۱۷۲ھ میں وفات ہے عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی سب نے اس

کی حدیثوں کو ترک کیا ہے۔

ثقہ رواۃ سے ہی حدیث لینی چاہئے:

وَحَدَّثَنِی أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ صَاحِبُ بُهَيَّةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ الْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فَقَالَ يَحْيَى لِلْقَاسِمِ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّهُ قَبِيحٌ عَلَى مِثْلِكَ عَظِيمٌ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ هَذَا الدِّينِ فَلاَ يُوجَدَ عِنْدَكَ مِنْهُ عِلْمٌ وَلاَ فَرَجٌ – أَوْ عِلْمٌ وَلاَ مَخْرَجٌ – فَقَالَ لَهُ الْقَاسِمُ وَعَمَّ ذَاكَ قَالَ لأَنَّكَ ابْنُ إِمَامَيْ هُدًى ابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ. قَالَ يَقُولُ لَهُ الْقَاسِمُ أَقْبَحُ مِنْ ذَاكَ عِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللَّهِ أَنْ أَقُولَ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَوْ آخُذَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ. قَالَ فَسَكَتَ فَمَا أَجَابَهُ.

وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ أَخْبَرُونِي عَنْ أَبِي عَقِيلٍ صَاحِبِ بُهَيَّةَ أَنَّ أَبْنَاءً(إبناً) لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ سَأَلُوهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ فِيهِ عِلْمٌ فَقَالَ لَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَاللَّهِ إِنِّي لأُعْظِمُ أَنْ يَكُونَ مِثْلُكَ وَأَنْتَ ابْنُ إِمَامَيِ الْهُدَى – يَعْنِي عُمَرَ وَابْنَ عُمَرَ – تُسْأَلُ عَنْ أَمْرٍ لَيْسَ عِنْدَكَ فِيهِ عِلْمٌ. فَقَالَ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ وَاللَّهِ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللَّهِ أَنْ أَقُولَ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَوْ أُخْبِرَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ. قَالَ وَشَهِدَهُمَا أَبُو عَقِيلٍ يَحْيَى بْنُ الْمُتَوَكِّلِ حِينَ قَالاَ ذَلِكَ.

ترجمہ:

۱۔　ابو عقیل صاحب بُہیّہ نے کہا کہ میں قاسم بن عبید اللہ اور یحیٰ بن سعید کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو یحیٰ نے قاسم سے کہا کہ ابو محمد! آپ جیسے شخص کیلئے عیب کی بات ہے، بڑی بات ہے کہ اس دین کے کسی امر کے بارے میں آپ سے پوچھا جائے اور آپ کے پاس اس کا حل اور علم نہ ہو، تو قاسم نے ان سے کہا: وہ کس وجہ سے؟ تو یحیٰ نے کہا اس لئے کہ آپ ہدایت کے دو امام کے بیٹے ہیں، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں، ابو عقیل نے کہا، قاسم ان سے (جواب میں) کہتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ برا اس کے نزدیک جسے اللہ سے سمجھ ملی ہے، یہ ہے کہ میں بغیر علم کے کچھ کہوں یا غیر ثقہ، غیر معتبر شخص سے (حدیث) لوں، ابو عقیل نے کہا تب یحیٰ خاموش ہو گئے، اور ان کو کوئی

جواب نہیں دیا۔

۲۔　　سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے ابو عقیل صاحب بُہَیّہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ عبد اللہ بن عمر رضی للہ عنہما کے ایک لڑکے، لوگوں نے ان سے کچھ پوچھا جس کے بارے میں ان کے پاس علم نہیں تھا، تو یحییٰ بن سعید نے ان سے کہا، بخدا مجھے گراں معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسا شخص ہو حال یہ کہ آپ ہدایت کے دو اماموں کے بیٹے ہیں، یعنی عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے، آپ سے ایک بات پوچھی جاتی ہے، جس کا علم آپ کو نہیں ہے، تو انھوں نے کہا: بخدا، اس سے زیادہ بڑی بات اللہ کے نزدیک اور اس کے نزدیک جسے اللہ سے سمجھ ملی ہے، یہ ہے کہ میں بغیر علم کے کچھ کہوں یا غیر ثقہ سے روایت لوں سفیان نے کہا کہ جس وقت ان دونوں نے یہ کہا، ابو عقیل یحییٰ بن المتوکل ان دونوں کے پاس موجود تھے۔

حل لغات:

[أَنَّ أَبْنَاءَ]: بعض عربی مطابع کی طباعت میں ایسے ہی ابن کی جمع "ابناءَ" مذکور ہے، جو غلط ہے، کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کچھ بیٹوں نے ان سے دریافت کیا، جو پہلی روایت اور خود اس روایت کے سیاق سے موافقت نہیں رکھتا، اور ہندوستانی طباعت میں "اَن اِبنا" ہے، اور اسی کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والی روایت میں مذکور " الْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ "سے تائید ہوتی ہے، جن سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا ہے، اور اس لئے کہ یحییٰ بن سعید اور یحییٰ بن متوکل جو سوال کئے جانے کے وقت موجود تھے ان کی ملاقات عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں ہے۔

[شهدهما]: أی حضرهما، باب سمع سے بمعنی حاضر ہونا، یعنی وہاں موجود تھے۔ اسی سے شاہد بمعنی گواہ اور شہید بھی ہے اس لئے کہ شہادت وہی دے گا جو موقع پر حاضر ہو۔

تشریح:

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یحیی بن سعید انصاری، اور ابو محمد قاسم بن عبید اللہ ایک ساتھ کسی مجلس میں تھے، جس میں یحیی بن المتوکل ابو عقیل صاحب بُہَیّہ بھی تھے، قاسم بن عبید اللہ سے کسی حدیث یا فقہی مسئلہ کے

متعلق دریافت کیا گیا، جس میں انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو یحی بن سعید نے ان سے کہا کہ آپ ہدایت کے دو امام ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، یا ابن عمر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں، بری بات ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے، اور آپ کے پاس اس کا علم اور جواب نہ ہو، تو قاسم بن عبید اللہ نے کہا کہ اللہ کے نزدیک، اور عقل و سمجھ والوں کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بری بات یہ ہے کہ میں بغیر علم اور جانکاری کے کوئی بات کہوں، یا غیر ثقہ، نا قابل اعتبار شخص سے حدیث یا علم لوں۔

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ غیر ثقہ شخص سے روایت لینا، ارباب عقل و دانش کے نزدیک معیوب اور قبیح عمل ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بغیر علم اور جانکاری کے کوئی مسئلہ یا حدیث بیان نہیں کرنی چاہئے، بلکہ کوئی بات بھی بغیر جانکاری کے نہیں کہنی چاہئے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی مسئلہ یا حدیث کا علم نہ ہونے کی صورت میں لاعلمی کا اظہار عیب نہیں بلکہ مستحسن امر ہے، دیانت کا تقاضا یہی ہے، اور اس سے آدمی کا اعتماد زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی شخص کو خواہ کتناہی بڑا عالم ہو، ہر مسئلہ یا حدیث کا علم ہونا ضروری نہیں، فوق کل ذی علم علیم۔

تراجم رجال:

[ابو عقیل صاحب بُهَيَّة]: عین کے فتحہ کے ساتھ، اور بہیہ مصغر ہے، ان کا نام یحیٰی بن المتوکل ہے، نابینا تھے، غالباً یہ قاسم بن عبید اللہ کے مولی (آزاد کردہ) ہیں، اور صاحب بہیہ ان کا لقب ہے، بہیہ ایک تابعیہ عورت ہیں جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، اور بہیہ سے روایت کرنے والے تنہا ابو عقیل ہیں، کوئی دوسرا ان سے روایت کرنے والا نہیں ہے، اسی لئے ان کو صاحب بُہیہ کہا جاتا ہے، انھوں نے یحیٰی بن سعید اور قاسم بن عبید اللہ سے اور ان سے ابو نعیم اور یحیٰی بن آدم وغیرہ نے روایت کی ہے، ضعیف راوی ہیں، بلکہ منکر الحدیث کہے گئے ہیں، "وقال بن عبدالبر هو عند جميعهم ضعيف" (تہذیب التہذیب، کتاب الاسماء والکنی للامام مسلم وغیرہ)،
پھر بھی امام مسلمؒ نے ان کی روایت کو نقل کیا ہے، کیونکہ مقدمہ میں ان شروط کی رعایت نہیں کی گئی ہے جو اصل کتاب صحیح مسلم میں ملحوظ ہیں، یحیی بن المتوکل العمری وفات ۱۶۷ھ میں ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسری سند میں سفیان بن عیینہ کہتے ہیں "أخبرونی عن أبی عقیل"، لوگوں نے مجھے ابو عقیل کے واسطہ سے خبر دی، کن لوگوں نے سفیان کو خبر دیا ان کا ذکر نہیں، مجہول ہیں، اور مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے، لہذا یہاں بھی وہی جواب ہو گا کہ امام مسلمؒ نے مقدمہ میں ان شروط کا لحاظ نہیں کیا ہے، جو صحیح مسلم میں ملحوظ ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام مسلمؒ نے بطور اصل ذکر نہیں کی ہے بلکہ تائید اور استشہاد کے طور پر ذکر کی ہے، اصل مسئلہ کہ "روایات حدیث" ثقہ شخص سے ہی لی جائیں گی اس کی دلیل پہلے بیان کر چکے ہیں، امام نوویؒ کا یہ قول کہ ابو عقیل پر جرح مفسر امام مسلمؒ کے نزدیک ثابت نہیں (شرح نووی)، اس لئے ان کی روایت کو ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ کسی نے بھی ابو عقیل کی توثیق نہیں کی ہے،

[قاسم بن عبيد الله]: بن عبدؓ اللہ بن عمرؓ بن الخطاب، ان کی کنیت ابو محمد ہے، اور یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں، اسی لئے دوسری روایت میں "إمامَی الهدى" کی وضاحت "یعنی عمر وابن عمر" سے کرنا بھی صحیح ہے، اور ان کی والدہ ام عبد اللہ بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر ہیں، اس لئے پہلی روایت میں "إمامَی الهدى" کی تشریح "أبو بكر و عمر" سے کرنا بھی درست ہے، قلیل الروایہ ہیں، مروان بن محمد کے دور امارت میں ان کی وفات ہے۔

[يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ]: بن قیس بن عمرو انصاری قبیلہ نجار سے ہیں، ابن المدینیؒ کا قول ہے: مجھے انس رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے صحابی سے ان کا سماع معلوم نہیں، ثقہ ہیں، ۱۴۴ یا ۱۴۶ھ میں ان کی وفات ہے۔

رواۃ حدیث پر جرح کرنا (حدیث رسول کو کذب سے بچانے کے لئے غیر ثقہ رواۃ کے بارے میں آگاہ کرنا):

وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ أَبُو حَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ سَأَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ وَشُعْبَةَ وَمَالِكًا وَابْنَ عُيَيْنَةَ عَنِ الرَّجُلِ لاَ يَكُونُ ثَبْتًا فِي الْحَدِيثِ فَيَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيَسْأَلُنِي عَنْهُ. قَالُوا أَخْبِرْ عَنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ

ترجمہ:

اور ہم سے عمرو بن علی ابو حفص نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو سنا انھوں نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، مالک، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے ایسے آدمی کے بارے میں دریافت کیا جو حدیث میں ثبت (معتبر) نہیں ہوتا ہے، کوئی شخص آئے اور مجھ سے اس کے بارے میں پوچھے تو (میں کیا کہوں)؟ ان سب نے کہا کہ اس شخص کے بارے میں آگاہ کرو کہ وہ ثبت اور معتبر نہیں ہے۔

حل لغات:

"الثبت":بفتح الثاء وسكون الباء، المتثبت في أموره، ورجل ثَبَت،بفتحتين أيضاً،إذا كان عدلا ضابطا،والجمع أثبات، مثل سبب و أسباب (المصباح المنير)، وقال السخاوي : الثبت :بسكون الموحدة ، الثابت القلب واللسان والكتاب، والحجة وأما بالفتح ،ثَبَت، فما يثبت فيه المحدث مسموعه مع أسماء المشاركين له فيه لأنه كالحجة عند الشخص لسماعه و سماع غيره[ثبت باء کے سکون کے ساتھ اپنے امور میں ثابت قدم رہنے والا، اور باء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے جبکہ وہ عدل ہو، محتاط، محفوظ رکھنے والا ہو، اور جمع اثبات آتی ہے جیسے سبب کی جمع اسباب، اور امام سخاوی نے کہا ہے کہ ثبت باء کے سکون کے ساتھ، قلب وزبان اور کتاب کو ثابت محفوظ رکھنے والا، اور قابل حجت، اور باء کے فتحہ کے ساتھ، تو وہ کتاب یا کاپی جس میں محدث اپنی سنی ہوئی احادیث کو اس حدیث کی سماعت میں اپنے شرکاء کے ناموں کے ساتھ لکھتا ہے، محفوظ رکھتا ہے، کیونکہ وہ کاپی اس شخص کے نزدیک اپنی اور اپنے غیر کی مسموعات کے لئے حجت ہوتی ہے،]،(فتح المغیث:۱/ ۳۶۴)، یہاں باء کے سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح:

یحییٰ بن سعید القطان نے سفیان ثوری، شعبہ، مالک اور ابن عیینہ رحمہم اللہ سے دریافت کیا کہ ایسا شخص جو حدیث کی روایت کرنے میں اطمینان بخش نہ ہو، اور اس کے متعلق کوئی مجھ سے دریافت کرے تو کیا کروں؟ اس لئے کہ کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ قابل اعتبار نہیں، غیبت ہے، اور اگر نہ کہا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث

محفوظ نہیں رہتی، تو ان چاروں ائمہ نے یہی جواب (فتوی) دیا کہ ایسے آدمی کے بارے میں لوگوں کو بتلایئے کہ وہ ثبت اور ثقہ نہیں ہے، اس لئے کہ راویٔ حدیث کے نقص وعیب کو ظاہر کرنے میں دین کی حفاظت اور پوری امت کی خیر خواہی ہے، اس کے ذریعہ احادیث رسول، کذب کی دخل اندازی سے محفوظ رہیں گی، لہذا انفرادی ضرر کی بنسبت اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی۔

رواۃ پر جرح کی کچھ مثالیں:

شہر بن حوشب:

١ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ يَقُولُ سُئِلَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ حَدِيثٍ لِشَهْرٍ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى أُسْكُفَّةِ الْبَابِ فَقَالَ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوهُ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوهُ. قَالَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ أَخَذَتْهُ أَلْسِنَةُ النَّاسِ تَكَلَّمُوا فِيهِ.

٢ - وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ قَالَ شُعْبَةُ وَقَدْ لَقِيتُ شَهْرًا فَلَمْ أَعْتَدَّ بِهِ

ترجمہ:

۱- اور ہم سے عبید اللہ بن سعید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے نضر کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن عون سے شہر بن حوشب کی ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا درانحالیکہ وہ (ابن عون) دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے تھے، تو انھوں نے کہا کہ: شہر کو لوگوں نے چھوٹا نیزہ مارا ہے، شہر کو لوگوں نے چھوٹا نیزہ مارا ہے، امام مسلمؒ نے کہا کہ وہ یہ فرمار ہے ہیں کہ لوگوں کی زبانوں نے ان کی گرفت کی ہے، یعنی ان پر کچھ کلام کیا ہے۔

۲- اور حجاج بن شاعر نے مجھ سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ شبابہ نے مجھ سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ شعبہ نے یہ فرمایا کہ میں شہر سے مل چکا ہوں، میں نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔

حل لغات:

"أسكفة الباب": بضم الهمزة والكاف وتشديد الفاء، بمعنی چوکھٹ، دہلیز

"نزکوه": بالنون والزاء المفتوحتین، لوگوں نے ان کو چھوٹا نیزہ مارا ہے، نیزک بفتح النون والزاء: چھوٹا نیزہ، فارسی لفظ ہے مصغر ہے، نیز "نزک" کا معنی عیب لگانا، ناحق تنقیص کرنا "نزک فلانا: أساء القول فيه ورماه بغير حق" (القاموس المحیط)۔

قاضی عیاض کا بیان ہے کہ صحیح مسلم کے کچھ رواۃ نے اسے "ترکوه" بالتاء المثناۃ کی روایت کی ہے، چنانچہ سنن ترمذی میں ابوداؤد المصاحفی البلخی کی روایت میں بھی "ترکوه" مروی ہے، جس کا ظاہری مطلب یہ ہوگا کہ شہر بن حوشب متروک راوی ہیں، محدثین نے انھیں ترک کردیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، عبدالرحمن بن مہدی، امام احمد اور بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، اور ان کی روایت قبول کیا ہے، ابن المدینی نے بھی ان کی روایتیں لی ہیں، (تہذیب التہذیب) نضر بن شمیل نے "ترکوه" کی تفسیر "طعنوا فيه" سے کی ہے اور وجہ طعن بھی ذکر کیا ہے "وإنما طعنوا فيه لأنه ولى أمر السلطان" ان پر اس لئے نقد کیا ہے کہ انھوں نے امور سلطنت کی کچھ ذمہ داریاں بھی قبول کرلی تھیں (سنن ترمذی: ۵/۵۸)۔

"فلم أعتد به": میں ان کو شمار میں نہیں لایا، یعنی ان پر اعتماد نہیں کیا، اعتد بالشئ: شمار میں لانا، اہمیت دینا،

تشریح:

چنانچہ شہر بن حوشب جن کا غیر ثقہ ہونا متفق علیہ نہیں ہے، مگر ابن عون سے جب ان کی ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے غایت احتیاط میں یہ بات کہی کہ شہر بن حوشب پر کچھ جرح کی گئی ہے، اسی لئے شعبہ نے بھی ان کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی کہ میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

تراجم رجال:

[شہر بن حوشب]: الاشعری حضرت شعبہ نے ان پر کلام کیا ہے، یحیی بن معین ان کی روایتیں بیان نہیں کرتے تھے جبکہ عبدالرحمن بن مہدی نے ان کی روایتوں کو لیا ہے، امام احمد نے ان کی توثیق کی ہے، اور ان کی حدیثوں کو اچھا بتایا ہے، امام بخاریؒ نے حسن الحدیث کہا ہے، اور ان کو قوی کہا ہے، (ترمذی: ۵/۵۸) یعقوب بن سفیان نے کہا: شہر ثقہ ہیں اگرچہ ابن عون نے ان کے بارے میں "ترکوه" کہا ہے، ابوالحسن بن القطان الفاسی کہتے ہیں "لم أسمع

لمُضعِفه حجة، وما ذكروا من تزيیه بزی الجند و سماعه الغناء بالآلات ،وقذفه بأخذ الخريطة فإما لايصح ،أو هو خارج على مخرج لا يضره" میں نے ان کو ضعیف قرار دینے والے کی کوئی دلیل نہیں پائی، اور جو ان کے فوجیوں کے لباس اپنانے، اورآلات کے ذریعہ ان کے سماع (موسیقی کے ساتھ اشعار سننے) اور خریطہ کو چرانے کی تہمت کا ذکر کیا گیا ہے تو ان کی نسبت ان کی طرف یا صحیح نہیں ہے یا اس طور پر ہیں کہ ان کے لئے مضر نہیں ہیں (تہذیب)، طبقہ ثالثہ سے ہیں کثیر الوہم والارسال ہیں، (تقریب)، ۱۱ھ میں وفات ہے۔

[حجاج بن الشاعر]: یہ حجاج بن یوسف بن حجاج الثقفی، ابو محمد بن یعقوب بغدادی ہیں، ابن الشاعر سے معروف ہیں، یہ اس حجاج بن یوسف بن الحکم کے علاوہ ہیں جو ظلم میں مشہور ہیں، اگرچہ وہ بھی ثقفی ہیں اور ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے،، ابن الشاعر ثقہ ہیں، ۲۵۹ھ میں وفات ہے۔

عباد بن کثیر:

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُهْزَاذَ – مِنْ أَهْلِ مَرْوَ – قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قُلْتُ لِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ إِنَّ عَبَّادَ بْنَ كَثِيرٍ مَنْ تَعْرِفُ حَالَهُ. وَإِذَا حَدَّثَ جَاءَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ فَتَرَى أَنْ أَقُولَ لِلنَّاسِ لاَ تَأْخُذُوا عَنْهُ قَالَ سُفْيَانُ بَلَى. قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَكُنْتُ إِذَا كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ ذُكِرَ فِيهِ عَبَّادٌ أَثْنَيْتُ عَلَيْهِ فِي دِينِهِ وَأَقُولُ لاَ تَأْخُذُوا عَنْهُ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ أَبِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ انْتَهَيْتُ إِلَى شُعْبَةَ فَقَالَ هَذَا عَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ فَاحْذَرُوهُ.

ترجمہ:

۱- محمد بن عبد اللہ بن قہزاذ جو مروَ کے لوگوں میں سے ہیں انھوں نے کہا کہ مجھے علی بن حسین بن واقد نے خبر دی کہ عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے کہا کہ عباد بن کثیر جن (کی دینداری اور عبادت گزاری) کا حال آپ کو معلوم ہے، اور جب حدیث بیان کرتے ہیں تو بڑی مصیبت لاتے ہیں، تو کیا آپ مناسب

سمجھتے ہیں کہ میں لوگوں سے یہ کہوں کہ ان کی حدیث قبول نہ کریں، تو سفیان نے کہا کیوں نہیں؟(ضرور بتاؤ) تو عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: پھر میرا یہ حال تھا کہ جب کسی ایسی مجلس میں ہوتا جس میں عباد کا ذکر آتا، تو میں ان کی دینداری کی تعریف کرتا، اور (یہ بھی) کہتا کہ ان سے (حدیث کی روایت) مت لو۔

۲- اور محمد نے کہا کہ عبداللہ بن عثمان نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں حضرت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے کہا کہ: یہ عباد بن کثیر ہیں ان سے بچنا۔

حل لغات:

"لا تأخذوا عنه": ان سے علم مت سیکھو، "أخذ عن فلان" فلان سے علم حاصل کیا، سیکھا

"إن عباد بن كثير من تعرف حاله": بعض اہل علم نے اسے استفہام پر محمول کیا ہے یعنی وہ کون ہیں؟ ان کا حال آپ کو معلوم ہے؟ دیگر شارحین نے خبر پر محمول کیا ہے، یعنی جن کا حال آپ کو معلوم ہے، پھر ان کے حال سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے، امام نوویؒ نے ضعف مراد لیا ہے یعنی "أنت عارف بضعفه"، ان کا ضعیف ہونا آپ کو معلوم ہے، دیگر لوگوں نے ان کے زہد وعبادت اور صلاح وتقوی کو مراد لیا ہے، اور عبداللہ بن مبارکؒ کے قول "أثنيت عليه في دينه" سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

"جاء بأمر عظيم": أمر بمعنی حادثہ (القاموس) بڑی مصیبت لاتے ہیں۔

تشریح:

اس روایت کو بیان کرکے امام مسلمؒ اس امر پر متنبہ کر رہے ہیں کہ احادیث رسول ﷺ کو کذب اور غیر صحیح روایات سے محفوظ رکھنے کے لئے رواۃ حدیث کی محض دینداری اور صلاح پر ہی اعتماد نہیں کر لیا جائے گا، بلکہ ان کی روایات پر نظر رکھی جائے گی کہ کہیں وہ غیر صحیح اور منکر روایات تو بیان نہیں کر رہے ہیں، اگر وہ غیر صحیح اور منکر روایتوں کو بھی بلا جھجک بیان کرتے ہیں، تو روایت حدیث کے باب میں ان کی دینداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کے اس عیب سے لوگوں کو باخبر کیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ ان سے حدیثیں نہ سنیں اور نہ اسے

قبول کریں، رواۃ حدیث کے عیوب بیان کرنے پر اگرچہ غیبت کی تعریف صادق آتی ہے مگر احادیث نبویہ اور دین کی حفاظت کے پیش نظر ائمہ سلف نے اسی کا فتوی دیا ہے، اور یہ معصیت کے بجائے ایک امر واجب اور باعث اجر وثواب ہے، رواۃ پر جرح کرنا غیبت ہے یا نہیں اس پر تفصیلی بحث آگے اپنے موقع پر بیان ہو گی۔

وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ سَأَلْتُ مُعَلًّى الرَّازِيَّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ الَّذِي رَوَى عَنْهُ عَبَّادٌ فَأَخْبَرَنِي عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ قَالَ كُنْتُ عَلَى بَابِهِ وَسُفْيَانُ عِنْدَهُ فَلَمَّا خَرَجَ سَأَلْتُهُ عَنْهُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ كَذَّابٌ.

ترجمہ:

فضل بن سہل نے کہا کہ میں نے معلّٰی رازی سے اس محمد بن سعید کے بارے میں پوچھا جس سے عباد نے روایت کیا ہے، تو انھوں نے مجھے عیسی بن یونس کے حوالہ سے بتایا کہ وہ (عیسی بن یونس) اس کے دروازہ پر تھے اور سفیان اس کے پاس (اندر) تھے، تو جب سفیان باہر آئے تو میں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ کذاب ہے۔

تشریح:

بعض شراح ومحشیین کو یہاں پر اشتباہ ہو گیا کہ کہ عباد بن کثیر کا زمانہ مقدم ہے اور محمد بن سعید کا زمانہ مؤخر ہے، جس کے مد نظر عباد بن کثیر کا محمد بن سعید سے روایت سننا مشکل ہے اس لئے انھیں عبارت میں تاویل کرنی پڑی کہ ''روی عنه'' میں عنه کی ضمیر کا مرجع عباد ہے، اور عباد اس سے بدل ہے، انھوں نے محمد بن سعید کو عباد کا شاگرد قرار دیا، جبکہ واقعہ اس کے برعکس ہے اور عبارت بالکل واضح ہے، محمد بن سعید المصلوب طبقہ سادسہ کے ہیں، اور عباد بن کثیر طبقہ سابعہ کے ہیں، اور دونوں کی وفات ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے مابین ہوئی ہے، اور عیسی بن یونس متوفی ۱۸۷ھ، جنھوں نے سفیان متوفی ۱۶۱ھ سے معلوم کیا ہے اور معلی رازی متوفی ۲۱۱ھ کو اس کی خبر دے رہے ہیں وہ طبقۂ ثامنہ کے ہیں اور معلی رازی طبقہ عاشرہ کے ہیں، اس ترتیب سے عباد بن کثیر کا شاگرد ہونا اور محمد

بن سعید کا استاذ ہونا معقول ہے، دونوں ایک دوسرے کے معاصر ہیں، لہذا عبارت ”روی عنه عباد بن کثیر“ جو محمد بن سعید کے تعارف کے طور پر ذکر کی گئی ہے، درست ہے، نہ اس میں کوئی مشکل ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے۔

تراجم رجال:

”معلی الرازی“: ان کے والد کا نام منصور ہے، ثقہ سنّی محدث اور فقیہ ہیں، منصب قضا کی پیشکش کی گئی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا، امام احمدؒ نے ان سے روایت نہیں لی ہے، اور یہ کہنا کہ امام احمدؒ نے انھیں کذب سے متہم کیا ہے، صحیح نہیں ہے، طبقہ عاشرہ سے ہیں ۲۱۱ھ میں وفات ہے ”ثقة ،سنّي فقيه، طُلب للقضاء فامتنع، أخطأ من زعم أن أحمد رماه بالكذب،من العاشرة، “(تقریب)۔

”عیسی بن یونس“: بن ابو اسحاق السبیعی، ابن عیینہ نے انھیں فقیہ ابن الفقیہ بن الفقیہ کہا ہے، جعفر بن یحییٰ برمکی نے کہا: ہم نے علماء میں ان جیسا نہیں دیکھا، ہم نے انھیں سو دینار پیش کئے، انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا: اہل علم کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم نے حدیث کے نام پر لیا ہے، اس نام پر ایک گھونٹ پانی بھی نہیں، ”فأما على الحديث فلا، ولا شربة ماء، ثقة ،مامون ،من الثامنة“(تقریب)، ثقہ، مامون ہیں اور طبقہ ثامنہ سے ہیں ۱۸۷ھ میں وفات ہے۔

”سفیان بن سعید بن مسروق“: الثوری ابو عبد اللہ الکوفی، امیر المؤمنین فی الحدیث، وعلَم من اعلام الامۃ، نسائیؒ نے ان کے بارے میں کہا: یہ اس سے اعلی اور برتر ہیں کہ ان کو ثقہ کہا جائے، ۹۷ھ میں ولادت اور ۱۶۱ھ میں وفات ہے۔

”عباد بن کثیر ،الثقفی البصری“: ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، متروک ہیں، طبقہ سابعہ سے ہیں، ۱۴۰ اور ۱۵۰ھ کے مابین ان کی وفات ہوئی ہے۔

”محمد بن سعید“: مصلوب، کذاب، زندیق اور وضاع حدیث ہے، مختلف ناموں اور متعدد کنیتوں سے معروف ہے، طبقہ سادسہ سے ہے، خلیفہ ابو جعفر منصور متوفی ۱۵۸ھ نے زندقہ کی تہمت میں اسے پھانسی دی اور

اسی لئے اس کو مصلوب کہا جاتا ہے،وَكَانَ صُلْبُ هَذَا الرَّجُلِ فِي حُدُودِ سَنَةِ خَمْسِينَ وَمِائَةٍ. (تاریخ الإسلام وَوَفیات المشاهیر للذهبی / تحقیق الدکتور بشار عوّاد معروف:۳/۹۶۱)، لہٰذا عباد بن کثیر کی ان کے ساتھ معاصرت پائی جاتی ہے، اور عباد بن کثیر کا محمد بن سعید مصلوب سے روایت سننا ممکن ہے۔

حدیث کے مقبول ہونے کے لئے راوی کا محض صالح اور عدل ہونا کافی نہیں:

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَتَّابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَفَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمْ نَرَ الصَّالِحِينَ فِي شَيْءٍ أَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيثِ.

قَالَ ابْنُ أَبِي عَتَّابٍ فَلَقِيتُ أَنَا مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ فَسَأَلْتُهُ عَنْهُ فَقَالَ عَنْ أَبِيهِ لَمْ تَرَ أَهْلَ الْخَيْرِ فِي شَيْءٍ أَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيثِ. قَالَ مُسْلِمٌ يَقُولُ يَجْرِي الْكَذِبُ عَلَى لِسَانِهِمْ وَلاَ يَتَعَمَّدُونَ الكذب۔

ترجمہ:

امام مسلم نے کہا کہ ہم سے محمد بن ابو عتاب نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے عفان نے بیان کیا،روایت کرتے ہوئے محمد بن یحییٰ سے کہ وہ اپنے والد یحییٰ بن سعید القطان سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا :ہم نے صلحاء کو حدیث میں کذب بیانی سے زیادہ کسی چیز میں جھوٹا نہیں دیکھا۔

محمد ابن ابو عتاب نے کہا کہ پھر میں نے محمد بن یحییٰ بن سعید القطان سے ملاقات کی اور ان سے اس قول کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ نے اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی بھی چیز میں کذب بیانی کا مرتکب نہیں پایا ہو گا، امام مسلمؒ نے کہا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بالقصد جھوٹ نہیں بولتے (لاعلمی کے سبب) جھوٹ ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

حل لغات:

"فلقيت أنا محمد بن يحي بن سعيد القطان ":لقیت فعل ماضی معروف صیغہ واحد متکلم،أنا ضمیر منفصل مرفوع برائے تاکید فاعل،اور محمد منصوب مفعول بہ،اور قطان مجرور یحییٰ کی صفت ہے، پھر میں نے

محمد بن یحییٰ بن سعید القطان سے ملاقات کیا، بعض مطبوعہ نسخوں میں فلقیت أنا کی جگہ فلقیت أبامحمد(باضافۃ الأب الی محمد) مکتوب ہے جو کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

تشریح:

یحییٰ بن سعید القطان کا یہ قول محمد بن ابو عتاب نے پہلے عفان سے سنا اور عفان نے محمد بن یحییٰ سے، اس طرح محمد بن ابو عتاب اور محمد بن یحییٰ کے مابین عفان کا واسطہ موجود ہے، پھر اس کے بعد محمد بن ابو عتاب نے محمد بن یحییٰ سے ملاقات کی اور ان سے ان کے والد کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اپنے والد کے اس قول کو ان سے بیان کیا، اس طرح عفان کا واسطہ ختم ہو گیا اور ان کی سند عالی ہو گئی۔

یحییٰ بن سعید القطان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ صلحاء وعباد بالقصد جھوٹ نہیں بولتے، مگر حدیث کی روایت میں ان سے جھوٹ بہت سرزد ہوا ہے، چنانچہ امام مسلمؒ نے خود اس کی تشریح فرمائی کہ وہ بالقصد وارادہ ایسا نہیں کرتے، مگر جھوٹ یعنی روایت حدیث میں غلطی ان سے ہو جاتی ہے، ایسے صلحاء وزہاد جن کو علم حدیث سے لگاؤ نہیں ہوتا، کچھ تو غفلت کے سبب اور کچھ ان کی سادہ لوحی کی وجہ سے کہ وہ سب کو اپنے جیسا نیک اور صالح سمجھتے ہیں کوئی بھی شخص ان سے کوئی بات نقل کرتا ہے تو اسے سچ مان لیتے ہیں اس کی تحقیق نہیں کرتے، پھر لوگوں کے فائدہ اور اصلاح کی غرض سے دوسروں کے سامنے نقل کر دیتے ہیں، اور عقیدت میں دوسرے لوگ اسے مزید پھیلا دیتے ہیں، خاص طور سے احادیث رسول ﷺ کے بیان میں، کیونکہ ان کا ربط دین سے ہے، اس طرح حدیث رسول ﷺ میں ان سے جھوٹ کی روایت زیادہ ہوئی ہے، اور جھوٹ کا اطلاق خلاف واقعہ امر پر ہوتا ہے، خواہ اسے جان بوجھ کر، بالقصد کہا جائے یا غفلت اور بھول سے، غرض یہ کہ روایت حدیث کے لئے صرف عدل اور صلاح وتقوی ہی کافی نہیں، بلکہ ضبط واتقان، غایت درجہ کا حفظ اور تیقظ وبیدار مغزی بھی ضروری ہے، نیز اس علم سے لگاؤ، دلچسپی اور اس کا اہتمام بھی شرط ہے۔

غالب بن عبید اللہ، ہشام ابو المقدام:

حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنِي خَلِيفَةُ بْنُ مُوسَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى غَالِبِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ فَجَعَلَ يُمْلِي عَلَيَّ حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ فَأَخَذَهُ الْبَوْلُ فَقَامَ فَنَظَرْتُ فِي الْكُرَّاسَةِ فَإِذَا فِيهَا حَدَّثَنِي أَبَانٌ عَنْ أَنَسٍ وَأَبَانٌ عَنْ فُلاَنٍ فَتَرَكْتُهُ وَقُمْتُ.

قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيَّ يَقُولُ رَأَيْتُ فِي كِتَابِ عَفَّانَ حَدِيثَ هِشَامٍ أَبِي الْمِقْدَامِ حَدِيثُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ يَحْيَى بْنُ فُلاَنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ لِعَفَّانَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ هِشَامٌ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ. فَقَالَ إِنَّمَا ابْتُلِيَ مِنْ قِبَلِ هَذَا الْحَدِيثِ كَانَ يَقُولُ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ادَّعَى بَعْدُ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ:

خلیفہ بن موسیٰ نے کہا کہ میں غالب بن عبید اللہ کے پاس (سماعت حدیث کے لئے) گیا، تو وہ مجھے املا کرانے لگے (لکھوانے لگے): حدثني مكحول، حدثني مكحول، اسی دوران ان کو پیشاب کا تقاضا ہوا، وہ گئے تو میں نے (ان کی) کاپی میں دیکھا لکھا ہوا تھا: حدثني أبان عن أنس، حدثني أبان عن فلان، (اس میں مکحول کا تذکرہ نہیں تھا) چنانچہ میں اسے چھوڑ کر چلا آیا۔

امام مسلمؒ نے کہا: اور میں نے حسن بن علی حلوانی کو سنا کہتے ہوئے کہ میں نے عفان کی کتاب میں ہشام ابو المقدام کی حدیث، یعنی عمر بن عبد العزیزؒ کی حدیث یا جو عمر بن عبد العزیزؒ کی حدیث ہے اسے دیکھا، جس میں ہشام نے کہا کہ: مجھ سے بیان کیا ایک آدمی نے جن کو یحییٰ بن فلان کہا جاتا ہے، انھوں نے محمد بن کعب سے (روایت کیا)، حسن حلوانی نے کہا کہ میں نے عفان سے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہشام نے اس کو محمد بن کعب سے سنا ہے، (گویا وہ لوگوں سے روایت کرتے وقت کہتے تھے حدثني محمد بن كعب، جب کہ ان کی کاپی میں لکھا ہوا تھا: حدثني رجل يقال له يحيىٰ بن فلان)، تو عفان نے کہا اسی حدیث سے تو وہ آزمائے گئے، پہلے کہتے تھے حدثني يحيىٰ عن محمد، (یعنی یحییٰ کے واسطہ سے محمد سے روایت کرتے تھے)، پھر دعویٰ کر بیٹھے کہ انھوں نے

اسے محمد سے (براہ راست) سنا ہے۔

حل لغات:

"الکراسة":بضم الكاف و فتح الراء المشددة،واحدة الكراس والكراريس،الجزء من الصحيفة": کتاب کا حصہ، کاپی۔

"حديث عمر بن عبد العزيز":لفظ "حدیث" کو مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس صورت میں یہ مبتدا محذوف "هو" کی خبر ہو گا، اور اسے منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں یہ "حديثَ هشام" سے بدل یا فعل محذوف "أعني" کا مفعول ہو گا، یہاں حدیث عمر بن عبد العزیز سے مراد وہ حدیث ہے جو محمد بن کعب قرظی سے منقول ایک طویل روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے عمر بن عبد العزیزؒ کو اس وقت بھی دیکھا جبکہ وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، اس وقت جسم بھرا بھرا تھا، بہت اچھی صحت تھی، اور جب خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کی حالت بالکل بدل گئی، ایک دن یہ ان کو ٹکٹکی باندھے دیر تک دیکھتے رہے، تو عمر بن عبد العزیزؒ نے ان سے سبب پوچھا اور ان سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کرنے کا مطالبہ کیا جو انھوں نے کبھی ان سے سنی تھی، ایک لمبی حدیث ہے اسے تاریخ دمشق (۴۷/۱۰، رقم الترجمہ ۱۰۰۵۶) اور الکامل فی الضعفاء (۸/۴۰۳، رقم الترجمہ ۲۰۲۳) وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"ثم ادعى بعدُ":بعد کا مضاف الیہ محذوف منوی ہونے کی وجہ سے یہ مبنی علی الضم ہے، یعنی اس کے بعد۔

تشریح:

غالب بن عبید اللہ سے خلیفہ بن موسی حدیثیں سننے کے لئے گئے، انھوں نے ان کو حدیثیں املا کراتے ہوئے کہا کہ مجھ سے مکحول نے حدیث بیان کیا، اور اسی طرح کچھ حدیثیں لکھوا گئے، اسی دوران وہ پیشاب کی حاجت پوری کرنے کے لئے اٹھے، ان کے جانے کے بعد خلیفہ بن موسی نے اس کاپی کو جس سے وہ لکھوا رہے تھے دیکھا تو اس میں حدثني أبان عن أنس ، حدثني أبان عن فلان لکھا ہے، یعنی سبھی حدیثیں ابان سے مروی ہیں، حدثني مکحول کا کہیں تذکرہ ہی نہیں، اس لئے انھوں نے ان سے حدیثیں لکھنا چھوڑ دیا اور واپس چلے

آئے، ایک وجہ تو ان کو چھوڑنے کی یہ ہوئی، کہ کاپی میں کچھ اور لکھا ہوا املا، اور وہ املا کچھ اور کرا رہے تھے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کاپی میں جس ابان کا تذکرہ تھا وہ متروک راوی ہیں۔

اس میں اگرچہ یہ احتمال ہے کہ غالب بن عبید اللہ نے وہ احادیث ابان سے بھی سنی ہوں اور مکحول سے بھی سنی ہوں، کاپی میں صرف ابان کی سند سے حدیثیں لکھی ہوں، اور خلیفہ بن موسی کو اپنے حفظ سے مکحول کی سند سے لکھوا رہے ہوں، مگر بظاہر یہ بھی خداع ہے، خلاف واقعہ ہے، کہ سامنے کاپی ہے جس میں لکھا کچھ اور ہے، اور بیان کچھ اور کر رہے ہیں۔

اسی طرح دوسری روایت میں ہشام ابوالمقدام کے لئے بھی ممکن ہے کہ پہلے یحییٰ کے واسطہ سے وہ حدیث سنی ہو، اس لئے ان کے واسطہ کی صراحت کے ساتھ اس حدیث کو لوگوں سے بیان کیا، پھر موقع ملا، محمد بن کعب سے ملاقات ہوئی تو سند عالی کرنے کے لئے ان سے براہ راست اس حدیث کو سنا ہو، اس کے بعد یحییٰ کے واسطہ کے بغیر اس حدیث کو لوگوں سے بیان کیا ہو، ایسا ممکن ہے، مگر ائمہ محدثین صرف امکان پر ہی نظر نہیں رکھتے، بلکہ دیگر قرائن و کوائف، نیز راوی کے احوال کو بھی سامنے رکھتے ہیں، لہذا یہاں پر دیگر قرائن سے ان کا متہم ہونا معلوم ہونے کی وجہ سے اس امکان کو ان ائمہ نے قبول نہیں کیا، اور ان دونوں رواۃ غالب بن عبید اللہ اور ہشام ابوالمقدام کو متروک قرار دیا۔

تراجم رجال:

[یزید بن هارون]: بن وادی یا زاذان بن ثابت سُلَمِی (منسوب الی قبیلۃ سُلَیم)، ابو خالد الواسطی، مشاہیر حفاظ وثقات اور اعلام و صلحاء میں ان کا شمار ہے، یہ اصلاً بخاری ہیں سبھی ائمۂ کبار نے ان کی توثیق و تحسین کی ہے، ان کا سن ولادت ۱۱۷ یا ۱۱۸ھ اور سن وفات ۲۰۶ھ ہے۔ (تہذیب: ۱۱/ ۳۶۸)

[خلیفه بن موسی]: العُکلی الکوفی، انھوں نے شَرَقِی بن قُطامیٰ سے اور ان سے یزید بن ہارون نے روایت کیا ہے۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۱/ ۲۹۴)

[غالب بن عبيدالله]: العقیلی الجزری، یحییٰ بن معین نے ان کو غیر ثقہ اور دار قطنی وغیرہ نے متروک کہا ہے،

وکیع بن الجراح نے بھی ان کو متروک کہا ہے، کیونکہ یہ اعمش اور سعید بن مسیب سے بھی روایت سننے کے مدعی ہیں"وسمع منه وكيع وتركه،لكونه قال :حدثنا سعيد بن المسيَّب، والأعمش"(میزان الاعتدال)۔

[أبان]: اس سے مراد ابان بن ابو عیاش ہیں، کنیت ابو اسماعیل ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایت کی ہے، متروک الحدیث ہیں، عبادت گذار اور صالح آدمی تھے، مگر غفلت کا شکار تھے، حدیث میں وہم اور غلطی کر جاتے تھے،"روى عن أنس فأكثر،۔۔۔وكان رجلا صالحاً ولكنه بُلى بسوء الحفظ"صالح آدمی تھے مگر یادداشت کی خرابی کا شکار تھے(تہذیب التہذیب:۱/۹۸)غالباً ۱۳۸ھ میں وفات ہے، ان کا ذکر آگے بھی آرہا ہے۔

[مكحول]: کنیت ابو عبد اللہ یا ابو ایوب ہے، تابعی اور شام کے بڑے محدث وفقیہ ہیں، یہ اصلاً مصری ہیں یا فارسی، اس بارے میں متعدد اقوال ہیں، بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ اصلاً کابل کے ہیں، طلب علم وسماع حدیث کے لئے ہر چہار جانب کا سفر کیا، ابن اسحاق نے خود انھیں کا قول نقل کیا ہے،"طفت الأرض كلها في طلب العلم"، وفات کے بارے میں ۱۱۲ھ سے ۱۱۸ھ تک کے اقوال ہیں۔

[هشام ابو المقدام]: بن زیاد بن ابو یزید قرشی، حسن بصریؒ، عمر بن عبد العزیز، محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے روایت نقل کرتے ہیں، اور ان سے حضرت وکیع، ابن المبارک، نضر بن شمیل اور یزید بن ہارون وغیرہ نے روایتیں نقل کی ہیں، ابو زرعہ نے ضعیف، ابن معین اور دیگر بہت سے لوگوں نے غیر ثقہ، کہا ہے، اور ابن حبان نے کہا ہے کہ موضوع روایات کو ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں ان سے احتجاج جائز نہیں، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان کی روایت نقل کی ہے(تہذیب التہذیب:۱۱/۳۸)نسائی نے متروک کہا ہے(میزان الاعتدال:۴/۲۹۸)۔

سلیمان بن الحجاج وروح بن غطیف:

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُهْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ يَقُولُ:قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِى رَوَيْتَ عَنْهُ حَدِيثَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو « يَوْمُ الْفِطْرِ يَوْمُ الْجَوَائِزِ ». قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ الْحَجَّاجِ. انْظُرْ مَا وَضَعْتَ فِي يَدِكَ مِنْهُ.،

قَالَ ابْنُ قُهْزَاذَ وَسَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ زَمْعَةَ يَذْكُرُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ

يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ رَأَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ « الدَّمِ قَدْرِ الدِّرْهَمِ » وَجَلَسْتُ إِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ أَسْتَحْيِي مِنْ أَصْحَابِي أَنْ يَرَوْنِي جَالِسًا مَعَهُ كُرْهَ حَدِيثِهِ.

ترجمہ:

عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جن سے آپ نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث: "عید کا دن انعامات کا دن ہے" روایت کی ہے، وہ کون صاحب ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ وہ سلیمان بن الحجاج ہیں، دیکھو کیا رکھ لیا ہے اپنے ہاتھوں میں، عبد اللہ بن قہزاذ نے کہا اور میں نے وہب بن زمعہ کو سنا، ذکر کرتے ہوئے سفیان بن عبد الملک کے واسطہ سے انھوں نے کہا کہ عبد اللہ بن المبارک نے بتایا کہ میں نے "الدم قدر الدرهم" درہم برابر خون والے رَوح بن غُطَیف کو دیکھا ہے اور میں ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا بھی ہوں، لیکن ان کی حدیث کے ناپسند (غیر معتبر) ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے ساتھیوں سے شرم محسوس ہونے لگی کہ وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ نہ لئے ہوں۔

حل لغات:

"ما وضعت في يدك منه": یعنی "ما أخذت منه" ان سے کیا لیا ہے؟

"كُره حديثه": مفعول لہ ہے یعنی كراهيةً لحديثه ، كرِهَ يكرَهُ (س) كُرهاً و كراهةً و كراهيةً ، ان کی حدیث کی ناپسندیدگی کی وجہ سے۔

تشریح:

"يوم الفطر يوم الجوائز" عید کے دن کی فضیلت کے بارے میں یہ مذکورہ الفاظ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر منقول ہیں، یعنی حدیث موقوف علی الصحابی ہے، جیسا کہ ابو محمد حسن بن محمد بغدادی متوفی ۴۳۹ھ کی کتاب "فضائل شہر رجب: (۱/۴۷)" اور خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ و عبد العزیز بن احمد الکتانی المتوفی ۴۶۶ھ کی کتاب "مسلسل العیدین (۱/۳۹)" میں مذکور ہے، اور امام نوویؒ نے حافظ ابو محمد ابن عساکر دمشقی کی کتاب: "المستقصی فی فضائل المسجد الاقصی" کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ

ہیں "ویسمی ذلک الیوم یوم الجوائز" (شرح مسلم:۱/۹۷)، اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر: (۱/۲۶۶) نیز یحییٰ بن حسین شجری جرجانی کی امالی میں اور ابو بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ کی مجمع الزوائد: (۲/۲۰۱) میں مذکور ہے کہ سعید بن اوس انصاری نے اپنے والد سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فهو یوم الجائزة ویُسمی ذلک الیوم فی السماء یوم الجائزة" ہیثمی نے ذکر کیا ہے کہ طبرانی نے اس کو نقل کیا ہے اور اس کی سند میں جابر الجعفی ہے جس کو امام ثوری نے ثقہ کہا ہے اور شعبہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، یہ متروک راوی ہے، (مجمع الزوائد) جابر بن یزید جعفی کو امام ابو حنیفہؒ نے بھی کذاب کہا ہے " **فقال ابو حنيفة ما رايت اكذب من جابر الجعفي**" (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذہبیؒ)۔

اس مذکورہ حدیث کے بارے میں عبد اللہ بن جبلہ نے عبد اللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ یہ حدیث آپ نے کن سے لیا ہے، تو انھوں نے بتایا کہ سلیمان بن حجاج سے، اس کے جواب میں عبد اللہ بن جبلہ نے ابن مبارکؒ سے کہا کہ دیکھ لیجئے، یہ آپ نے ان سے کیا روایت لے لی ہے، "أنظر ما وضعت فی یدک منه" امام نوویؒ نے "ما وضعت" میں تاء کا ضبط فتحہ کے ساتھ کیا ہے (صیغہ واحد مذکر حاضر)، نیز ضمہ کو جائز کہا ہے (صیغہ واحد متکلم)، اور کہا ہے کہ یہ جملہ سلیمان بن حجاج کی مدح و ثنا کے طور پر کہا گیا ہے، ظاہر ہے کہ صیغہ خطاب کی صورت میں اس کے قائل عبد اللہ بن جبلہ ہوں گے اور صیغہ تکلم کی صورت میں اس کے قائل عبد اللہ بن مبارکؒ ہوں گے، اور اسی صورت میں یہ جملہ ان کے لئے مدح و ثنا ہو سکتا ہے۔

یہ سلیمان بن حجاج جن سے عبد اللہ بن مبارکؒ نے روایت کی ہے اور عبد العزیز دراوردی نے بھی ان سے روایت لیا ہے، ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے، اور ان کی کنیت ابو ایوب ہے، کتاب الجرح والتعدیل میں ان کے ذکر کے بعد سکوت ہے، کوئی حکم مذکور نہیں ہے، امام کبیر حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے: "لا یعرف" غیر معروف ہیں، لسان المیزان میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے جس میں مزید لکھا ہے: "قال العقیلی : الغالب علی حدیثه الوهم، وذکره ابن حبان فی الثقات" عقیلی نے کہا ہے کہ ان کی حدیثوں پر وہم کا غلبہ ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، نیز لسان میں مقدمہ صحیح مسلم کی یہ عبارت بھی

مذکور ہے اور اس میں "رويت عنه "يوم الفطر يوم الجوائز" منقول ہے، اور "حديث عبد الله بن عمرو" کا ذکر نہیں ہے، اور "سليمان بن الحجاج" کے بعد "قلتُ" کا اضافہ ہے، یعنی "قلتُ أنظر ما وضعتَ في يدک منه" میں نے کہا کہ دیکھ لیجئے آپ نے ان سے کیا لے لیا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس جملہ کے قائل عبد اللہ بن عثمان بن جبلہ ہوں گے، یعنی عبد اللہ بن عثمانؒ متنبہ کر رہے ہیں عبد اللہ بن مبارکؒ کو کہ سلیمان بن حجاج متکلم فیہ راوی ہیں، اور آپ نے ان سے اس حدیث کو قبول کر لیا ہے۔

لسان المیزان کی عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ذکر مقدمہ کے ناسخ کی غلطی ہے، نیز "وضعت" بفتح التاء (صیغہ واحد مذکر حاضر) ہی صحیح ہے، اور تاء پر ضمہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جملہ سلیمان بن حجاج کے نقد اور جرح کے طور پر کہا گیا ہے، اور اس سے ان کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، مقدمہ مسلم کا سیاق وسباق بھی اسی کا متقاضی ہے، کیونکہ رواۃ پر جرح اور ان کے عیوب کو بیان کرنے کا ہی سلسلہ چل رہا ہے۔

" صاحب الدم قدر الدرهم": یہ جملہ روح بن غطیف کے تعارف کے لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ انھوں نے "عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة" مرفوعا روایت کیا ہے "تعاد الصلاة من قدر الدرهم من الدم" یعنی درہم کی بقدر خون سے نماز دہرائی جائے گی، جو ایک باطل اور موضوع حدیث ہے، اور روح بن غطیف سے صرف قاسم بن مالک مزنی نے نقل کیا ہے، اس حدیث کو سنن بیہقی اور سنن دار قطنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"فجعلت أستحيي من أصحابي": عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اس قول سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین کرام اپنے اعتبار واعتماد کے تحفظ وبقا کی بھی کس درجہ فکر رکھتے تھے، روح بن غطیف ایک متروک راوی ہے، عبد اللہ بن مبارکؒ کو ایک مرتبہ ان کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو برابر انھیں فکر لاحق رہی کہ ان کے احباب وتلامذہ انھیں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ نہ لئے ہوں، اور یہ سمجھیں کہ میں ان سے حدیثیں سنتا ہوں۔

تراجم رجال:

[عبد الله بن عثمان بن جبله]: ان کی کنیت ابو عبد الرحمن اور لقب عبدان ہے، ثقہ حافظ ہیں، حاکم نے ان

کو امام اہل الحدیث ببلدہ کہاہے،ان کا سن وفات علی اختلاف الاقوال ۲۲۰،۲۲۱یا۲۲۲ھ ہے۔

[سليمان بن الحجاج]: طائفی، کنیت ابوایوب ہے، انھوں نے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان اور لیث بن ابی سلیم سے اور ان سے عبد العزیز دراوردی اور عبداللہ بن مبارک نے روایت کیاہے،(الجرح والتعدیل:۴/۱۰۶)،"لا یعرف"غیر معروف ہیں،(میزان الاعتدال:۲/۱۹۸)۔

[رَوح بن غُطَيف]: بفتح الراء، اور غطیف بالتصغیر غین معجمہ پر ضمہ اور طاء مہملہ پر فتحہ، ابن معینؒ نے ان کو واہی قرار دیاہے، اور نسائی نے متروک کہاہے، "صاحب الدم قدر الدرہم" کا جملہ ان کی پہچان اور تعارف کے لئے کہا گیاہے، کیونکہ انھوں نے ایک بے اصل حدیث "تعاد الصلاة من قدر الدرهم من الدم" کی روایت کی ہے اور ان سے صرف ایک صاحب، قاسم بن مالک مزنی نے اس کو روایت کیاہے(دیکھئے میزان الاعتدال:۲/۶۰)۔

بقیہ بن الولید:

حَدَّثَنِي ابْنُ قُهْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ وَهْبًا يَقُولُ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ بَقِيَّةُ صَدُوقُ اللِّسَانِ وَلَكِنَّهُ يَأْخُذُ عَمَّنْ أَقْبَلَ وَأَدْبَرَ.

ترجمہ:

ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ بقیہ زبان کے سچے ہیں، لیکن وہ ہر آنے جانے والے سے (روایت) لیتے ہیں۔

تشریح:

بقیہ بن الولید ایک محدث ہیں جن کے بارے میں عبداللہ بن مبارکؒ یہ بتارہے ہیں کہ وہ فی نفسہ سچے ہیں، مگر روایتیں لینے میں احتیاط نہیں کرتے، ثقہ، غیر ثقہ ہر کس وناکس سے روایتیں نقل کرتے ہیں، اس لئے خود ان کی روایتوں کو بھی بغیر تحقیق قبول نہیں کیاجائے گا۔

تراجم رجال:

[بقية بن الوليد]: بن صائد بن کعب الکَلاعی، بفتح الکاف، (ذوالکَلاع قبیلہ کی طرف نسبت ہے)، ان کی کنیت

أبویُحمِد ہے، بضم الیاء التحتانیۃ وسکون الحاء المہملہ وکسر المیم، اکثر ائمہ نے انھیں ثقہ، صدوق اللسان، اور صدوق اللہجہ کہا ہے، مگر ساتھ ہی ان کی اس خامی کا بھی ذکر کیا ہے کہ ثقہ غیر ثقہ، معروف غیر معروف سب سے روایتیں لیتے ہیں، اور غیر معروف لوگوں سے روایت کرتے وقت تدلیس سے کام لیتے ہیں، کنیت کی جگہ نام، اور نام کی جگہ کنیت کا ذکر کرتے ہیں، ابو مسہر غسانی اسی خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بَقِیَّةُ لیست أحادیثه نَقِیَّة، فکُن منها علی تَقِیَّةٍ''بقیہ کی حدیثیں صاف ستھری نہیں ہیں لہذا ان سے بچو، اس لئے یہ معروف لوگوں سے جو روایت کریں گے اسے قبول کیا جائے گا، ابو اسحاق فزاری نے بھی زکریاء بن عدی کو یہ نصیحت کی ہے کہ معروف لوگوں سے جو روایت کریں اسے لکھنا، اور غیر معروف لوگوں سے جو روایت کریں اسے مت لکھنا، حافظ ابن حجرؒ نے ان کو کثیر التدلیس عن الضعفاء لکھا ہے، طبقۂ ثامنہ سے ہیں ۱۹۷ھ میں ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حارث الاعور ہمدانی:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ الأَعْوَرُ الْهَمْدَانِيُّ وَكَانَ كَذَّابًا.

حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَرَّادٍ الأَشْعَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ مُفَضَّلٍ عَنْ مُغِيرَةَ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُولُ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ الأَعْوَرُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ عَلْقَمَةُ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ فِي سَنَتَيْنِ. فَقَالَ الْحَارِثُ الْقُرْآنُ هَيِّنٌ، الْوَحْيُ أَشَدُّ.

وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ - يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ - حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْحَارِثَ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْقُرْآنَ فِي ثَلاَثِ سِنِينَ وَالْوَحْىَ فِي سَنَتَيْنِ - أَوْ قَالَ الْوَحْىَ فِي ثَلاَثِ سِنِينَ وَالْقُرْآنَ فِي سَنَتَيْنِ.

وَحَدَّثَنِي حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ - وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ - حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْمُغِيرَةِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْحَارِثَ اتُّهِمَ.

وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حَمْزَةَ الزَّيَّاتِ قَالَ سَمِعَ مُرَّةُ الْهَمْدَانِيُّ مِنَ الْحَارِثِ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ اقْعُدْ بِالْبَابِ. قَالَ فَدَخَلَ مُرَّةُ وَأَخَذَ سَيْفَهُ – قَالَ – وَأَحَسَّ الْحَارِثُ بِالشَّرِّ فَذَهَبَ.

ترجمہ:

۱- شعبی نے کہا کہ مجھ سے حارث الاعور ہمدانی نے حدیث بیان کی، اور وہ بہت جھوٹا ہے۔

۲- مغیرہ نے کہا کہ میں نے شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ حارث الاعور نے مجھ سے حدیث بیان کی، اور شعبی گواہی دیتے ہیں کہ وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

۳- علقمہ نے کہا کہ میں نے قرآن دو سال میں پڑھا، تو حارث نے کہا قرآن آسان ہے، وحی زیادہ مشکل ہے۔

۴- ابراہیم سے مروی ہے کہ حارث نے کہا میں نے قرآن تین سال میں سیکھا، اور وحی دو سال میں، یا اس نے کہا کہ وحی تین سال میں اور قرآن دو سال میں۔

۵- ابراہیم سے مروی ہے کہ حارث کو متہم کہا گیا ہے۔

۶- حمزہ زیات نے کہا کہ مرّہ ہمدانی نے حارث سے کچھ سنا تو اس سے کہا کہ دروازہ پر بیٹھو، حمزہ نے کہا کہ پھر مرّہ اندر داخل ہوئے، اپنی تلوار اٹھائی، حمزہ نے کہا، اور حارث نے خطرہ کو محسوس کر لیا، لہذا بھاگ لیا۔

حل لغات:

"**وهو يشهد أنه أحدالكاذبين**": "ھو" ضمیر متبدا شعبی کیطرف راجع ہے، اور " الکاذبین "صیغۂ جمع ہے،

تشریح:

ان روایات میں حارث ہمدانی کے بارے میں امام شعبی اور دیگر ائمہ حدیث کے اقوال کا ذکر ہے، شعبی نے ان کو کذاب کہا ہے، نیز یہاں اس کے ایک قول کا بھی ذکر کیا گیا ہے، علقمہ سے منقول ہے " فقال الحارث :القرآن هيّن ،الوحی أشد" اور دوسری روایت میں حارث کا قول شک کے ساتھ منقول ہے، کہ قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں، یا وحی تین سال میں اور قرآن دو سال میں، لہذا پہلی روایت جو بغیر شک کے منقول ہے اسکے موافق دوسرا قول وحی تین سال میں اور قرآن دو سال میں متعین مانا جائے گا۔

اس جملہ سے حارث کا مقصد کیا ہے؟

حارث بن عبد اللہ الاعور الہمدانی، علم حساب اور علم فرائض میں ماہر تھے، محدثین کی ان کے بارے میں دونوں طرح کی رائیں ہیں، ان کو ثقہ بھی کہا گیا ہے، اور کذاب و متہم بھی سمجھا گیا ہے، چونکہ یہ غالی درجہ کے شیعہ تھے، اور شیعہ کے عقائد میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسی باتیں بھی بتلائی ہیں، جن سے دوسروں کو آگاہ نہیں فرمایا، اس لئے بعض لوگوں نے یہ توجیہ کیا ہے کہ شعبی وغیرہ نے ان کی انھیں جیسی آراء کے بارے میں ان کو کذاب کہا ہے، روایت حدیث کے بارے میں نہیں، واللہ اعلم بالصواب، اور غالباً حارث نے اپنے قول " الوحی أشد " میں وحی سے مراد احادیث کو لیا ہے کہ ان کا علم مشکل ہے وہ باتیں جو بقول ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر بتائی گئیں ان کا علم اور زیادہ مشکل ہے، بہ نسبت قرآن کے، ان کے قول سے مراد اگر ان کے یہی عقائد ہیں تو یہ قول قابل اعتراض ہو گا، ورنہ ان کے اس قول کی تاویل کی گنجائش ہے، وحی کے معنی کتابت اور لکھنے کے بھی آتے ہیں، قاموس میں ہے "الوحی:الإشارة والکتابة" اور قرآن کے معنی پڑھنا، قرأ یقرأ کا مصدر ہے، اور ظاہر ہے کہ لکھنا پڑھنے کے مقابلہ میں مشکل ہے، مگر قرین قیاس یہی ہے کہ اس نے وحی سے مراد اپنے عقائد وخیالات کو ہی لیا ہے جنکی بنیاد آیات واحادیث کی غلط تشریح، اور من گھڑت روایات پر ہے، حارث کی وفات ۶۵ھ میں ہے۔

ابراھیم نخعی سے بھی منقول ہے، کہ حارث الاعور کو متہم سمجھا گیا ہے، "أن الحارث اتهم"، اسی طرح حمزہ الزیات سے مروی ہے کہ مرۃ (بن شراحیل الہمدانی متوفی ۷۶ھ) نے حارث الاعور سے کوئی بات سنی، تو ان سے کہا کہ دروازہ پر بیٹھو، پھر مرہ اندر گئے، اپنی تلوار اٹھائی، حارث کو خطرہ محسوس ہوا، بھاگ لئے، مرۃ ثقہ عبادت گذار ہیں، لگتا ہے حارث نے ان سے اپنے غلط عقائد میں سے کوئی بات کہی ہو، جس پر مرّہ نے انھیں قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی، مرّہ کا یہ عمل بھی حارث کو غیر معتبر، اور غیر مقبول بتاتا ہے۔

تراجم رجال:

"الشعبی ": بفتح الشین المعجمہ ان کا نام عامر بن شراحیل ہے، تابعی ہیں کثیر صحابہ سے روایتیں سنی ہیں، ان کا سن

ولادت ۲۰ھ ہے، اور سنہ وفات میں ۱۰۳ھ سے ۱۱۰ھ کے مابین متعدد اقوال ہیں۔

[علقمة]: بن قیس بن عبداللہ بن مالک، ان کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوئی، سیدنا عمر وعثمان وعلی، عبداللہ بن مسعود اور دیگر کبار صحابہ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے ابراہیم نخعی، عامر شعبی اور ابووائل شقیق بن سلمہ وغیرہم نے احادیث سنی ہیں، عظیم محدث وفقیہ ہیں، ابوظبیان کا قول ہے: ''أدركت ناسا من أصحاب النبی ﷺ يسألون علقمة و يستفتونه''، میں نے متعدد صحابہ کو ان سے مسائل پوچھتے اور فتوی معلوم کرتے ہوئے پایا، سن وفات میں ۶۱ھ سے ۷۳ھ تک متعدد اقوال ہیں (تہذیب التہذیب:۸/۲۷۶)۔

[ابراهيم]: بن یزید بن قیس بن اسود ابوعمران النخعی الکوفی الفقیہ، اکثر ائمہ نے ان کی مراسیل کو صحیح مانا ہے۔ ''قال ابن معين : مراسيل ابراهيم أحب اليّ من مراسيل الشعبی ''یحیٰ بن معین نے کہا کہ ابراہیم کی مرسل روایات میرے نزدیک شعبی کی مراسیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں، ۴۹ یا ۵۸ سال کی عمر میں ۹۶ھ میں وفات پائی ہے (تہذیب التہذیب:۱/۱۷۷)۔

[مُرّة الهمدانی]: بن شراحیل سکسکی، ابواسماعیل الکوفی، کثرت عبادت کی وجہ سے مرۃ الخیر اور مرۃ الطیب سے معروف ہیں، تابعی ہیں، صدیق اکبر، عمر فاروق، اور ابن مسعود ودیگر کبار صحابہ ﷺ سے روایت کی ہے، لیکن بعض ائمہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ابوبکر وعمر ﷺ سے ان کی روایتیں مرسل ہیں، ابن مندہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "أدرک النبی ﷺ ولم يره" نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے مگر آپ ﷺ کو دیکھا نہیں ہے (تہذیب التہذیب:۱۰/۸۸)۔

مغیرہ بن سعید، ابوعبدالرحیم:

وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ – يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ – حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا إِبْرَاهِيمُ إِيَّاكُمْ وَالْمُغِيرَةَ بْنَ سَعِيدٍ وَأَبَا عَبْدِ الرَّحِيمِ فَإِنَّهُمَا كَذَّابَانِ.

ترجمہ:

ابن عون کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے ہم لوگوں کو نصیحت کی کہ ہم اپنے کو مغیرۃ بن سعید اور ابوعبدالرحیم سے دور رکھیں ان سے روایتیں نہ لیں، اس لئے کہ وہ دونوں کذاب ہیں۔

تراجم رجال:

[عبدالرحمن بن مهدی] : بن حسان بن عبدالرحمن العنبری، ابوسعید بصری، ائمۂ حدیث میں ان کا شمار ہے، روایت حدیث کی کثرت سے بچتے تھے، اور باللفظ ہی روایت کو پسند کرتے تھے، علی بن المدینی نے ان کو اعلم الناس بالحدیث کہا ہے، ہر رات نصف قرآن کی تلاوت ان کا معمول تھا، ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

[المغیرة بن سعید البجلی، ابو عبدالله الکوفی]: رافضی اور کذاب ہے، جریر بن عبداللہ نے اس کو ساحر کذاب کہا ہے، سب سے پہلے اسی نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انبیاء کرام سے بھی افضل کہتا تھا، دعوی نبوت کے جرم میں خالد بن عبداللہ القسری نے ۱۲۰ھ کے قریب اس کو قتل کیا، (میزان الاعتدال)، امام نوویؒ نے امام نسائی کی کتاب الضعفاء کے حوالہ سے اس کے بارے میں لکھا ہے: کوفی، دجال، أحرق بالنار زمن النخعی ادعی النبوة (شرح مسلم) ان کی وفات ۹۸ھ میں ہوئی ہے، واللہ اعلم۔

[ابو عبدالرحیم]: امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کنیت کے دو آدمی ہیں ایک تو شقیق الضبی جو واعظ تھے، اور میزان میں ان کو قدماء خوارج سے کہا ہے، اور دوسرے سلمہ بن عبدالرحمن النخعی ہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے دونوں کو ضعیف کہا ہے، ان کے علاوہ خالد بن یزید الجمحی مصری (ت ۱۳۹) اور خالد بن یزید الاموی الحرانی (ت ۱۴۴) کی کنیت بھی ابوعبدالرحیم ہے، مگر یہ دونوں ثقہ ہیں جو یہاں مراد نہیں ہیں۔

شقیق:

حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ – وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ – قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيَّ وَنَحْنُ غِلْمَةٌ أَيْفَاعٌ فَكَانَ يَقُولُ لَنَا لاَ تُجَالِسُوا الْقُصَّاصَ غَيْرَ أَبِي الأَحْوَصِ

وَإِيَّاكُمْ وَشَقِيقًا. قَالَ وَكَانَ شَقِيقٌ هَذَا يَرَى رَأْيَ الْخَوَارِجِ وَلَيْسَ بِأَبِي وَائِلٍ.

ترجمہ:

عاصم نے کہا کہ ہم لوگ ابو عبد الرحمن سلمی کے پاس آتے جاتے تھے، حال یہ کہ ہم لوگ قریب البلوغ نوجوان تھے تو وہ ہم سے کہتے تھے کہ ابو الاحوص کے علاوہ واعظین کی مجلس میں شرکت مت کرو اور اپنے کو شقیق سے دور رکھو، (عاصم نے) نے کہا، اور یہ شقیق خوارج کی رائے اپناتے تھے اور یہ ابو وائل نہیں ہیں۔

حل لغات:

[غلمة]: بکسر الغین وسکون اللام، جمع غلام بمعنی نوجوان لڑکا۔

[أيفاع]: جمع ہے، اس کا واحد یافع اور يَفَع آتا ہے، بلوغ کے قریب نوجوان، نوجوان لڑکا۔

[القصاص]: جمع ہے اس کا واحد قاص ہے، قصہ گو، واعظ ومقرر کے معنی میں۔

[رأى الخوارج]: خوارج ایک فرقہ ہے جو متعدد ناموں سے معروف ہے اس کا ایک نام حروریہ بھی ہے، انھوں نے تحکیم کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے "لا حكم إلا لله "کی آواز اٹھائی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہا (العیاذ باللہ)، ان کے خلاف خروج وبغاوت کا اعلان کیا، اور ان سے الگ ہو کر حروراء گاؤں مین جمع ہوئے، ان کے سربراہ شبث بن ربعی، عبد اللہ بن کوّاء اور عبد اللہ بن وہب راسبی ہیں، ان کا مشہور عقیدہ ہے کہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

تشریح:

عاصم سے مراد ابن بہدلہ ہیں بہدلہ جن کی کنیت ابو النجود ہے، عاصم نے زر بن حبیش اور ابو عبد الرحمن السلمی سے قرأت سیکھی ہے، اور اہل کوفہ نے ان کی ہی قرأت کو اختیار کیا ہے، ۱۲۷ھ میں وفات پائی، ان کے مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ ومشائخ اپنے تلامذہ کو نصیحت کا التزام کرتے تھے کہ وہ غیر محتاط واعظین، یا متہم اشخاص سے دور رہیں، ان کی مجالس میں شرکت نہ کریں، اس لئے کہ طالب علمی کا دور متأثر ہونے کا ہوتا ہے، کہیں اُن کے غلط اقوال ومن گھڑت قصوں سے ان کا علم متأثر نہ ہو جائے۔

[ولیس بأبی وائل]: سے اس بات کی وضاحت فرمارہے کہ ابو عبد الرحمن السلمی، عاصم اور ان کے ساتھیوں کو جس شقیق سے دور رہنے کی تاکید فرمارہے ہیں، اس سے وہ شقیق مراد نہیں ہیں جن کی کنیت ابو وائل ہے، اس لئے کہ وہ تو ثقہ ہیں بلکہ جس شقیق سے منع کررہے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں، اور غالباً وہ شقیق الضبی ہیں جن کی کنیت ابو عبد الرحیم ہے، (جن کا تذکرہ اوپر گزرا چکا ہے)۔

تراجم رجال:

[ابو عبدالرحمن السلمی]: ان کا نام عبد اللہ بن حبیب بن ربیّعہ (بالتصغیر) ہے، اپنی کنیت ابو عبد الرحمن سے مشہور ثقہ تابعی ہیں، قراء کے مابین مشہور ہے کہ انھوں نے سیدنا عثمان و علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ہے، امام بخاریؒ نے بھی تاریخ کبیر میں عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع کا قول کیا ہے، اور امام شعبہ، یحییٰ بن معین و دیگر ائمۂ رجال نے یہ صراحت کی ہے کہ سیدنا عثمان وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے انھوں نے نہیں سنا ہے، صحیح بخاری میں ان کی روایت " خیرکم من تعلم القرآن وعلمه" سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے صیغۂ عن سے ہی منقول ہے، کوفہ کے معروف قاری وعالم ہیں، طبقہ ثانیہ سے ہیں ۷۳ھ میں وفات ہے۔

[ابوالاحوص]: یہ عوف بن مالک بن نَضْلہ (بفتح النون و سکون المعجمہ) ہیں ثقہ تابعی ہیں، کئی ایک صحابہ سے روایت کی ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عدم سماع کا بھی قول ہے، بروایت ابن حبان حجاج بن یوسف کے دور میں خوارج کے ساتھ قتال میں شہید ہوئے (الثقات: ۵/ ۲۷۵، ترجمہ رقم ۴۸۱۲)، اور اور خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ نہروان میں بھی خوارج کے قتال میں شریک تھے (۱۲/ ۲۸۵ ترجمہ رقم ۶۷۳۳)، متن میں مذکور ابو عبد الرحمن سلمی کے اس قول کو ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے (دیکھئے ج۸ ص۱۶۹)۔

جابر بن یزید الجعفی:

"حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرًا يَقُولُ لَقِيتُ جَابِرَ بْنَ يَزِيدَ الْجُعْفِيَّ فَلَمْ أَكْتُبْ عَنْهُ كَانَ يُؤْمِنُ بِالرَّجْعَةِ.

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ يَزِيدَ قَبْلَ أَنْ يُحْدِثَ مَا أَحْدَثَ.

وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَحْمِلُونَ عَنْ جَابِرٍ قَبْلَ أَنْ يُظْهِرَ مَا أَظْهَرَ فَلَمَّا أَظْهَرَ مَا أَظْهَرَ اتَّهَمَهُ النَّاسُ فِي حَدِيثِهِ وَتَرَكَهُ بَعْضُ النَّاسِ فَقِيلَ لَهُ وَمَا أَظْهَرَ قَالَ الإِيمَانَ بِالرَّجْعَةِ.

وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ وَأَخُوهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا الْجَرَّاحَ بْنَ مَلِيحٍ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ عِنْدِي سَبْعُونَ أَلْفَ حَدِيثٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهَا.

وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ سَمِعْتُ زُهَيْرًا يَقُولُ قَالَ جَابِرٌ – أَوْ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ – إِنَّ عِنْدِي لَخَمْسِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ مَاحَدَّثْتُ مِنْهَا بِشَيْءٍ. قَالَ ثُمَّ حَدَّثَ يَوْمًا بِحَدِيثٍ فَقَالَ هَذَا مِنَ الْخَمْسِينَ أَلْفًا.

وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْيَشْكُرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْوَلِيدِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَلاَّمَ بْنَ أَبِي مُطِيعٍ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرًا الْجُعْفِيَّ يَقُولُ عِنْدِي خَمْسُونَ أَلْفَ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلاً سَأَلَ جَابِرًا عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ (فَلَنْ أَبْرَحَ الأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ) فَقَالَ جَابِرٌ لَمْ يَجِئْ تَأْوِيلُ هَذِهِ. قَالَ سُفْيَانُ وَكَذَبَ. فَقُلْنَا لِسُفْيَانَ وَمَا أَرَادَ بِهَذَا فَقَالَ إِنَّ الرَّافِضَةَ تَقُولُ إِنَّ عَلِيًّا فِي السَّحَابِ فَلاَ نَخْرُجُ مَعَ مَنْ خَرَجَ مِنْ وَلَدِهِ حَتَّى يُنَادِيَ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ. يُرِيدُ عَلِيًّا أَنَّهُ يُنَادِي اخْرُجُوا مَعَ فُلاَنٍ.يَقُولُ جَابِرٌ فَذَا تَأْوِيلُ هَذِهِ الآيَةِ وَكَذَبَ كَانَتْ فِي إِخْوَةِ يُوسُفَ ﷺ-

وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يُحَدِّثُ بِنَحْوٍ مِنْ ثَلاَثِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ مَا أَسْتَحِلُّ أَنْ أَذْكُرَ مِنْهَا شَيْئًا وَأَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا".

ترجمہ:

۱۔ جریر (بن عبد الحمید) کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن یزید جعفی سے ملاقات کی ہے، میں نے ان سے لکھا نہیں وہ رجعت پر ایمان رکھتے تھے۔

۲۔ مسعر (بن کدام) کہتے ہیں کہ ہم سے جابر بن یزید نے حدیث بیان کیا قبل اس کے کہ وہ اس بدعت کو ظاہر کریں، جو انھوں نے اپنائی۔

۳۔ سفیان نے کہا کہ لوگ جابر سے حدیث سنتے تھے اس سے پہلے کہ وہ ظاہر کریں جو انھوں نے ظاہر کیا، پھر جب انھوں نے ظاہر کر دیا جو انھوں نے ظاہر کیا (یعنی عقیدہ ایمان بالرجعت) لوگوں نے ان کو ان کی حدیث میں متہم قرار دیا، اور کچھ لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا، (سفیان) سے پوچھا گیا انھونے کیا ظاہر کیا؟ تو فرمایا رجعت پر ایمان۔

۴۔ جراح بن ملیح کہتے ہیں کہ میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا، میرے پاس ابو جعفر سے مروی ستّر ہزار حدیثیں ہیں سب کی سب نبی ﷺ سے مروی ہیں (یعنی مرفوع ہیں)۔

۵۔ زہیر کہتے ہیں کہ جابر نے کہا، یا میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا کہ: میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں نے ایک بھی بیان نہیں کی ہے، پھر انھوں نے ایک دن ایک حدیث بیان کی اور کہا یہ اسی پچاس ہزار سے ہے۔

۶۔ سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں: میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول پچاس ہزار حدیثیں ہیں۔

۷۔ حمیدی کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا کہ میں نے ایک آدمی سے سنا جس نے جابر سے قول باری تعالی: {فلن أبرح الأرض حتى يأذن لي أبي ----الآية } (میں تو زمین (یہ جگہ) چھوڑوں گا نہیں جب تک ہمارے باپ حکم نہ دیں یا پھر اللہ تعالی کوئی فیصلہ فرمادیں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں) کا مطلب پوچھا، تو جابر نے جواب دیا (ابھی) اس کا معنی و مصداق ظہور میں نہیں آیا ہے، سفیان نے کہا: اور اس نے غلط کہا، تو ہم نے سفیان سے پوچھا، اس نے اس آیت کا کیا مطلب لیا ہے، تو انھوں نے فرمایا روافض کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں، تو ان کی اولاد میں سے جو (حاکم وقت کے خلاف) خروج یعنی بغاوت کرتا ہے ہم اس کے ساتھ خروج نہیں کرتے، یہاں تک کہ آسمان (بادلوں) سے پکارنے والا پکارے، وہ مراد لیتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کو کہ وہ اعلان کریں گے کہ فلاں کے ساتھ (مل کر) خروج کرو، جابر کہتا ہے کہ اس آیت کہ یہی تفسیر ہے، اور اس نے غلط کہا، یہ

آیت تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ہے۔

۸۔ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے جابر کو تقریباً تیس ہزار حدیثیں بیان کرتے سنا، میں حلال نہیں سمجھتا کہ اس میں سے ایک بھی ذکر کروں، اور ہو میرے لئے اتنا اور اتنا (یعنی اس کی روایت پر مجھے کثیر مال ملے)۔

حل لغات:

"قبل أن يُحدث ما أحدث": مجرد میں حَدَث الشئ(ن)" بمعنی "تَجدَّد وُجودُه"، کسی شئے کا وجود ہونا، ظاہر ہونا، لازم ہے، اور باب افعال سے متعدی ہے، نئی چیز کو وجود دینا، "محدثات الأمور" اسی سے ہے "وهي التى ابتدعه اهل الأهواء" محدثات سے مراد وہ دینی امور جس کو اہل بدعت ایجاد کرتے ہیں یہاں پر "ماأحدث" سے مراد اسکا ایمان بالرجعت ہے۔

"يحملون عن جابر": یعنی "يسمعون منه و يأخذون عنه الحديث" اس سے حدیثیں سنتے اور قبول کرتے تھے۔

"الرافضة": اس کی جمع روافض ہے شیعوں کا دوسرا نام ہے، فعل رفض (ن، ض) سے مستعمل ہے بمعنی چھوڑ دینا، کنارہ کش ہونا، نامنظور کرنا، یہ لوگ زید بن علی کے ساتھ تھے، ان لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تک آپ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار نہیں کریں گے ہم آپ کا تعاون نہیں کریں گے، تو زید بن علی نے کہا" لاأقول فيهما إلاخيراً ، وما سمعت أبى يقول فيهما إلا خيراً "[میں ان دونوں کے بارے میں خیر کا ہی قائل ہوں، اچھا خیال رکھتا ہوں، اور میں نے اپنے والد کو بھی ان کے متعلق خیر کا ہی قول کرتے ہوئے سنا ہے]، تو ان لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، "ففارقوه عند ذلک حتى قال لهم رفضتمونى، و من يومئذسمواراافضة "، [تو وہ لوگ اس بات پر ان سے الگ ہوگئے، یہاں تک کہ زید نے ان سے کہا، رفضتمونى ، تم لوگوں نے مجھ سے الگ اپنی راہ اپنائی، اور اسی دن سے رافضی ان کا نام پڑ گیا] (الفرق بین الفرق ص ۲۵)۔

"وأن لى كذاوكذا": کسی چیز سے کنایہ کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور سیاق وسباق سے اس کی تعیین ہوتی ہے، یہاں پر مراد ہوگا "وأن لى كذا وكذا مالا "، یعنی اس میں سے کسی ایک حدیث کی روایت کے عوض مجھے کثیر مال دیا

جائے تب بھی میں ایک حدیث کی روایت کو بھی حلال نہیں سمجھتا۔

تراجم رجال:

[ابو جعفر]: اس سے مراد محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب الہاشمی ابو جعفر الباقر ہیں، ان کی والدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، کثیر الحدیث ثقہ اور فقیہ محدث ہیں، کثرت علم کی وجہ سے ان کا لقب باقر ہے، "لأنه بقر ا لعلم أي شقه و فتحه فعرف اصله و تمكن فيه" [اس لئے کہ انھوں نے علم کو کھنگال ڈالا، اس کو پھاڑا اور کھولا، اس کی اصل تک پہونچے اور اس پر قابو پایا]، بقر بمعنی پیٹ پھاڑنا، واضح کرنا، زمین میں پانی کی کھوج لگانا، ۱۱۴ھ میں ان کی وفات ہے۔

[جابر بن يزيد الجعفی]: ابو عبد اللہ الکوفی، ائمہ حدیث کے اقوال ان کے بارے میں مختلف ہیں، شعبہ اور وکیع نے انھیں ثقہ اور صدوق کہا ہے، ثوری کہتے ہیں "مارأيت أورع في الحديث منه" [میں نے حدیث میں ان سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں پایا]، اور ابو عوانہ سے منقول ہے کہ سفیان اور شعبہ مجھ کو جابر الجعفی سے منع کرتے تھے اور جب میں جابر کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ آپ کے پاس کون لوگ آئے تھے تو وہ سفیان اور شعبہ کا نام لیتے (ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں کا اس کے پاس جانا محض اس لئے ہوتا تھا تاکہ اس کی احادیث سے واقفیت رہے)، یحیی بن سعید القطان، یحیی بن معین، نسائی، ابن عیینہ وغیرہ سب نے انھیں کذاب اور متروک کہا ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے امام ابو حنیفہ نے انہیں کذاب قرار دیا، یحیی بن معین کے بقول ان کی وفات ۱۳۲ھ میں ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے جو روایات ذکر کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کی محدثین نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، مگر جب انھوں نے اپنی بدعت کو ظاہر کیا تو لوگوں نے انھیں متہم قرار دیا، جیسا کہ حمیدی نے سفیان سے اور یحیی بن آدم نے مسعر بن کدام سے نقل کیا ہے۔

"كان يومن بالرجعة": عبد اللہ بن سبا الحمیری یہودی نے بظاہر اسلام کا دعوی کیا، اور اہل بیت کی محبت کا دم بھر کے اسلام کے منافی کئی عقائد کی ترویج کی ہے، اس میں سے ایک رجعت کا عقیدہ ہے، پہلے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس عقیدہ کا قول کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں لوٹ کر آئیں گے، اور آیت کریمہ: "إن الذی فرض

علیک القرآن لرادک إلی معاد" (سورۃ القصص:۸۵) سے استدلال کیا، کہتا تھا کہ تعجب ہے لوگ عیسی علیہ السلام کے بارے میں دنیا میں آنے کے قائل ہیں، اور محمد ﷺ کے لئے انکار کرتے ہیں، پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبوت اور اسکے بعد انکی الوہیت کا قول کیا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، تو اس نے ان کی موت کا انکار کیا اور کہا کہ وہ آسمان میں چلے گئے اور بادلوں میں چلتے پھرتے ہیں، وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے اور دنیا کو انصاف سے بھر دیں گے، جبکہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں جابر بن عبد اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "معاد " سے مراد مکہ مکرمہ ہے، قعنبی کا قول ہے "معاد الرجل بلده لأنه ينصرف ثم يعود" آدمی کا معاد اس کا وطن ہے کیونکہ آدمی جاتا ہے پھر لوٹ کے آتا ہے، مقاتل سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ منورہ کے لئے رات میں غار سے نکلے، تو آپ نے تعاقب کرنے والوں کی نظر میں آنے سے بچنے کے لئے، معروف راستہ کو چھوڑ دیا، پھر جب آپ ﷺ معروف راستہ پر آئے اور جحفہ میں قیام کیا، تو راستہ کو دیکھ کر آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ کا شوق پیدا ہوا، اس موقع پر آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ آیت مقام جحفہ میں نازل ہوئی ہے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ معاد سے مراد جنت ہے، اور بعض نے قیامت مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی و دیگر کتب التفسیر)

فی نفسہ رجعت کا عقیدہ، روافض کے تمام فرقوں میں پایا جاتا ہے، کوئی کسی امام کی رجعت کا قائل ہے اور کوئی کسی امام کی رجعت کا، سفیان (بن عیینہ) نے آیت کریمہ "فلن أبرح الأرض۔۔۔الآية" کے متعلق جابر جعفی کے قول "لم يجئ تاويل هذه" (اس کی تفسیر ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے) کی وضاحت کیا ہے، کہ روافض کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں، ہم ان کی اولاد میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیں گے، اس کے ساتھ مل کر خروج نہیں کریں گے جب تک آسمان سے علی رضی اللہ عنہ یہ اعلان نہ کریں کہ فلاں کا ساتھ دو جب کہ یہ آیت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق ہے۔

جابر جعفی کا یہ بھی قول ہے کہ میرے پاس ستر ہزار اور کبھی اس نے کہا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن کی میں نے ابھی روایت نہیں کی ہے، خود سفیان کہتے ہیں کہ میں نے جابر کو تقریباً تیس ہزار

حدیثیں بیان کرتے ہوئے سنا جن میں سے کسی کی روایت کو بھی میں حلال نہیں سمجھتا اگرچہ میرے لئے دولت کا انبار لگا دیا جائے (سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ابو محمد الکوفی ہیں) جریر نے کہا کہ میری جابر سے ملاقات ہے مگر میں نے ان سے حدیث نہیں لی کیونکہ وہ رجعت پر ایمان رکھتے ہیں۔

حارث بن حصیرۃ:

قَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ أَبَا غَسَّانَ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرٍو الرَّازِيَّ قَالَ سَأَلْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ الْحَمِيدِ فَقُلْتُ الْحَارِثُ بْنُ حَصِيرَةَ لَقِيتَهُ قَالَ نَعَمْ. شَيْخٌ طَوِيلُ السُّكُوتِ يُصِرُّ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ.

ترجمہ:

ابو غسان نے کہا کہ میں نے جریر بن عبد الحمید سے دریافت کیا کہ حارث بن حصیرۃ سے آپ کی ملاقات ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں اکثر خاموش رہنے والے شیخ ہیں، ایک بڑی (سنگین) بات پر مصر ہیں، جمے ہوئے ہیں۔

حل لغات:

"یصر علی امرعظیم": باب افعال سے مصدر (اصرار) ہے، "أصرّ علی الأمرِ بمعنی عزم"، کسی بات پر جما رہنا، برائی پر اصرار کیلئے زیادہ مستعمل ہے، یہاں "أمر عظیم" پر اصرار سے مراد ان کا ایمان بالرجعۃ کے عقیدہ پر مصر ہونا ہے۔

تراجم رجال:

[حارث بن حصیرۃ]: حاء پر فتحہ اور صاد پر کسرہ کے ساتھ، یہ جابر جعفی کے شاگرد ہیں، ابو احمد الزبیری نے ان کے بارے میں بتایا کہ رجعت پر ایمان رکھتے تھے، دار قطنی نے غالی شیعہ رہنما کہا ہے، ابن معین، نسائی اور عقیلی نے ثقہ کہا ہے۔

ایوب سختیانی کی اپنے کسی پڑوسی پر جرح:

١-حَدَّثَنِی أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ذَكَرَ أَيُّوبُ رَجُلاً يَوْمًا فَقَالَ لَمْ يَكُنْ بِمُسْتَقِيمِ اللِّسَانِ وَذَكَرَ آخَرَ فَقَالَ هُوَ يَزِيدُ فِی الرَّقْمِ.

٢-حَدَّثَنِی حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ قَالَ أَيُّوبُ إِنَّ لِی جَارًا – ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ فَضْلِهِ – وَلَوْ شَهِدَ عِنْدِی عَلَى تَمْرَتَيْنِ مَا رَأَيْتُ شَهَادَتَهُ جَائِزَةً.

ترجمہ:

١- حماد بن زید نے کہا کہ ایک دن ایوب نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا، تو کہا کہ وہ زبان پر قائم رہنے والا نہیں ہے، اور ایک دوسرے شخص کا ذکر کیا تو کہا، وہ گنتی (قیمت) میں بڑھا دیتا ہے۔

٢- حماد بن زید نے کہا کہ ایوب نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے، پھر انھوں نے اس کی خوبیاں بیان کیں، (پھر مزید کہا) اگر وہ میرے سامنے دو کھجوروں کے بارے میں بھی گواہی دے تو میں اس کی گواہی نافذ (معتبر) نہیں سمجھتا۔

حل لغات:

"**الرقم**": لکھنا، کپڑے وغیرہ پر قیمت لکھا ہوا کاغذ کا پرچہ، چِٹ، اسٹیکر (Sticker)۔

تشریح:

"**لم یکن بمستقیم اللسان ، و ذکر آخر فقال هو یزید فی الرقم**": یہ دونوں جملے جرح کیلئے استعمال کئے گئے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مجروح اور غیر ثقہ راویوں پر ائمہ محدثین اور علماء نے جرح کیا ہے، ان کے عیوب پر لوگوں کو مطلع کیا ہے، اسے غیبت نہیں سمجھا گیا ہے۔

"**یزید فی الرقم**": لکھنے میں زیادہ کر دیتا ہے، رقم کے متعدد معانی آتے ہیں، لکھنا، نقش و نگار، گنتی اور اعداد نیز کپڑے پر قیمت لکھی ہوئی چٹ، یعنی خریدار کو دھوکہ دے کر زیادہ نفع حاصل کرنے کیلئے اسکی اصل قیمتِ خرید کو بڑھا کر لکھ دیا جائے، ممکن ہے کہ اس شخص کے اندر یہ عیب حقیقۃً پایا جاتا ہو اور اس کی وجہ سے اسے قابل روایت نہ سمجھا گیا ہو، اس صورت میں یہ جرح مفسر ہو گی، یا اس کے ضبط و اتقان کی کمزوری سے کنایہ کیا گیا ہو، کہ حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی کر دیتا ہے،" ثُمّ اسْتَعمَلهُ الْمحدّثون فيمَن يَكذِب و يزيدُ فی حديثه"

پھر محدثین نے اس کا استعمال ان لوگوں کے بارے میں کر لیا جو جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی حدیث میں اضافہ کر دیتے ہیں(النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر)، اسی طرح ایوب اپنے کسی پڑوسی کے بارے میں خبر دے رہے ہیں، کہ ان کے اندر زہد، تقوی، اور عبادت وریاضت تو پائی جاتی ہے، انکے فضائل ہیں، مگر حفظ وضبط کا اہتمام نہیں ہے، بھولا پن اور غفلت ہے، معمولی چیز پر بھی انکی گواہی قابل قبول نہیں۔

عبدالکریم ابوامیہ:

’’وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ قَالَ مَعْمَرٌ مَا رَأَيْتُ أَيُّوبَ اغْتَابَ أَحَدًا قَطُّ إِلاَّ عَبْدَ الْكَرِيمِ - يَعْنِي أَبَا أُمَيَّةَ - فَإِنَّهُ ذَكَرَهُ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ لَقَدْ سَأَلَنِي عَنْ حَدِيثٍ لِعِكْرِمَةَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ‘‘.

ترجمہ:

معمر نے کہا کہ میں نے ایوب کو نہیں دیکھا کہ کبھی انھوں نے کسی کی غیبت کی ہو، سوائے عبدالکریم یعنی ابوامیہ کی، اسلئے کہ انھوں نے ان کا ذکر کیا تو کہا، اللہ ان پر رحم کرے، وہ غیر ثقہ تھے مجھ سے عکرمہ کی ایک حدیث دریافت کی، پھر انھوں نے کہا میں نے عکرمہ سے سنا ہے۔

حل لغات:

’’ ما رأيت أيوب اغتاب أحدًاقط‘‘:راوی پر جرح کو غیبت سے تعبیر کیا جائے، تو اس سے پہلے ایوب کا کلام کئی راویوں کے بارے میں گزر چکا ہے، ممکن ہے معمر کے سامنے ایوب کا جرح کرنا صرف عبدالکریم ابوامیہ کے متعلق پیش آیا ہو، اور انھوں نے اپنے علم کے لحاظ سے کہا ہو’’ما رأيت أيوب اغتاب احداقط‘‘، ورنہ راویوں پر جرح کرنا غیبت نہیں ہے، یا ممکن ہے یہ بتانا مقصود ہو کہ وہ علماء جو غیبت سے غایت درجہ بچتے تھے، انھوں نے بھی مجروح راویوں پر جرح کے ذکر سے احتراز نہیں کیا۔

’’عبدالكريم يعنى أبا امية ‘‘: یعنی کا اضافہ عبدالکریم کی وضاحت کے لئے ہے، کیونکہ عبدالکریم نام کے

متعدد رواۃ ہیں جن سے سنن میں روایتیں مذکور ہیں۔

تشریح:

عبدالکریم نے ایوب سے عکرمہ کی ایک حدیث معلوم کی پھر اسے براہ راست عکرمہ سے روایت کرنے لگے، یہ پہلے گزر چکا ہے کہ صرف اتنی بات پر کسی کی تضعیف درست نہیں، ممکن ہے انھوں نے عکرمہ سے پہلے سنا ہو بھول گئے ہوں اور ایوب سے پوچھ لیا ہو، یا ایوب سے سننے کے بعد پھر عکرمہ سے سنا ہو اور علو کے طور پر عکرمہ سے روایت کرتے ہوں، اس لئے صرف اتنی بات پر ان کی تضعیف نہیں کی جارہی، بلکہ دوسرے قرائن سے ان کا عکرمہ سے نہ سننا معلوم ہے، نیز دیگر اسباب جرح سے انھیں ضعیف کہا گیا۔

تراجم رجال:

" **عبدالکریم** " بن ابو المخارق، (بضم المیم وبالخاء المعجمہ وفی آخرہ راء و قاف)، ان کا نام قیس ہے اور عبدالکریم کی کنیت ابواُمَیَّہ ہے، ضعیف ہیں، ابو العالیہ، ایوب، ابن عیینہ، نسائی، دار قطنی سبھی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام مالکؒ نے ترغیب سے متعلق ایک حدیث ان سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کو ان کی ظاہری شکل وصورت سے دھوکہ ہوگیا، کیونکہ یہ ان کے شہر کے نہیں تھے، عبدالرحمن بن مہدی اور یحیی بن سعید نے ان سے روایت نہیں کی ہے، عبدالکریم نام کے ایک راوی اور ہیں جن کے والد کا نام مالک ہے، وہ جزری ہیں ان کی کنیت ابوسعید حرانی ہے وہ ثقہ ہیں، بخاری ومسلم میں انھیں کی روایتیں ہیں، ابو امیہ کی نہیں ہیں (تہذیب التہذیب: ۶/۳۷۶)۔

ابوداؤد اعمی:

"حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا أَبُو دَاوُدَ الأَعْمَى فَجَعَلَ يَقُولُ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ قَالَ وَحَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ. فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِقَتَادَةَ فَقَالَ كَذَبَ مَا سَمِعَ مِنْهُمْ إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ سَائِلاً يَتَكَفَّفُ النَّاسَ زَمَنَ طَاعُونِ الْجَارِفِ".

"وَحَدَّثَنِي حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ قَالَ دَخَلَ أَبُودَاوُدَ

الأَعْمَى عَلَى قَتَادَةَ فَلَمَّا قَامَ قَالُوا إِنَّ هَذَا يَزْعُمُ أَنَّهُ لَقِيَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ بَدْرِيًّا. فَقَالَ قَتَادَةُ هَذَا كَانَ سَائِلاً قَبْلَ الْجَارِفِ لاَ يَعْرِضُ فِي شَيْءٍ مِنْ هَذَا وَلاَ يَتَكَلَّمُ فِيهِ. فَوَاللَّهِ مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً. وَلاَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً إِلاَّ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ."

ترجمہ:

۱- ہمام نے کہا کہ ابو داوٗد نابینا ہمارے پاس آئے، اور کہنے لگے، کہ ہم سے براء رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، ہم سے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، (ہمام کہتے ہیں) ہم نے حضرت قتادہ سے اس کا تذکرہ کیا، تو انھوں نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا، ان حضرات سے نہیں سنا ہے، وہ تو ایک بھکاری تھا، طاعون جارف (ہلاکت خیز طاعون) کے زمانہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگتا تھا۔

۲- ہمام نے کہا کہ ابو داوٗد نابینا حضرت قتادہ کے پاس آئے، پھر جب چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے، تو قتادہ نے کہا یہ شخص ہلاکت خیز وباء سے پہلے ایک بھکاری تھا اس (حدیث سننے سنانے) کا نہ اسے کچھ خیال تھا، اور نہ اس کی گفتگو ہی کرتا تھا، بخدا حسن (بصری) نے بلاواسطہ کسی بدری صحابہ سے ہم کو حدیث نہیں سنائی، اور نہ سعید بن مسیّب نے کسی بدری صحابہ سے بلاواسطہ ہم کو حدیث سنایا، سوائے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے، (صرف اسی ایک بدری صحابی سے سعید بن مسیّب نے حدیث نقل کی ہے، جب کہ سعید بن مسیب کبار تابعین سے ہیں)۔

حل لغات:

[يتكفف]: يطلب بكفه: ہاتھ پھیلا کر مانگتا تھا، "استكفَّ السائلُ : طلب بكفه كتكفّف" (القاموس) یعنی استکف اور تکفف ایک ہی معنی میں مستعمل ہے، ہاتھ پھیلا کر مانگنا۔

[طاعون]: ایک معروف مہلک وبائی مرض ہے، بغل میں، انگلیوں میں، اور سارے بدن میں تکلیف دہ پھنسیاں نکل آتی ہیں جن میں کافی جلن ہوتی ہے، اور ان کے ارد گرد کی جلد سرخ، سیاہ یا سبز ہو جاتی ہے، حدیث میں وارد ہے: "الطاعونُ شهادةُ كل مسلم" طاعون میں کسی مسلمان کی موت شہادت کے حکم میں ہے۔

[جارف] : صفایا کر دینے والا، سب کچھ بہا لے جانے والا، (ن) خود جارف کا اطلاق عام موت اور طاعون پر بھی ہوتا ہے، طاعون جارف: ایسا طاعون جس میں بہت زیادہ موت واقع ہوئی ہو۔

[مشافهةً] : بالمشافہ، آمنے سامنے بات کرنا، (بلاواسطہ)، باب مفاعلت سے، شفۃ کا معنی ہونٹ۔

تشریح:

حضرت قتادہ سے ابو داؤد الاعمی کا تذکرہ کیا گیا، جن کا دعوی تھا کہ انھیں اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، نیز قتادہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ کہتے ہیں: "حدثنا البراء" (متوفی ۷۲ھ) "حدثنا زيد بن ارقم" (متوفی ۶۶ھ)، تو قتادہ نے انھیں کاذب قرار دیا، اور وجہ یہ بتلائی کہ جو زمانہ ان کا طلب علم کا تھا، اس وقت انھیں علم سے کوئی لگاؤ تھا نہ علم ان کا مشغلہ تھا، اس دور میں تو یہ ایک بھکاری تھے، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگا کرتے تھے، اور اس دور کیلئے انھوں نے طاعون جارف کا ذکر کیا، جس میں بہت زیادہ موت واقع ہوئی، اس طرح کے طاعون کئی ایک ہوئے، ظاہر ہے کہ یہاں پر وہی طاعون مراد ہوگا، جو قتادۃ کی ولادت کے بعد واقع ہوا ہو، اور اس کا انھیں ہوش بھی ہو، حضرت قتادہ کی ولادت ۶۱ھ میں ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے ابن قتیبہ کی معارف سے نقل کیا ہے کہ ۶۷ھ میں ایک طاعون ہوا تھا، اور "البدایہ والنہایہ" ج۹/ص ۳۰ میں ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے کہ ۷۹ھ میں ایک خطرناک طاعون پھیلا تھا، امام نووی نے ۸۷ھ میں بھی ایک طاعون کے وقوع کا ذکر کیا ہے، ۶۷ھ میں حضرت قتادۃؒ کی عمر چھ سال تھی، اسلئے ممکن ہے یہاں وہی مراد ہو، مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ ۷۹ھ کا طاعون مراد لیا جائے، دوسری روایت میں مذکورہ لفظ "قبل الجارف" سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ۷۹ھ میں قتادہ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ابو داؤد الاعمی بھی ان کے قریب العمر ہیں، طلب علم کا وہی زمانہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ کسی راوی کی حیثیت متعین کرنے کے لئے، حالات، ماحول اور تاریخ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے انھیں قرائن کو سامنے رکھ کر ابو داؤد الاعمی کو کاذب قرار دیا، اور سعید بن المسیّب اور حسن بصری رحمہما اللہ کا حوالہ دیا، جو ابو داؤد الاعمی سے عمر میں کافی بڑے ہیں، اور تعلیم و تعلم ان کا مشغلہ بھی رہا ہے، پھر بھی ان حضرات نے کسی بدری صحابی سے بلاواسطہ روایت نہیں کی، سوائے حضرت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے، کہ صرف انھیں سے سعید بن المسیّب رحمہ اللہ نے بلاواسطہ روایت کیا ہے، اسلئے ابوداوٗد الاعمی کا یہ کہنا کہ "حدثنا البراء" یا "حدثنا زید بن أرقم" یاان کا یہ کہنا کہ انھیں اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کاشرف حاصل ہے، سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔

تراجم رجال:

[أبوداؤد الأعمی]: ان کا نام نُفَیْع بن الحارث ہے، کنیت سے ہی مشہور ہیں واعظ ہیں، منکر الحدیث، ضعیف اور متروک کہے گئے ہیں، موضوع احادیث کی روایت کی ہے، ابن معین نے ان کی تکذیب کی ہے، ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے، طبقۂ خامسہ سے ہیں، ۱۲۰ اور ۱۳۰ کے مابین ان کی وفات ہے، نافع نام ہونے کا بھی قول ہے۔

[سعید بن المُسَیَّب]: (میم پر ضمہ، سین اور یائے مشدد پر فتحہ، نیز یاء پر کسرہ بھی مروی ہے) بن حَزْن کبار تابعین میں سے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: " أفضلُ التابعین سعید بن المسیّب ، وقال علی بن المدینی لا أعلم فی التابعین أوسع علما من سعید بن المسیّب" تابعین میں سب سے افضل سعید بن مسیب ہیں، اور علی بن مدینی نے کہا، مجھے تابعین میں سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع علم والا کوئی معلوم نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال ان کی ولادت ہے، اور ۱۰۰ھ میں وفات ہے۔

[سعد بن مالک]: اس سے مراد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، ابو وقاص، ان کے والد مالک بن اُھیب کی کنیت ہے، "احد العشرة المبشرة، وأحد الستة أهلِ الشوری، وسابع سبعة فی الإسلام، وأحد الفرسان من قریش، فاتح قادسیه"، مشہور قول کے مطابق ۵۵ھ میں وفات ہے "وهو آخر العشرة وفاةً"، عشرۂ مبشرہ اور چھ اہل شوری میں سے ایک، اور اسلام لانے والوں میں ساتویں، اور قریش کے شہسواروں میں سے ایک ہیں، قادسیہ کو فتح کرنے والے ہیں، عشرہ مبشرہ میں سب سے اخیر میں ان کی وفات ہے۔

[قتادة]: یہ قتادۃ بن دِعامۃ (بکسر الدال) سدوسی ہیں، زبردست حافظ حدیث ہیں، ان کے حافظہ کے متعلق سعید بن المسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے، "ما کنت أظن أن الله خلق مثلک" پیدائشی نابینا تھے، ۶۱ھ میں ولادت اور ۱۱۷ھ میں وفات ہے۔

ابو جعفر ہاشمی مدنی:

"حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ رَقَبَةَ أَنَّ أَبَا جَعْفَرٍ الْهَاشِمِيَّ الْمَدَنِيَّ كَانَ يَضَعُ أَحَادِيثَ ،كَلاَمَ حَقٍّ وَلَيْسَتْ مِنْ أَحَادِيثِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ يَرْوِيهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ".

ترجمہ:

رقبہ سے مروی ہے کہ ابو جعفر ہاشمی مدنی، حدیثیں وضع کرتا تھا، حق باتیں، حال یہ کہ وہ نبی ﷺ کی احادیث سے نہ ہوتیں، اور وہ ان کو نبی ﷺ سے منقول روایت کرتا تھا۔

حل لغات:

" کلام حق ": منصوب ہے، احادیث سے بدل ہے، یعنی کلام حق ہوتا، مگر رسول اللہ ﷺ سے منقول نہ ہوتا۔

تشریح:

یعنی ایسا کلام جو معنی اور مطلب کے اعتبار سے صحیح ہوتا، خیر اور حکمت و دانائی کی بات ہوتی، مگر اللہ کے رسول ﷺ سے منقول نہ ہوتی اور یہ ابو جعفر ہاشمی عبداللہ بن مسور مدائنی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے آپ کی حدیث کے طور پر روایت کرتا تھا، وضع حدیث کی دو صورت ہے، ایک تو یہ کہ خود گھڑ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کریں، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر کے کلام کو آپ کی طرف منسوب کرکے روایت کریں، امام مسلم رحمہ اللہ نے شروع مقدمہ مین متہمین کے ضمن میں ان کا تذکرہ کیا ہے، وہاں "المدائنی" کہا ہے، اور یہاں "المدنی" مذکور ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، "نزیل المدائن" یعنی انھوں نے مدائن میں سکونت اختیار کرلی تھی اس لئے مدائنی کہلائے۔

مدینی، مدنی اور مدائنی کا فرق:

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں مدینی اور مدنی مدینۃ النبی ﷺ کی طرف نسبت ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ مدینی (یاء کے ساتھ) اس شخص کیلئے کہا جائے گا جس نے مدینہ الرسول ﷺ میں اقامت

دائمی اختیار کی، وہاں سے منتقل نہیں ہوا، اور مدنی (بغیر یاء) اس کو کہیں گے جو مدینہ کا تھا اور وہاں سے منتقل ہو گیا، نیز "المغنی فی ضبط اسماء الرجال" اور "القاموس المحیط" میں ہے، کہ مدینۃ النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف نسبت کریں گے تو مدنی (بغیر یاء) کہیں گے، اور مدینۃ منصور، اصبہان یا ان کے علاوہ کسی اور شہر کی طرف نسبت کریں گے تو مدینی (یاء کے ساتھ) کہیں گے، اور مدائن، بغداد کے قریب کسریٰ کے شہر کا نام ہے، عظیم شہر ہونے کی وجہ سے اس کا نام مدائن پڑا "سُمِّيَتْ لِكِبَرِها" (لہٰذا اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدائنی کہیں گے)۔

یہاں پر یہ توجیہ کی جائے گی کہ ابو جعفر عبد اللہ بن مسور ہاشمی مدینہ کے رہنے والے تھے اس لئے مدنی بھی کہے گئے، اور وہاں سے منتقل ہو کر مدائن کو اپنا مسکن بنالیا، اس لئے المدائنی بھی کہلائے۔

تراجم رجال:

رقبة: راء اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، ابن مَسْقَلَۃ (مصقلہ بفتح القاف واللام) بن عبد اللہ الکوفی ثقہ اور مامون حافظ حدیث ہیں، ثابت البنانی اور نافع مولی ابن عمر اور دیگر کثیر لوگوں سے حدیثیں سنی ہیں ۱۲۹ھ میں وفات ہے۔

ابو جعفر الهاشمی مدنی: یہ عبد اللہ بن مسور بن عون بن جعفر بن ابو طالب مدائنی ہیں، غیر ثقہ ہیں، امام احمد وغیرہ نے ان کی احادیث کو موضوع بتایا ہے، نسائی اور دار قطنی نے متروک کہا ہے، ان کے نسب میں ایک قول یحیی سے یہ منقول ہے کہ " **هو عبد الله ابن محمد بن مسور بن محمد بن جعفر** "لسان المیزان میں رقبہ کا قول یہ مذکور ہے:" **جرير عن رقبة أن عبد الله ابن مسور المدايني وضع أحاديث على رسول الله ﷺ فاحتملها الناس** "(لسان المیزان ۳/ ۳۶۰)۔

عمرو بن عبید:

"حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ كَانَ عَمْرُو بْنُ عُبَيْدٍ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ".

"حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ أَبُو حَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَ بْنَ مُعَاذٍ يَقُولُ قُلْتُ لِعَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلَةَ إِنَّ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ « مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا » قَالَ كَذَبَ وَاللَّهِ عَمْرٌو وَلَكِنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَحُوزَهَا إِلَى قَوْلِهِ الْخَبِيثِ".

ترجمہ:

امام مسلم رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے حسن حلوانی نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے نعیم بن حماد نے بیان کیا، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نے کہا کہ ہم سے محمد بن یحیی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے نعیم بن حماد نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے ابوداوٗد طیالسی نے بیان کیا شعبہ سے اور انھوں نے یونس بن عبید سے انھوں نے کہا کہ عمرو بن عبید روایت حدیث میں کذب بیانی کرتا تھا۔

معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عوف بن ابی جمیلہ سے کہا کہ عمرو بن عبید نے ہم سے حسن سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، تو عوف بن ابی جمیلہ نے کہا: بخدا عمرو نے غلط کہا، بلکہ اس نے چاہا کہ اس حدیث کو اپنے گندے قول (عقیدہ) کے ساتھ جمع کرے (اس سے تائید حاصل کرے)۔

حل لغات:

[**یحوزھا**]: اس کو جمع کرلے، شامل کرلے، (ن) حاز یحوز حوزاً، "الجمع وضم الشی"، جمع کرنا، ملانا۔

تشریح:

"قال ابواسحاق ابراهيم بن محمد بن سفيان وحدثنا محمد بن يحيى": یہ ابواسحاق، امام مسلم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اور صحیح مسلم کے راوی ہیں، چنانچہ یہ روایت انھوں نے امام مسلم رحمہ اللہ سے تو سنا ہی ہے، مگر اس سند سے ان کے اور نعیم بن حماد کے درمیان دو واسطے ہیں، امام مسلم اور حسن حلوانی، اور یہی روایت ابواسحاق نے محمد بن یحیی ذہلی سے بھی سنی ہے جنھوں نے نعیم بن حماد سے سنا ہے، جس کی وجہ سے ان کی سند عالی ہوگئی کیونکہ ان کے اور نعیم بن حماد کے مابین ایک واسطہ ہی رہ گیا محمد بن یحییٰ ذہلی کا، اور چونکہ وہ صحیح مسلم کے

راوی ہیں، اسلئے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنی طرف سے اپنی اس سند کا بعد میں اضافہ کیا ہے، لہذا مذکورہ جملہ امام مسلم رحمہ اللہ کا نہیں ہے، اسی لئے قال ابو اسحاق سے واضح کر دیا۔

"**كان عمرو بن عبيد يكذب في الحديث**": یونس بن عبید نے عمرو بن عبید کے متعلق بتلایا کہ وہ حدیث کی روایت میں کذب بیانی کرتے تھے، اور دوسری روایت میں عوف بن ابی جمیلہ نے بھی عمرو بن عبید کی ایک روایت میں انھیں جھوٹا قرار دیا، اور وہ روایت "**من حمل علينا السلاح فليس منا**" ہے جو ایک صحیح حدیث ہے، متعدد طرق سے مروی ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اس کو ذکر کیا ہے، اس لئے عوف بن أبي جمیلہ کا قول: "**كذب والله عمرو**" اس حدیث کے متعلق نہیں ہے، بلکہ عمرو بن عبید کے قول "**عن الحسن**" کے متعلق ہے، یعنی عمرو بن عبید نے اس حدیث کو حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرنے میں کذب بیانی کی ہے، اور اس روایت کی نسبت حسن بصریؒ کی طرف کرنے میں غلطی کی ہے، اس لئے کہ عوف بن ابی جمیلہ بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اور ان کی احادیث کا علم رکھتے ہیں، لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو حضرت حسن بصریؒ نے اس حدیث کی روایت کی ہی نہیں، یا عمرو بن عبید نے اس حدیث کو حضرت حسن بصری سے سنا نہیں ہے، حمید اور ابن عون نے بھی عمرو بن عبید کے بارے میں یہ صراحت کی ہے کہ "**يكذب على الحسن**"، یعنی کچھ ایسی احادیث جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی نہیں ہیں انکی طرف منسوب کر کے روایت کرتے ہیں۔

"ولكنه اراد أن يحوزها إلى قوله الخبيث": عمرو بن عبید معتزلی ہے، اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کبائر کا ارتکاب مومن کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے، اور وہ مخلد فی النار ہوتا ہے، اور مذکورہ حدیث میں "**فليس منا**" کا ظاہری معنی یہی ہے کہ وہ ہم (مومنین) میں سے نہیں ہے، اس لئے عمرو بن عبید نے اس حدیث کی روایت حسن بصری رحمہ اللہ سے کر کے اپنے عقیدہ فاسدہ کی تقویت و تائید کرنی چاہی ہے کیونکہ حسن بصری رحمہ اللہ کی بصرہ میں نیز علماء و محدثین میں ایک اہم حیثیت تھی، اس لئے ان کی طرف سے کسی ایسی حدیث کی روایت، جس کا ظاہری معنی مبتدعین کے کسی قول فاسد کا مؤید ہو، مبتدعین کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے، اور عامۃ المسلمین کی تشویش کا باعث ہو سکتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ منصور بن عبد الرحمن نے "**عن الشعبي عن جرير: أيما**

عبدأبق من موالیه فقد کفر حتی یرجع إلیهم"(جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے تو اس نے کفر کیا جب تک ان کی طرف لوٹ نہ آئے) کی روایت کرتے وقت کہا" **قد واللہ رُوی عن النبی ﷺ ولکن أکرہ أن یروی عنی ھٰھنا بالبصرۃ**"(بخدا یہ نبی ﷺ سے مروی ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہاں بصرہ میں میری طرف سے اس کی روایت کی جائے)،(صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۲۲) اسلئے کہ اس کا بھی ظاہری معنی یہی ہے کہ عبد آبق کافر ہو جاتا ہے، جو بعینہ معتزلہ و خوارج کا عقیدہ ہے، جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک محض ارتکاب کبائر سے مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، اور یہی قول قرآن وسنت کے مطابق ہے قرآن کریم کی آیت ہے "**إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**"(اللہ شرک کو معاف نہیں کریں گے، اس کے علاوہ کو معاف کر دیتے ہیں جسے چاہیں گے)، اور متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو شرک نہ کرے اور **لا إله إلا الله** کے اقرار پر اس کی موت ہو تو وہ نجات پائے گا اور جنت میں جائے گا، اگرچہ چوری کرے، زنا کرے اور ظاہر ہے کہ جنت میں مومن ہی جائے گا، اس لئے کبائر کا مرتکب مومن باقی رہتا ہے، اور وہ احادیث جن کا ظاہر مرتکب کبیرہ کے ایمان سے خارج ہونے پر ولادت کرتا ہے، ان کی تاویل و توجیہ کی جاتی ہے کہ اس جیسی احادیث معصیت سے دور رکھنے کے لئے زجر و توبیخ کے طور پر بیان ہوئی ہیں، کہ یہ اعمال کمال ایمان کی شان سے نہیں ہیں، مومنین کو زیب نہیں دیتے، اس کا مرتکب کامل مومن نہیں ہوتا، اور وہ کامل مومنین کے طریقے پر نہیں ہوتا یا پھر جو شخص کسی حرام اور گناہ کے کام کو حلال اور جائز سمجھ کر اس کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ حرام کو حلال جاننا کفر ہے، اگر معتزلہ و خوارج کے عقیدہ کو صحیح مان لیا جائے تو پھر ان آیات و احادیث کی توجیہ مشکل ہو جاتی ہے۔

تراجم رجال:

[أبو اسحاق]: ابراہیم بن محمد بن سفیان، یہ امام مسلم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اور صحیح مسلم کے راوی ہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم کی سند کے بیان میں ان کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، کہ یہ مستجاب الدعوات اور انتہائی عبادت گزار بزرگ تھے، امام مسلم رحمہ اللہ سے صحیح مسلم کی قرأت سنی ہے، اور اس سے فراغ ۲۵۷ھ

میں ہوئی، ان کی وفات ۳۰۸ھ میں ہے، یہ فقہ حنفی پر عامل تھے، ”وکان من أصحاب أیوب ابن الحسن الزاھد صاحب الرأی یعنی الفقیه الحنفی“ (مقدمۂ نووی)۔

[محمد بن یحیی]: ”الذہلی، الحافظ ابو عبد اللہ النیسابوری الإمام“، ثقہ، صدوق، إمام من أئمۃ المسلمین اور امام زہریؒ کی احادیث کے جامع ہیں، امام احمد رحمہ اللہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے حدیثیں سنی ہیں مگر صحیح مسلم میں ان سے روایت نہیں کی ہے، امام بخاری اور بقیہ اہل سنن نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت نقل کی ہے، ۲۵۸ھ میں وفات ہے۔

[یونس بن عبید]: بن دینار العبدی، صاحب فضل وکمال، دیانتدار، ثقہ بزرگ ہیں، ۱۳۹ھ میں وفات ہے، ان کے والد کا نام بھی عبید ہے مگر یہ عمرو بن عبید کے بھائی نہیں ہیں۔

[عمرو بن عبید]: بن باب، صاحب بدعت متروک الحدیث ہیں، ان کی روایتوں کو ترک کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ انکار تقدیر کے داعی اور مبلغ تھے، اور حسن بصریؒ سے روایت نقل کرنے میں غلط بیانی کرتے تھے، یہ حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے، واصل بن عطاء نے اپنے عقیدہ کا قائل کرکے ان کو حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے الگ کر دیا، انکار تقدیر کا عقیدہ رکھتے تھے، معتزلہ کے سرغنہ لوگوں میں سے ہیں، زاہد و صالح، باوقار اور اچھی ہیئت کے تھے، ان کا اور واصل کا سن ولادت ۸۰ھ ہے اور عمرو کی وفات ۱۴۳ھ میں ہے۔

غیر معروف حدیث کی روایت سے محتاط رہنا:

”وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ قَدْ لَزِمَ أَيُّوبَ وَسَمِعَ مِنْهُ فَفَقَدَهُ أَيُّوبُ فَقَالُوا يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّهُ قَدْ لَزِمَ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ. قَالَ حَمَّادٌ فَبَيْنَا أَنَا يَوْمًا مَعَ أَيُّوبَ وَقَدْ بَكَّرْنَا إِلَى السُّوقِ فَاسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ أَيُّوبُ وَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَيُّوبُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَزِمْتَ ذَاكَ الرَّجُلَ. قَالَ حَمَّادٌ سَمَّاهُ. يَعْنِي عَمْرًا. قَالَ نَعَمْ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّهُ يَجِيئُنَا بِأَشْيَاءَ غَرَائِبَ. قَالَ يَقُولُ لَهُ أَيُّوبُ إِنَّمَا نَفِرُّ أَوْ نَفْرَقُ مِنْ تِلْكَ الْغَرَائِبِ.

وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ زَيْدٍ – يَعْنِي حَمَّادًا – قَالَ

قِيلَ لأَيُّوبَ إِنَّ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ رَوَى عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لاَ يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ. فَقَالَ كَذَبَ أَنَا سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ.

وَحَدَّثَنِي حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلاَّمَ بْنَ أَبِي مُطِيعٍ يَقُولُ بَلَغَ أَيُّوبَ أَنِّي آتِي عَمْرًا فَأَقْبَلَ عَلَيَّ يَوْمًا فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلاً لاَ تَأْمَنُهُ عَلَى دِينِهِ كَيْفَ تَأْمَنُهُ عَلَى الْحَدِيثِ

وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى يَقُولُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُبَيْدٍ قَبْلَ أَنْ يُحْدِثَ".

ترجمہ:

حماد بن زید نے کہا، ایک آدمی نے ایوب کی صحبت اور شاگردی اختیار کر رکھی تھی، اور ان سے حدیثیں بھی سنی تھیں، پھر ایوب نے اس کو غیر حاضر پایا، (اس کے بارے میں دریافت کیا)، تو لوگوں نے بتایا کہ اے ابو بکر اس نے تو عمرو بن عبید کی صحبت اختیار کر لی ہے، حماد نے کہا، دریں اثنا کہ میں ایک دن ایوب کے ساتھ تھا، اور ہم بازار سویرے ہی نکل گئے تھے، کہ وہ آدمی ان کے سامنے آ گیا، ایوب نے اس کو سلام کیا، خیریت پوچھی، پھر اس سے ایوب نے کہا، مجھ کو پتہ چلا ہے کہ تم اس آدمی کے ساتھ رہنے لگے، حماد نے کہا کہ ایوب نے اس کا یعنی عمرو کا نام بھی لیا، اس آدمی نے کہا کہ ہاں اے ابو بکر، وہ بڑی غریب اور نادر باتیں ہم کو بتاتے ہیں، حماد نے کہا: ایوب اس سے کہتے ہیں: ہم بھاگتے ہیں یا ہم ڈرتے ہیں انھیں غریب اور نادر باتوں سے۔

حماد نے کہا: ایوب سے کہا گیا کہ عمرو بن عبید نے حسن سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: نبیذ سے نشہ میں ہونے والے کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، تو ایوب نے کہا، اس نے غلط کہا، میں نے حسن کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبیذ سے نشہ والے کو کوڑے لگائے جائیں گے۔

سلام بن ابو مطیع کہتے ہیں کہ ایوب کو اطلاع ملی کہ میں عمرو کے پاس آتا جاتا ہوں تو ایک دن مجھ کو مخاطب کر کے کہا بتلاؤ، ایک آدمی جس کے دین سے تم مطمئن نہیں ہو، تو حدیث کے بارے میں اس پر کیسے اطمینان کرتے ہو۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید نے بدعت اختیار کرنے سے پہلے ہم سے حدیث بیان کی، (یعنی ہم نے

اس سے حدیث سنی ہے)۔

حل لغات:

"فقده ایوب": یعنی ایوب نے اس کو غائب پایا، فقد، یفقِدُ بمعنی کھونا، گم کرنا، مفقود بمعنی گم، کھویا ہوا۔

"قد لزم عمرو بن عبید": عمرو بن عبید کو لازم پکڑ لیا ہے، یعنی اس کی صحبت اختیار کر لی ہے، اس کے ساتھ رہنے لگا ہے۔

"فبینا أنا": بین کے اخیر میں اشباع کے طور پر الف کا اضافہ ہے، یعنی دریں اثنا کہ، جب کہ۔

"قد بکرنا إلی السوق": بازار سویرے ہی نکل گئے، بکّر تبکیراً: بہت سویرے نکلنا۔

"فاستقبله الرجل": وہ آدمی ایوب کے سامنے آیا۔

"ذالک الرجل": اشارہ عمرو بن عبید کی طرف ہے۔

"إنما نفر أونفرق من تلک الغرائب": راوی کو شک ہے کہ نَفِرُّ کہا، یانَفْرَقُ کہا، نفر، مصدر فرار سے فعل مضارع، صیغہ جمع متکلم ہے یعنی ہم بھاگتے ہیں، نفرق، فَرَق سے ہے خوف اور ڈر کے معنی میں، یعنی ہم ان ہی نادر اور انوکھی باتوں سے تو ڈرتے یا بھاگتے ہیں۔

"قبل أن یحدث": یعنی اپنے بدعتی (معتزلی) ہونے سے پہلے، أحدث الشئ، احداثاً: ایجاد کرنا، دین میں نئی بات کا اختراع کرنا۔

تشریح:

دین میں کسی نئی بات سے سلف کے ڈرنے یا بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نادر اور انوکھی باتیں اگر احادیث کی قبیل سے ہیں تو غیر معروف ہونے کے سبب کذب علی الرسول ﷺ کا اندیشہ ہے، اور اگر اقوال و آراء فقہیہ کی قبیل سے ہیں تو جمہور کی مخالفت اور بدعت ہونے کا خوف ہے۔

"قیل لأیوب ----فقال کذب" یعنی نبیذ پینے سے جسکو نشہ ہو جائے تو عمرو بن عبید نے حسن بصری

کی طرف منسوب کرکے یہ فتوی نقل کیا ہے کہ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید نے غلط نقل کیا ہے، ہم بھی حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں، ہم نے حسن بصری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ایسے شخص کو کوڑے لگائے جائیں گے، پیچھے گزر چکا ہے کہ عمرو بن عبید کے اندر یہ عیب ہے کہ وہ حسن بصری سے ایسی باتیں نقل کرتے ہیں جو حسن بصریؒ نے نہیں کہی ہیں۔

چنانچہ سلام بن مطیع کے متعلق جب ایوب کو پتہ چلا کہ وہ عمرو بن عبید کے پاس آتے جاتے ہیں تو انھیں جاکر یہ نصیحت کی، کہ بھلا بتاؤ ایسا آدمی جس کے دین پر تم کو اطمینان نہیں ہے، اس کی حدیث پر تم کیسے اطمینان رکھتے ہو، ''أرأیت رجلا لاتأمنه علی دینه کیف تأمنه علی الحدیث''یعنی عمرو بن عبید اہل سنت و الجماعت سے الگ ایک نئی اور غلط بات کا عقیدہ رکھتا ہے، ایک بدعت کا قائل ہے، اور اپنے عقیدہ کی ترویج کے لئے غلط سند سے احادیث کی روایت کرتا ہے، اس کا دین اہل سنت والجماعت کے موافق نہیں ہے، لوگ اس کے عقیدہ سے مطمئن نہیں ہیں تو اس کی روایت کردہ حدیث پر کیسے اطمئنان کیا جاسکتا ہے، بدعتی کی روایت کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے (دیکھئے ص۹۱)۔

ابو شیبہ قاضی واسط:

''حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ كَتَبْتُ إِلَى شُعْبَةَ أَسْأَلُهُ عَنْ أَبِي شَيْبَةَ قَاضِي وَاسِطٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ لاَ تَكْتُبْ عَنْهُ شَيْئًا وَمَزِّقْ كِتَابِي''.

ترجمہ:

معاذ العنبری نے کہا کہ میں نے واسط کے قاضی ابو شیبۃ کے متعلق دریافت کرنے کیلئے شعبہ کو لکھا، تو انھوں نے مجھے لکھا کہ ان سے کچھ بھی مت لکھنا، اور میرا خط پھاڑ دینا۔

حل لغات:

''واسط'': عراق کا ایک شہر ہے جس کو حجاج بن یوسف نے بسایا تھا۔

"مزق": باب تفعیل، "تمزیق" سے فعل امر ہے، پھاڑنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

تشریح:

معاذ العنبری کی اسی روایت کا تذکرہ ابن حجرؒ نے تہذیب میں نقل کیا ہے: "كتبت إلى شعبة و هو ببغداد أسأله عن أبي شيبة القاضي، أروى عنه ؟ فكتب إليَّ: لا تروعنه فإنّه رجل مذموم، و إذا قرأت كتابي فمَزِّقْه" شعبہ بغداد میں تھے، میں نے یہ معلوم کرنے کے لئے ان کو خط لکھا کہ ابو شیبہ قاضی سے روایت لوں یا نہیں؟ تو انھوں نے مجھے لکھا کہ ان سے روایت مت لینا (ان کی روایت کو قبول مت کرنا) کیونکہ وہ ایسے شخص ہیں جن کی مذمت کی گئی ہے اور میرا خط پڑھ لینا تو اسے پھاڑ دینا، یعنی یہ تحریر یہ معلوم کرنے کیلئے تھی کہ وہ معتبر ہیں یا نہیں؟ ان سے روایتیں لی جائیں یا نہیں؟ تو شعبہ نے منع کر دیا کہ وہ قابل اعتبار نہیں ہیں، ان سے حدیث مت لکھنا، اور چونکہ قاضی ہیں، منصب پر ہیں، ممکن ہے اپنے بارے میں یہ تبصرہ انھیں غضبناک کر دے، اور منصب کا غلط استعمال کرتے ہوئے کوئی ایذا پہونچا دیں، اس لئے میرا خط پھاڑ دینا، ان کو خبر نہ ہو۔

تراجم رجال:

[ابو شيبة]: کنیت ہے، ان کا نام ابراہیم بن عثمان بن خواستی ہے، صاحب مصنف ابو بکر بن ابی شیبۃ اور ان کے بھائی عثمان بن ابی شیبہ کے دادا ہیں، ابو بکر اور عثمان کے والد کا نام محمد ہے، مگر یہ لوگ اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں، جو واسط کے قاضی تھے، احمد، یحیی اور ابو داؤد نے انھیں ضعیف کہا ہے، ترمذی نے منکر الحدیث اور نسائی و دولابی نے متروک کہا ہے، سن وفات ۱۶۹ھ ہے۔

صالح المرّی:

"وَحَدَّثَنَا الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ حَدَّثْتُ حَمَّادَ بْنَ سَلَمَةَ عَنْ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ بِحَدِيثٍ عَنْ ثَابِتٍ فَقَالَ كَذَبَ. وَحَدَّثْتُ هَمَّامًا عَنْ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ بِحَدِيثٍ فَقَالَ كَذَبَ".

ترجمہ:

عفان نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہ کے سامنے "عن صالح المری عن ثابت" صالح مری کے واسطہ سے

حضرت ثابت سے ایک حدیث نقل کی تو انھوں نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا، اور ہمام کے سامنے صالح المری کی ایک حدیث نقل کی، تو انھوں نے (بھی) کہا کہ اس نے کذب بیانی کی ۔

تراجم رجال:

[**صالح المری**]: ان کے والد کا نام بشیر ہے، "مُرّی" میم کے ضمہ اور راء مشدد کے کسرہ کے ساتھ ہے، "**كان صالح المري مملوكا لامرأة من بني مرة بن الحارث بن عبد القيس، وهو صالح ابن بشير**" (تاریخ بغداد: ۹/ ۳۰۷)، یہ صاحب اسم با مسمی نیک، صالح، عبادت گزار، زاہد، اچھی آواز کے مقرر اور واعظ تھے، لیکن وہی بات ہے کہ زہد و تقوی کے غلبہ میں حدیث کا حفظ و اتقان بالائے طاق رہ گیا، اور غفلت و لاشعوری میں منکر اور ضعیف روایتیں کر بیٹھے، "**غلب عليه الخير والصلاح حتى غفل عن الإتقان في الحفظ**" (تہذیب التہذیب)، سبھی لوگوں نے منکر کہا ہے، جعفر الطیالسی ان کے بارے میں یحیی سے روایت کرتے ہیں کہ "**كان قاصا، وكان كل حديث يحدث به عن ثابت باطلا**"، [واعظ تھے، اور ہر وہ حدیث جو انھوں نے ثابت سے نقل کی ہے، باطل ہے]، (ایضاً)، ۱۷۲ھ میں ان کی وفات ہے۔

حسن بن عمارہ:

"**وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ قَالَ لِي شُعْبَةُ ايتِ جَرِيرَ بْنَ حَازِمٍ فَقُلْ لَهُ لاَ يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَرْوِىَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ فَإِنَّهُ يَكْذِبُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ قُلْتُ لِشُعْبَةَ وَكَيْفَ ذَاكَ فَقَالَ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَكَمِ بِأَشْيَاءَ لَمْ أَجِدْ لَهَا أَصْلاً. قَالَ قُلْتُ لَهُ بِأَىِّ شَىْءٍ قَالَ قُلْتُ لِلْحَكَمِ أَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى قَتْلَى أُحُدٍ فَقَالَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ. فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَيْهِمْ وَدَفَنَهُمْ. قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا تَقُولُ فِي أَوْلاَدِ الزِّنَا قَالَ يُصَلَّى عَلَيْهِمْ. قُلْتُ مِنْ حَدِيثِ مَنْ يُرْوَى قَالَ يُرْوَى عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ. فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ عَلِيٍّ**".

ترجمہ:

ابو داؤد نے کہا کہ مجھ سے شعبہ نے کہا کہ جریر بن حازم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کے لئے حسن بن عمارہ سے روایت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں، ابو داؤد نے کہا کہ میں نے شعبہ سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو انھوں نے کہا کہ انھوں نے حکم سے (روایت کرتے ہوئے) کچھ ایسی چیزیں ہم سے بیان کیں، جن کی میں نے کوئی اصل نہیں پائی، ابو داؤد نے کہا کہ میں نے ان سے کہا کہ کیا چیز (انھوں نے بیان کیا)؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے حکم سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ نے احد کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی، تو انھوں (حکم) نے کہا کہ نہیں پڑھی ہے، اور حسن بن عمارہ نے حکم سے روایت کیا انھوں نے مقسم سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا۔

میں نے حکم سے پوچھا کہ اولاد الزنا کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں (ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں)؟ تو انھوں نے کہا، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، میں نے کہا، کس کی حدیث سے مروی ہے، تو انھوں نے کہا حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور حسن بن عمارہ نے کہا کہ ہم سے حکم نے بیان کیا یحییٰ بن جزار سے، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا۔

تشریح:

"قال أبو داؤد قلت لشعبة و كيف ذاك": حضرت شعبہ نے حسن بن عمارہ کو کاذب کہا تو ابو داؤد الطیاسیؒ نے ان سے اس کی وجہ معلوم کی، تو انھوں نے بتایا کہ حسن نے ہم سے حکم بن عتیبۃ سے کچھ ایسی روایتیں نقل کیں جن کی میں نے کوئی اصل نہیں پائی، میں نے حکم سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے احد کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی ہے، تو حکم نے جواب دیا کہ نہیں پڑھی ہے، اور حسن بن عمارہ نے حکم سے (اسی مسئلہ کو) اس طور پر نقل کیا کہ انھوں نے مقسم کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا کہ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا، شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم سے اولاد زنا (کی نماز جنازہ) کے بارے، میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، میں نے ان سے پوچھا، یہ کس کی حدیث سے روایت کیا گیا ہے، تو انھوں نے بتایا کہ حسن

بصریؒ سے روایت کیا جاتا ہے، اور حسن بن عمارہ نے اس کو حکم سے اس طرح نقل کیا کہ انھوں نے یحیی بن جزار سے اور یحیی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، (اس میں حسن بصریؒ کا کوئی ذکر نہیں ہے)۔

مقدمۂ مسلم میں مذکور اس عبارت کو ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں نقل کیا ہے جس سے وجہ تکذیب کی کچھ وضاحت ہو جاتی ہے "**قلت: للحكم صلى النبي ﷺ على قتلى أحد؟ قال لا، وقال الحسن حدثني الحكم عن مقسم عن ابن عباس أن النبي ﷺ صلى عليهم ودفنهم، وقلت للحكم ما تقول في أولاد الزنا قال يعتقون. قلت: من ذكره قال يروي عن الحسن البصري عن علي وقال الحسن بن عمارة حدثني الحكم عن يحيى بن الجزار عن علي سبعة أحاديث فسألت الحكم عنها فقال ما سمعت منها شيئا**" تہذیب کی عبارت میں " **يُصَلَّى عَلَيْهِمْ** " کی جگہ " **يعتقون** "، اور " **فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ عَلِيٍّ** " کی جگہ " **وقال الحسن بن عمارة حدثني الحكم عن يحيى بن الجزار عن علي سبعة أحاديث فسألت الحكم عنها فقال ما سمعت منها شيئا** " مذکور ہے "یعنی اولاد زنا کے بارے میں حسن بن عمارہ کا قول جیسا کہ مقدمۂ مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کے بارے میں حکم سے سنا اور انھوں نے یحیٰ بن الجزار کے واسطہ سے علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، تہذیب کی عبارت میں اس کا ذکر نہیں ہے، (ممکن ہے کاتب سے سہو ہو گیا ہو)، بلکہ واو عاطفہ کے ذریعہ ایک دوسری بات کہی جا رہی ہے کہ: اور حسن بن عمارہ نے کہا کہ مجھ سے حکم نے یحیی بن الجزار کے واسطہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سات احادیث بیان کی ہیں، شعبہ کہتے ہیں پھر میں نے حکم سے ان کے بارے میں پوچھا تو حکم نے صاف انکار کر دیا، کہ میں نے ان احادیث کو نہیں سنا ہے، جس سے یحیٰ بن جزار سے حکم کے ان احادیث کے سماع کی نفی ہو رہی ہے،

مگر اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے جو خود شعبہ سے منقول ہے کہ حکم نے یحیی سے صرف تین حدیثیں روایت کی ہیں، جیسا کہ تہذیب میں مذکور ہے " **وقال أيوب بن سويد الرملي كان شعبة يقول إن الحكم لم يحدث عن يحيى بن الجزار إلا ثلاثة أحاديث** "(یعنی حکم کا سماع یحیی سے شعبہ کے نزدیک بھی ثابت ہے)، اور حسن بن عمارہ "حکم عن یحیٰ" سے کچھ زیادہ حدیثیں روایت کرتے ہیں، چنانچہ میں (یعنی شعبہ) نے حسن بن عمارہ سے اس

سلسلہ میں بات کی تو انھوں نے کہا: ”إن الحکم اعطانی حدیثه عن یحیی فی کتاب فحفظته“ (حکم نے یحیی سے مروی اپنی حدیثیں مجھ کو ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) عنایت فرمائیں جسے میں نے محفوظ رکھا ہے)، ممکن ہے حضرت شعبہؒ کو اس کتاب کا علم نہ ہو، اور حسن بن عمارہ اس کتاب سے روایت کرتے ہوں۔

اسی طرح پہلے مسئلہ حکم عن مقسم عن ابن عباس میں، امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حکم نے مقسم سے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں، ترمذی میں منقول ہے ”و أما غیر ذلک فأخذ ها من کتاب“ اس لئے ممکن ہے حکم نے حسن بن عمارہ کو خاص طور سے یہ کتابیں دیدی ہوں جن سے وہ روایت کرتے ہیں اور شعبہ کو ان کا علم نہیں ہے، پھر بھی ائمہ فن کسی پر اس طرح کا کلام کرتے ہیں اور نقد کرتے ہیں تو اس کے کچھ دیگر قرائن ہوتے ہیں، حسن بن عمارہ کو اکثر لوگوں نے ضعیف کہا ہے، اور علی بن المدینی کہتے ہیں، میں ان کے بارے میں شعبہ کا محتاج نہیں ہوں، ان کا معاملہ تو بالکل واضح ہے، پوچھا گیا، کیا وہ غلطیاں کرتے تھے؟ تو ابن المدینی نے جواب دیا ”**أي شی کان یغلط، کان یضع**“ غلطی کی کیا بات ہے وہ تو گھڑتے تھے، ”واللہ اعلم بالصواب“۔

تراجم رجال:

[**حکم بن عتیبة**]: ابو محمد الکندی، زبردست فقیہ تابعی ہیں، فقہ میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، انتہائی ثقہ محدث ہیں ۵۰ھ میں ولادت، اور ۱۱۳ھ میں وفات ہے۔

[**حسن بن عمارة**]: بن مضرب الجبلی، کبار فقہاء سے ہیں، منصور کے دور خلافت میں بغداد کے قاضی تھے، حضرت شعبہؒ نے انھیں کاذب کہا ہے، اور انھیں کے قول پر اکثر لوگوں نے ان سے روایت کرنا ترک کر دیا، ابن مبارکؒ کا قول ہے: ”**جرحه عندی شعبة و سفیان فبقولهما ترکت حدیثه**“ (شعبہ اور سفیان نے میرے سامنے ان کو مجروح قرار دیا تو میں نے ان دونوں کے قول پر ان کی حدیث ترک کر دی) حکم بن عتیبہ سے شعبہ بھی روایت کرتے ہیں اور حسن بن عمارہ بھی، حسن بن عمارہ مالدار آدمی تھے انھوں نے حکم کے لئے رہائش کا انتظام اپنے گھر پر کر دیا، اور ان کی کفالت کا ذمہ بھی لے لیا، چنانچہ حکم نے بھی انھیں حدیث کی روایت میں خاص طور سے نوازا“ **قد قیل إن الحسن بن عمارة کان صاحب مال و إنه حول الحکم إلی منزله**،

فخصه بما لم یخص غیره ”تقریباً دس ہزار مسائل اور فیصلے قاضی شریح وغیرہ کے ان سے بیان کئے، جبکہ شعبہ نے حکم سے بہت کم روایتیں سنی ہیں، حکم کی وفات کے بعد شعبہ نے حسن بن عمارہ سے پوچھا کہ کیا حکم سے سنی ہوئی ساری باتیں آپ بیان کریں گے، تو انھوں نے کہا، ہاں، کچھ بھی نہیں چھپاؤں گا، اسی بناء پر شعبہ نے انھیں اکذب الناس کہا، اور لوگوں نے شعبہ کے اس قول کو قبول کر لیا اور اسی بناء پر حسن بن عمارہ سے یہ منقول ہے:” **الناس کلهم من قبلی فی حل ما خلا شعبة**“، (شعبہ کو چھوڑ کر میں نے سب کو اپنی طرف سے معاف کر دیا) جریر بن حازم اور حماد بن زید نے شعبہ سے درخواست کیا کہ حسن بن عمارہ کے بارے میں خاموش رہیں، تو انھوں نے جواب دیا ”**لا والله لا أکف**“ (نہیں، بخدا نہیں باز آؤں گا)، جریر بن عبد الحمید سے منقول ہے:” **ما ظننت أنی أعیش إلی دهر یحدث فیه عن محمد بن اسحاق و یسکت فیه عن الحسن بن عمارة**“ (کبھی میرے گمان میں بھی نہیں آیا کہ میں وہ وقت بھی دیکھوں گا جس میں محمد بن اسحاق سے تو روایت لی جائے اور حسن بن عمارہ کی روایت سے سکوت کیا جائے)، گویا ان کے نزدیک حسن بن عمارہ محمد بن اسحاق سے کم نہیں ہیں، یعنی قابل قبول ہیں، مگر بیشتر لوگوں نے ان کی تضعیف کی ہے، بلکہ منکر الحدیث اور وضاع بھی کہا ہے ابو بکر بزار کا قول ہے کہ اہل علم ان کی احادیث سے احتجاج نہیں کرتے، اور ابن مثنی نے کہا کہ میں نے یحییٰ القطان اور عبد الرحمن بن مہدی کو کبھی ان سے روایت کرتے ہوئے نہیں سنا، حسن کی وفات ۱۵۳ھ میں ہے واللہ اعلم۔

زیاد بن میمون اور خالد بن محدوج:

”وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ. وَذَكَرَ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَقَالَ حَلَفْتُ أَلاَّ أَرْوِىَ عَنْهُ شَيْئًا وَلاَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَحْدُوجٍ. وَقَالَ لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ حَدِيثٍ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ بَكْرٍ الْمُزَنِيِّ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ مُوَرِّقٍ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنِ الْحَسَنِ. وَكَانَ يَنْسُبُهُمَا إِلَى الْكَذِبِ.

قَالَ الْحُلْوَانِيُّ سَمِعْتُ عَبْدَ الصَّمَدِ وَذَكَرْتُ عِنْدَهُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَنَسَبَهُ إِلَى الْكَذِبِ“.

ترجمہ:

حسن الحلوانی نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون کو سنا، انھوں نے زیاد بن میمون کا تذکرہ کیا تو کہا، میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ ان سے کچھ بھی روایت نہیں کروں گا، اور نہ خالد بن محدوج سے روایت کروں گا۔

اور انھوں نے کہا کہ میں زیاد بن میمون سے ملا، تو میں نے ان سے ایک حدیث پوچھی، انھوں نے بکر مزنی سے (روایت کرتے ہوئے) وہ حدیث مجھ سے بیان کی، پھر میں دوبارہ ان کے پاس گیا، تو انھوں نے وہی حدیث مجھ سے مؤرق کے واسطہ سے بیان کی، پھر میں تیسری مرتبہ ان کے پاس گیا تو انھوں نے وہی حدیث مجھے حضرت حسن بصری سے روایت کرکے سنایا، اور یزید بن ہارون ان دونوں (زیاد بن میمون اور خالد بن محدوج) کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے تھے، حلوانی نے کہا کہ میں نے عبد الصمد کو سنا اس حال میں کہ میں نے ان کے پاس زیاد بن میمون کا ذکر کیا تو انھوں نے اس کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا۔

تشریح:

یزید بن ہارون نے زیاد بن میمون، اور خالد بن محدوج کے کاذب ہونے کی وجہ سے ان سے روایت نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے، انھوں نے زیاد بن میمون سے کوئی حدیث پوچھی تو انھوں نے کبھی تو اسے بکر المزنی سے روایت کیا، کبھی مؤرق العجلی سے اور کبھی حسن بصری سے روایت کیا، کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے انھوں نے وہ حدیث ان تینوں حضرات سے سن رکھی ہو، لیکن ہم پھر وہی بات کہیں گے کہ ائمہ فن جب کسی پر اس طرح کا حکم لگاتے ہیں، تو حالات و کوائف سے اس یقین کی بنا پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ انھوں نے ان سے سنا نہیں ہے، بلکہ ان سے غلطی اور وہم ہو رہا ہے، چنانچہ آگے ابو داؤد الطیالسی اور عبد الرحمن بن مہدی کی زیاد بن میمون کے ساتھ ایک گفتگو آرہی ہے جو خود اس کے کاذب ہونے کا اعتراف ہے۔

"**وكان ينسبهما إلى الكذب**": ینسب کا فاعل "ھو" ضمیر یزید بن ہارون کی طرف راجع ہے، یعنی زیاد بن میمون اور خالد بن محدوج دونوں کو یزید بن ہارون، کذب کی طرف منسوب کرتے تھے، اسی طرح عبد الصمد کے سامنے زیاد بن میمون کا ذکر آیا تو انھوں نے بھی انھیں کاذب قرار دیا۔

تراجم رجال:

[زياد بن ميمون الثقفى الفاكهى]: ان کو ابو عمار بصری، اور زیاد بن ابو عمار، اور زیاد بن ابو حسان بھی کہا جاتا ہے، سبھی نے ان کی تکذیب کی ہے اور ان کو متروک کہا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت ساری احادیث روایت کی ہیں جبکہ ان سے سنا نہیں ہے، اور خود ان سے وضع احادیث کا اعتراف بھی منقول ہے (دیکھئے میزان الاعتدال، التاریخ الکبیر للبخاری،)، یہ حسان بن ابو حسان نبطی کے بھائی ہیں (تاریخ واسط: ۱/۵۸)۔

[خالد بن محدوج]: اور ان کو خالد بن مقدوح بھی کہتے ہیں، امام نسائی نے متروک کہا ہے، ابو حاتم نے لیس بشئی اور ضعیف جدا کہا، ان کی کنیت ابو روح بتلائی گئی ہے (میزان الاعتدال)۔

"وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ قَالَ قُلْتُ لأَبِى دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَدْ أَكْثَرْتَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ فَمَا لَكَ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُ حَدِيثَ الْعَطَّارَةِ الَّذِى رَوَى لَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ لِىَ اسْكُتْ فَأَنَا لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِىٍّ فَسَأَلْنَاهُ فَقُلْنَا لَهُ هَذِهِ الأَحَادِيثُ الَّتِى تَرْوِيهَا عَنْ أَنَسٍ فَقَالَ أَرَأَيْتُمَا رَجُلاً يُذْنِبُ فَيَتُوبُ أَلَيْسَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ. قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ مِنْ ذَا قَلِيلاً وَلاَ كَثِيرًا إِنْ كَانَ لاَ يَعْلَمُ النَّاسُ فَأَنْتُمَا لاَ تَعْلَمَانِ أَنِّى لَمْ أَلْقَ أَنَسًا. قَالَ أَبُو دَاوُدَ فَبَلَغَنَا بَعْدُ أَنَّهُ يَرْوِى فَأَتَيْنَاهُ أَنَا وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقَالَ أَتُوبُ. ثُمَّ كَانَ بَعْدُ يُحَدِّثُ. فَتَرَكْنَاهُ".

ترجمہ:

محمود بن غیلان نے کہا کہ میں نے ابو داؤد طیالسی سے کہا کہ آپ نے عباد بن منصور سے بکثرت روایت کی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان سے عطارہ والی وہ حدیث نہیں سنی جس کو ہم سے نضر بن شمیل نے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا چپ رہو، اس لئے کہ میں نے اور عبد الرحمن بن مہدی نے زیاد بن میمون سے ملاقات کی، تو ان سے پوچھا، اور کہا، یہ احادیث جو آپ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (کیا آپ نے ان سے سنا ہے)؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ دونوں بتلائیں کہ اگر کوئی آدمی گناہ کرے، پھر توبہ کرے تو کیا اللہ اس کی توبہ قبول نہیں کریں گے؟ انھوں

نے کہا کہ ہم نے کہاہاں، انھوں (زیاد) نے کہامیں نے ان احادیث میں سے کم یازیادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا ہی نہیں ہے، اگر لوگ نہیں جانتے تو کیا آپ دونوں بھی نہیں جانتے کہ انس رضی اللہ عنہ سے تو میری ملاقات ہی نہیں ہے، ابو داؤد نے کہا، اس کے بعد ہمیں پھر اطلاع ملی کہ وہ روایت کرتے ہیں، تو میں اور عبد الرحمن ان کے پاس آئے، تو انھوں نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں، پھر اس کے بعد بھی وہ (اسی طرح) روایت کرتے رہے، تو ہم نے ان کو چھوڑ دیا، اور متروک قرار دیا۔

حل لغات:

"فانا لقيت زياد بن ميمون و عبدالرحمن بن مهدى": عبد الرحمن مرفوع ہے، اس کا عطف فعل "لقیت" کی ضمیر متصل پر ہے، ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیلئے معطوف معطوف علیہ کے مابین فصل چاہئے، اور یہاں مفعول بہ زیاد بن میمون کے ذریعہ فصل ہے۔

تشریح:

محمود بن غیلان (متوفی ۲۳۹ھ)، ابو داؤد طیالسی (۲۰۳ھ) اور نضر بن شمیل (۲۰۳ھ) دونوں کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں عباد بن منصور (۱۵۲ھ) کے شاگرد ہیں، محمود بن غیلان نے نضر بن شمیل سے عطارہ والی حدیث سنا، تو ابو داؤد سے عرض کیا کہ آپ نے بھی تو عباد سے سنا ہے، اور اکثر ان سے روایتیں کرتے ہیں عطارہ والی حدیث آپ نے کیوں نہیں بیان کی، تب ابو داؤد نے وہ قصہ سنایا جو متن میں مذکور ہے، کہ ہم نے زیاد بن میمون سے دریافت کیا کہ آپ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بلاواسطہ یہ احادیث کس طرح روایت کرتے ہیں (جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات نہیں ہے) تو انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، توبہ کا اظہار کیا، مگر اس کے بعد پھر بھی اپنی اس حرکت پر قائم رہے تو ہم نے ترک کر دیا اس لئے ان سے مروی روایت کو ہم ذکر نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عطارہ والی حدیث زیاد بن میمون سے مروی ہے، اور نضر بن شمیل نے ممکن ہے زیاد بن میمون سے وہ حدیث بلاواسطہ سنی ہو یا عباد بن منصور کے واسطہ سے سنی ہو، جیسا کہ ظاہر سیاق سے معلوم ہو رہا ہے، اور ابو داؤد طیالسی کو اس کے بنیادی راوی زیاد بن میمون کی حقیقت معلوم ہو گئی، اسلئے انھوں نے وہ روایت

بیان نہیں کی۔

حدیث العطارۃ:

یہ ایک لمبی حدیث ہے جو ایک عطر فروش عورت حولاء بنت تویت سے منقول ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کی شکایت کی، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے ان کا ذکر کیا، تو آپ نے زوجین کے حقوق اور ان پر اجر وثواب کا ذکر کیا، حمل، ولادت اور رضاعت میں عورت کو کیا ثواب ہے، اور شوہر بیوی کے ساتھ حق زوجیت نباہے تو اسے کیا ثواب ہے، ایک لمبی حدیث ہے جسے ''تنزیہ الشریعہ ''میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور اصابہ میں ابن حجر نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے ، اور دونوں نے اسے بے اصل بتاتے ہوئے اسکی مصیبت زیاد بن میمون الثقفی کو ہی بتایا ہے۔

اس روایت کے ذکر کرنے سے امام مسلم رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ رجال نے حدیث نبوی کی روایت کرنے والے مجروح راویوں پر جرح کی ہے اور انھیں متروک، کاذب یا غیر ثقہ کہا ہے، نیز یہ کہ کسی راوی پر جرح اس کے احوال و کوائف کی معلومات کے بعد ہی کی ہے، بلاوجہ کسی پر جرح نہیں کی گئی ہے، ابو داؤد طیالسی اور عبد الرحمن بن مہدی کو جب روایت حدیث میں زیاد بن میمون کی روِش کا علم ہوا کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں جبکہ ان کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سننا مستبعد ہے تو ان لوگوں نے اس سے ملاقات کی، اور اس نے ان کے سامنے اس کا اعتراف کیا کہ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے براہ راست کوئی حدیث نہیں سنی ہے، اس کے بعد پھر بھی ان سے روایت کرتے رہے، تو ان لوگوں نے اس کو متروک قرار دیا۔

کاذب کی توبہ:

ایسا راوی جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت میں کذب بیانی کرتا ہے، اور پھر توبہ کر لیتا ہے تو اگرچہ اس کے حالات اچھے ہو جائیں، مگر روایت حدیث میں اس کی توبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، توبہ کے بعد بھی اس کی روایت قابل قبول نہیں ہو گی، ''تقبل رواية التائب من الفسق إلا الكذب في حديث رسول الله ﷺ فلا يقبل أبدا و إن حسنت طريقته''[فسق سے توبہ کرنے والے کی روایت قبول کی جائے گی، مگر رسول اللہ

ﷺ کی حدیث میں کذب بیانی کرنے والے کی روایت کبھی قبول نہیں کی جائے گی، اگرچہ اس کا طور طریقہ بہتر ہو جائے](تقریب النواوی مع تدریب الراوی: ۱/۳۲۹)۔

تراجم رجال:

[محمود بن غیلان]: عدوی، ابو احمد مروزی، ثقہ اور معتبر محدث ہیں، حضرت وکیع، نضر بن شمیل، ابوداؤد طیالسی اور ابن عیینہ وغیرہم سے حدیثیں سنی ہیں، اور ان سے امام ابوداؤد کے سوا صحاح ستہ کے جمیع مصنفین نے روایت کی ہے، بخاری اور نسائی کے بقول ۲۳۹ھ اور بقول ابورجاء احمد بن حمدویہ ۲۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

[ابوداؤد الطیالسی]: ان کا نام سلیمان بن داؤد بن الجارود ہے، بصری ہیں اور امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، محمود بن غیلان وغیرہ کے استاذ ہیں، زبردست حافظ حدیث اور ثقہ محدث ہیں، مسند ابوداؤد للطیالسی انھیں کی طرف منسوب ہے، ۲۰۳ یا ۲۰۴ھ میں بہتّر (۷۲) سال کی عمر میں وفات پائی۔

[عباد بن منصور]: الناجی، کنیت ابوسلمہ ہے، بقول علی بن المدینی، یحیی بن سعید القطان ان کی روایتِ حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے، ابوزرعہ نے لین، ابوحاتم نے ضعیف اور یحیی بن معین نے لیس بشیٔ کہا ہے، بصرہ کے قاضی رہ چکے ہیں، مدلس بھی ہیں اور اخیر عمر میں حافظہ میں بھی تغیر آگیا تھا، فرقۂ قدریہ کے داعی بھی تھے، ۱۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

[نضر بن شمیل]: مازنی، نحوی بصری، ابن عون، ہشام بن عروہ، شعبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ سے حدیثیں سنی ہیں، مرو کے اطراف میں سب سے پہلے حدیث و سنت کو رواج دیا، حدیث، عربیت اور ادب و نحو کے امام تھے، ۲۰۳ھ میں ان کی وفات ہے ان کا قول ہے: كان الناس نياما عن الفقه حتى أيقظهم أَبُو حنيفة بما فتقه، وبينه، ولخصه، لوگ فقہ سے سوئے ہوئے تھے، ابوحنیفہ نے ان کو جگایا، اس لئے کہ انھیں نے اسے اجاگر کیا اس کی وضاحت کی اور اس کے جوہر نکالے، (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۴۵)

راوی کی غباوت بھی جرح کا سبب ہے (مثلاً عبد القدوس):

"حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ شَبَابَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُ الْقُدُّوسِ يُحَدِّثُنَا فَيَقُولُ سُوَيْدُ بْنُ

عَقَلَةَ.قَالَ شَبَابَةُ وَسَمِعْتُ عَبْدَ الْقُدُّوسِ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ يُتَّخَذَ الرَّوْحُ عَرْضًا.قَالَ فَقِيلَ لَهُ أَيُّ شَيْءٍ هَذَا قَالَ يَعْنِي تُتَّخَذُ كُوَّةٌ فِي حَائِطٍ لِيَدْخُلَ عَلَيْهِ الرَّوْحُ" .

ترجمہ:

شبابہ نے کہا، عبد القدوس ہم سے حدیث بیان کرتے تھے تو کہتے، "سويد بن عقلة"، شبابہ نے کہا اور میں نے عبد القدوس کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہوا "عَرض" (چوڑائی) میں لی جائے، شبابہ نے کہا، تو ان سے پوچھا گیا یہ کیا چیز ہے (اس کا کیا مطلب ہے) تو انھوں نے کہا مراد یہ ہے کہ دیوار میں جھروکہ، روشندان بنایا جائے تاکہ اس سے ہوا آئے۔ (یعنی اس کو چوڑائی میں بنانے سے منع فرمایا ہے)

حل لغات:

"الرَوْحُ": راء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ہوا۔

"عَرْضًا": عین مہملہ پر فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ بمعنی چوڑائی۔

"كُوَّةٌ": کاف پر فتحہ وضمہ، دونوں مروی ہے، اور واو پر تشدید کے ساتھ، بمعنی روشندان، کھڑکی، اور بعض لوگوں نے فرق کیا ہے، کاف کے فتحہ کے ساتھ بمعنی طاق، جو ایک طرف سے بند رہتا ہے، اور کاف کے ضمہ کے ساتھ روشندان جو روشنی اور ہوا کے لئے آر پار کھلا ہوتا ہے۔

تشریح:

عبد القدوس الوحاظی، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، ان کی غباوت، وہم اور اختلال ضبط کا یہ حال تھا کہ الفاظ کا تلفظ بھی غلط کرتے تھے، سوید بن غفلۃ جس میں غین معجمہ اور اس کے بعد فاء ہے اس کو عقلہ عین مہملہ اور اس کے بعد قاف کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

اسی طرح حدیث میں وارد ہے "نهى رسول الله ﷺ أَنْ يُتَّخَذَ الرُّوْحُ غَرَضًا "، آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ محض نشانہ بازی کیلئے کسی جاندار کو نصب کیا جائے، یہ عبد القدوس اس کو اس طرح روایت کرتا ہے: "نهى رسول الله ﷺ أن يتخذ الرَوح عرضا "، "رُوح" جو حدیث میں بضم الراء جاندار کے معنی میں

ہے اسکو بفتح الراء ہوا کے معنی میں، اور "غرضا" جو حدیث میں غین معجمہ کے ساتھ ہدف اور نشانہ کے معنی میں ہے اسکو "عَرضا" عین مہملہ کے ساتھ چوڑائی کے معنی میں روایت کرتا ہے، اور پھر اس کی غلط تاویل کرتا ہے کہ دیوار میں ہوا کے گزر کے لئے روشندان چوڑائی میں بنانے سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے۔

تراجم رجال:

"عبد القدوس وحاظی": بن حبیب کَلاعی (بفتح الکاف)، ابو سعید دمشقی شامی، اس کا ذکر ابتداء مین مُتّہم اور وضّاع رواۃ کے ضمن میں گزر چکا ہے، یہاں اس کا ذکر اس کی مثال کے طور پر کیا گیا ہے کہ بعض رواۃ انتہائی غبی، مغفل، نیز رواۃ حدیث کے اسماء اور عربیت سے ناواقف ہوئے ہیں، اور رواۃ حدیث کے اندر اس عیب کا ہونا بھی جرح کا سبب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے حدیث کا معنی و مفہوم کچھ سے کچھ ہو سکتا ہے۔

جرح بالکنایہ (مہدی بن ہلال):

"قَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ حَمَّادَ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ لِرَجُلٍ بَعْدَ مَا جَلَسَ مَهْدِيُّ بْنُ هِلاَلٍ بِأَيَّامٍ مَا هَذِهِ الْعَيْنُ الْمَالِحَةُ الَّتِي نَبَعَتْ قِبَلَكُمْ ؟ قَالَ نَعَمْ يَا أَبَا إِسْمَاعِيلَ ".

ترجمہ:

امام مسلمؒ نے کہا کہ میں نے عبید اللہ بن عمر قواریری کو کہتے ہوئے سنا، کہ میں نے مہدی بن ہلال کے (حدیث بیان کرنے کیلئے) بیٹھنے کے کچھ دنوں بعد حماد بن زید کو سنا ایک آدمی سے کہتے ہیں، "یہ تمہاری طرف کھارا چشمہ کیسا ابل پڑا ہے"، تو اس آدمی نے (بطور تائید و تصدیق) کہا، ہاں اے ابو اسماعیل۔

حل لغات:

العین المالحه: عین بمعنی زمین سے ابلنے والا پانی کا چشمہ، اور مالحۃ، ملح سے ہے نمک والا، کھارا۔

نبعت: باب ضرب، فتح، نصر سے ہے، یعنی ینبع مضارع میں باء پر تینوں حرکت مستعمل ہے، زمین سے پانی نکلنا،

چشمہ پھوٹنا۔

قبلکم: قاف پر کسرہ اور باء پر فتحہ کے ساتھ بمعنی جہت، جانب، طرف۔

تشریح:

حماد بن زید جن کی کنیت ابو اسماعیل ہے انھوں نے یہ جملہ "ما هذه العين المالحة التى نبعت قبلكم" مہدی بن ہلال کی جرح اور تضعیف کیلئے استعمال کیا ہے، کیونکہ عین کے ساتھ لفظ مالحۃ عدم پسندیدگی کا مظہر ہے، میٹھے پانی کا چشمہ ابلنا خوشی و مسرت کا باعث ہوتا ہے، نہ کہ کھارا اور نمکین پانی کا، لہذا یہ مہدی بن ہلال کے ناپسندیدہ راوی ہونے سے کنایہ ہے، راوی پر جرح اکثر صریح الفاظ میں ہوتی ہے اور کبھی بطور کنایہ ہوتی ہے۔

تراجم رجال:

مهدى بن هلال: ابو عبد اللہ البصری، یحی بن سعید اور ابن معین نے ان کی تکذیب کی ہے، ابن معین نے کہا "صاحب بدعة ،يضع الحديث" بدعتی ہے حدیث بناتا ہے ابن المدینی نے کہا "كان يتهم بالكذب" کذب سے متہم ہے اور دار قطنی وغیرہ نے متروک کہا ہے، فرقہ قدریہ سے ہے، یونس بن عبید وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۴/ ۱۹۵)

ابان بن ابو عیاش:

"وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِىُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَوَانَةَ قَالَ مَا بَلَغَنِى عَنِ الْحَسَنِ حَدِيثٌ إِلاَّ أَتَيْتُ بِهِ أَبَانَ بْنَ أَبِى عَيَّاشٍ فَقَرَأَهُ عَلَىَّ.

وَحَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَا وَحَمْزَةُ الزَّيَّاتُ مِنْ أَبَانَ بْنِ أَبِى عَيَّاشٍ نَحْوًا مِنْ أَلْفِ حَدِيثٍ. قَالَ عَلِىٌّ فَلَقِيتُ حَمْزَةَ فَأَخْبَرَنِى أَنَّهُ رَأَى النَّبِىَّ -ﷺ- فِى الْمَنَامِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَا سَمِعَ مِنْ أَبَانَ فَمَا عَرَفَ مِنْهَا إِلاَّ شَيْئًا يَسِيرًا خَمْسَةً أَوْ سِتَّةً."

ترجمہ:

۱- ابو عوانہ نے کہا: نہیں پہونچی مجھ کو کوئی حدیث حسن سے، مگر میں اسے ابان بن ابی عیاش کے پاس لایا، توانھوں نے میرے اوپر اس کی قرأت کی، یعنی حسن بصریؒ سے مجھے جو حدیث بھی ملی، میں نے ابان بن ابو عیاش اس کا ذکر کیا توانھوں نے وہی حدیث میرے سامنے اپنی روایت سے بیان کی۔

۲- علی بن مسہر نے کہا: میں نے اور حمزہ زیات نے ابان بن ابی عیاش سے تقریباً ہزار حدیثیں سنیں، علی نے کہا پھر میری ملاقات حمزہ سے ہوئی توانھوں نے مجھے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ کے سامنے ابان سے سنی ہوئی حدیثیں پیش کیں، آپ ﷺ نے نہیں پہچانا اس میں سے، مگر تھوڑی سی، پانچ یا چھ حدیثوں کو۔

تشریح:

”فقرأه علیَّ“ یعنی ان تمام احادیث کی قرأت مجھ پر کی اس طور پر گویا خود حضرت حسنؒ سے سن رکھا ہے، یہ تأثر دینے کے لئے کہ میں نے بھی اسے حسن بصریؒ سے سنا ہے، ابو عوانہؒ کا یہ قول تہذیب التہذیب میں مزید وضاحت کے ساتھ موجود ہے، ”قال عفان: قال لی أبو عوانة : جمعت أحاديث الحسن عن الناس، ثم أتيت بها أبان بن أبی عياش فحدثنی بها كلها “[میں نے حسن بصریؒ کی روایت کردہ احادیث کو لوگوں سے جمع کیا، پھر ابان بن ابو عیاش کے سامنے ان کو بیان کیا، توانھوں نے وہ تمام احادیث اپنی روایت کے طور پر مجھے سنائیں] (تہذیب التہذیب)، اس طور پر گویا انھوں نے وہ ساری احادیث حسن بصریؒ سے خود براہ راست سنی ہیں۔

اَبان بن اَبی عیاش البصری، صالح اور زاہد آدمی ہیں، ایک تو غفلت اور عدم ضبط و اتقان، دوسرے محدث بننے کی خواہش، کثرت خطاء اور وہم کا شکار ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث سنی ہے اور شہر بن حوشب اور حسن بصری سے بھی سنا ہے، مگر یہ امتیاز نہیں کر پاتے تھے کہ کون کس کی حدیث ہے، ان ہی سب وجوہات سے منکر الحدیث، متروک الحدیث اور غیر ثقہ قرار دیئے گئے، یہاں ابو عوانہؒ نے دیگر لوگوں سے سنی ہوئی حضرت حسن بصریؒ کی حدیثیں ان کے سامنے بیان کیں، توانھوں نے ان ساری احادیث کو حضرت حسن سے سننے کا دعوی کیا کہ یہ سب حدیثیں میں نے حضرت حسن سے سنی ہیں، ممکن ہے، محال نہیں ہے، مگر ابو عوانہ کے سامنے ان کے حالات تھے، اس واقعہ نے ان کی نگاہ میں ابان بن ابی عیاش کو مزید مشتبہ بنا دیا، جس کے سبب وہ

یہ کہہ بیٹھے، "لا استحل أن أروى عنه شيئًا"، میں ان سے ایک حدیث کی روایت کو بھی حلال نہیں سمجھتا، حضرت شعبہ بھی ان کے بارے میں سخت ہیں کہتے ہیں:" ردائی وخماری فی المساکین صدقة إن لم یکن ابن أبی عیاش یکذب فی الحدیث "، میری چادر ورومال مساکین کے لئے صدقہ ہے اگر ابن ابو عیاش حدیث میں کذب بیانی نہ کرتا ہو۔

خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ کے قول کی تفصیل:

علی بن مسہر اور حمزہ زیات نے ابان بن ابی عیاش سے تقریباً ہزار حدیثیں سن رکھی ہیں، ایک مرتبہ حمزہ زیات نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت فرمائی، خواب میں اپنے کو دیکھا کہ ابان بن ابی عیاش سے سنی ہوئی حدیثیں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا ہے، اور آپ نے ان میں سے بہت کم پانچ یا چھ حدیثوں کی تصدیق کی۔

نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنا برحق ہے، اور جس نے بھی دیکھا سچ مچ آپ ﷺ کو ہی دیکھا، کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے "من رآنی فی المنام فقد رآنی "لیکن خواب میں آپ ﷺ سے سنی ہوئی باتیں حجت نہیں ہوتیں، کیونکہ خواب حالت غفلت نیند میں دکھائی دیتا ہے، ہاں خواب میں آپ ﷺ سنی ہوئی بات ظاہر شریعت سے ثابت ومنقول ہے تو اس کی تائید وتاکید کے طور پر اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔

اس لئے کہ بیداری میں کسی بات، خبر یا روایت کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سننے والا سمجھدار، ہوشیار اور بیدار مغز ہو، ضبط کرنے کے قابل ہو اور حالت نوم میں یہ صفات مفقود ہوتی ہے، آدمی غفلت میں ہوتا ہے، امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں، حدیث "من رآنی فی المنام فقد رآنی" کے بارے میں لکھتے ہیں" فإن معنى الحديث أنَّ رويته صحيحة ، وليست من أضغاث الأحلام و تلبيس الشيطان، ولكن لا يجوز إثبات حكم شرعى به ،لأنّ حالة النوم ليست حالة ضبط و تحقيق لِما يسمعه الرائى، و قد اتفقوا على أنّ مِن شرط مَن تُقبلُ روايته و شهادته أن يكون متيقظا لا مغفلا، ولا سيئ الحفظ ولا كثير الخطأ، ولا مختل الضبط، والنائم ليس بهذه الصفة فلم تقبل روايته لاختلال ضبط" حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس صاحب خواب کا (آپ ﷺ کو) دیکھنا صحیح ہے، یہ خواب غیر واضح اور شیطان کی تلبیس ووسوسہ نہیں ہے، لیکن اس خواب سے کسی شرعی حکم کا اثبات جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ خواب

دیکھنے والا جو کچھ خواب میں سنتا ہے، نیند کی حالت اس کو ضبط کرنے والی اور اس کی تحقیق و تثبیت کی نہیں ہے، اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کی روایت اور اس کی گواہی کو قبول کئے جانے کی شرط یہ ہے کہ وہ باہوش و بیدار ہو، مغفل نہ ہو، اور نہ خراب حافظہ والا ہو، اور نہ بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہو، مختل الضبط نہ ہو، اور آدمی حالت نیند میں ان صفات والا نہیں ہوتا، لہذا اس حالت میں اس کے ضبط میں خرابی کی وجہ سے اس کی اس حالت کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، (نووی شرح مقدمہ)، حدیث میں محض دیکھنے کی تصدیق ہے "فقد رآنی" سننے کی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خواب میں دیکھی یا سنی ہوئی بات سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ اگر کسی نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا، تو اس کا یہ آپ ﷺ کو ہی دیکھنا صحیح ہوگا، کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے، اور شیطان آپ ﷺ کی شکل وصورت میں نہیں آسکتا۔

لہذا علی بن مسہر یا حمزہ زیات نے خواب میں پیش آئے اس واقعہ کو ابان بن ابی عیاش کی تضعیف کے لئے بنیاد نہیں بنایا ہے، بلکہ پہلے سے معلوم ان کے ضعف کی اس خواب سے تائید مقصود ہے، ابان بن ابو عیاش ان کے اس خواب سے پہلے ہی متروک اور ضعیف قرار دیئے جا چکے ہیں۔

تراجم رجال:

ابان بن ابو عیاش: ان کے والد ابو عیاش کا نام فیروز اور ابان کی کنیت ابو اسماعیل ہے، متروک الحدیث ہیں، حسن بصریؒ کی مجالس میں بیٹھتے تھے، ان کی باتیں سنتے تھے، اور پھر جب ان کا ذکر کسی کے سامنے کرتے تو ان کے کلام کو ان کے واسطہ سے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے تھے، ۱۳۸ھ میں ان کی وفات ہے۔

بقیہ بن ولید اور اسماعیل بن عیاش:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ قَالَ قَالَ لِي أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ اكْتُبْ عَنْ بَقِيَّةَ مَا رَوَى عَنِ الْمَعْرُوفِينَ وَلاَ تَكْتُبْ عَنْهُ مَا رَوَى عَنْ غَيْرِ الْمَعْرُوفِينَ وَلاَ تَكْتُبْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ مَا رَوَى عَنِ الْمَعْرُوفِينَ وَلاَ عَنْ غَيْرِهِمْ.

وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ ابْنُ

الْمُبَارَكِ نِعْمَ الرَّجُلُ بَقِيَّةُ لَوْلاَ أَنَّهُ كَانَ يَكْنِي الأَسَامِيَ وَيُسَمِّي الْكُنَى كَانَ دَهْرًا يُحَدِّثُنَا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْوُحَاظِيِّ فَنَظَرْنَا فَإِذَا هُوَ عَبْدُ الْقُدُّوسِ.

وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الأَزْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّزَّاقِ يَقُولُ مَا رَأَيْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ يُفْصِحُ بِقَوْلِهِ كَذَّابٌ إِلاَّ لِعَبْدِ الْقُدُّوسِ فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ لَهُ كَذَّابٌ".

ترجمہ:

زکریا بن عدی نے کہا کہ ابو اسحاق فزاری نے مجھ سے فرمایا، کہ بقیہ (بن الولید) معروف لوگوں سے جو روایت کریں لکھ لو، اور غیر معروف لوگوں سے جو روایت کریں اس کو ان سے مت لکھنا، اور اسماعیل بن عیاش سے مت لکھنا، خواہ معروف لوگوں سے روایت کریں یا غیر معروف لوگوں سے۔

ابن مبارکؒ نے فرمایا: "بقیہ" اچھے آدمی ہیں اگر وہ ناموں کو کنیت اور کنیت کو ناموں سے نہ ذکر کرتے، ایک عرصہ تک وہ ہم کو ابو سعید وحاظی کی سند سے حدیث سناتے رہے، پھر ہم نے غور کیا تو وہ عبد القدوس نکلے،

عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں نے (عبد اللہ) بن مبارک رحمہ اللہ کو سوائے عبد القدوس کے صراحۃً کسی کو کذاب کہتے ہوئے نہیں دیکھا، میں نے ان کو اسے صاف لفظوں میں کذاب کہتے ہوئے سنا۔

حل لغات:

"یَکنِی": باب ضرب سے، مصدر "کُنیة" کنیت دینا، اور کنیت، جمع کُنیً: نام ولقب کے علاوہ کسی شخص کا مقرر کردہ نام جس کے شروع میں "أب، أم، ابن، بنت، أخ، أخت" یا اس قبیل کے رشتہ پر دلالت کرنے والے الفاظ ہوتے ہیں، افعال اور تفعیل سے بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، افتعال سے "اکتنی بکذا" اپنی کوئی کنیت اختیار کرنا، "یکنی الأسامی" نام سے معروف لوگوں کو کنیت سے ذکر کرتے۔

" أسامی": اسم کی جمع ہے، بمعنی نام، عنوان، " یُسمّی" تفعیل سے فعل مضارع معروف، نام دینا، نام رکھنا، "یسمی الکنی" کنیت سے معروف لوگوں کو نام سے ذکر کرتے۔

"یُفصح": باب افعال سے، صاف بات کہنا، صراحت کرنا، عبد القدوس کے سوا کسی کو صاف لفظوں میں کذاب

نہیں کہا۔

تشریح:

بقیہ بن الولید کے بارے میں گزر چکا ہے کہ باوجود یکہ وہ فی نفسہ صدوق اللسان (سچے) ہیں مگر ہر کس و ناکس سے روایتیں نقل کرتے ہیں، ثقہ غیر ثقہ کا امتیاز نہیں برتتے، اسی لیے ابو اسحاق الفزاری، زکریاء بن عدی کو نصیحت کر رہے ہیں کہ معروف لوگوں سے جو روایت نقل کریں، اسے لکھ لو، اور غیر معروف لوگوں سے جو روایت بیان کریں، اسے مت لکھو، اور اسماعیل بن عیاش کے بارے میں کہا کہ ان سے مت لکھو، خواہ معروف لوگوں سے روایت کریں یا غیر معروف لوگوں سے۔

اسماعیل بن عیاش کے بارے میں ابو اسحاق الفزاری کا یہ قول مرجوح ہے، اسماعیل بن عیاش کے بارے میں ابو حاتم کا قول ہے: ''لین، یکتب حدیثه،لا أعلم أحدا كفَّ عنه إلا أبو إسحاق الفزاري''لین (نرم) ہیں ان کی حدیثیں لکھی جائیں گی، میں کسی بھی شخص کو نہیں جانتا جس نے اپنے کو ان کی حدیثوں سے روکا ہو سوائے ابو اسحاق فزاری کے، یحیی بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''ليس به في أهل الشام بأس، و العراقيون يكرهون حديثه'' اہل شام سے ان کی روایتوں میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عراقی لوگ ان کی حدیث کو پسند نہیں کرتے، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں: ''تكلم قوم في إسماعيل، و إسماعيل ثقة ،عدل، أعلم الناس بحديث الشام''، کچھ لوگوں نے اسماعیل کے بارے میں کلام کیا ہے، حالانکہ اسماعیل ثقہ ہیں عدل ہیں، (اہل) شام کی حدیثوں کے بارے میں زیادہ جانکار ہیں، اوران کی حدیثوں کی روایت میں قابل حجت ہیں لہذا اسماعیل بن عیاش کے بارے میں ابو اسحاق الفزاری کا قول قبول نہیں ہو گا۔

''لولا أنه كان يكنى الأسامیَ،و يُسمِّي الكنى''بقیہ کے اندر یہ عیب نہ ہوتا تو بڑے اچھے آدمی تھے، کہ سند بیان کرتے وقت جو لوگ نام سے معروف و مشہور ہیں ان کی کنیت ذکر کرتے ہیں اور جو کنیت سے معروف و مشہور ہیں کنیت چھوڑ کر ان کا نام ذکر کرتے ہیں، تاکہ اس راوی کا ضعیف مخفی رہے، ایک زمانہ تک ہم سے حدیث بیان کرتے ہوئے ابو سعید الوُحاظی کا ذکر کرتے رہے، مگر جب ہم نے تفتیش کیا تو وہ عبد القدوس شامی نکلے، ان کا ذکر

متہمین میں اور اسکے بعد بھی آچکا ہے۔

تدلیس کا معنی:

عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بقیہ بن الولید کے اندر جس عیب کا ذکر کیا ہے، اس کو اصطلاح میں تدلیس الشیوخ کہا جاتا ہے، جس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ راوی کا ذکر غیر معروف طریقہ سے کیا جائے، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف کی ہے: "بأن یسمی شیخه أو یکنیه، أو ینسبه أو یصفه بما لایُعرف" یعنی شیخ جس سے معروف ہو اس کا ذکر نہ کرے، خواہ اس کا نام لے، یا اس کی کنیت ذکر کرے، یا اس کی نسبت ذکر کرے یا اس کی غیر معروف صفت ذکر کرے جس سے وہ پہچانا نہ جاسکے (تقریب النواوی ۱/۲۲۸)، اس لئے کہ وہ ضعیف ہے، معروف سے ذکر کیا جائے گا تو لوگ پہچان جائیں گے کہ وہی ضعیف راوی ہے، مقصد دھوکہ میں رکھنا ہے، تدلیس دَلَس سے مشتق ہے جس کے معنی تاریکی، اختلاط الظلام اور دھندلا پن کے ہیں، اور تدلیس کے معنی مشتری سے سامان کے عیب کو چھپانا، اس کو اندھیرے میں رکھنا، چنانچہ اصطلاحی معنی میں بھی اس معنی کا لحاظ ہے، اس لئے کہ تدلیس کی وجہ سے سند کا حال مبہم ہو جاتا ہے اور اس کا عیب ظاہر نہیں ہو پاتا۔

تدلیس کی یوں تو کئی اقسام ہیں مگر بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو تدلیس الشیوخ جس کا ذکر گزرا اور دوسری تدلیس الاسناد جو حقیقۃً پہلی قسم ہے، اور تدلیس الشیوخ کی بنسبت زیادہ مذموم ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ راوی کسی معاصر سے نہ سنی ہوئی روایت کو اس انداز سے روایت کرے کہ سماع کا وہم ہو جیسے کہے "قال عبداللہ" یا "عن عبد اللہ"، یعنی قال یا عن کے ذریعہ حدیث کی روایت کرے جس سے یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس سے براہ راست سنا ہے یا بالواسطہ سنا ہے۔

تدلیس فی الجملہ معیوب ہے "قال العراقیؒ: وهو قادح فیمن تعمَّد فِعلَه، وقال شیخ الإسلام: لا شک أنّه جرح، وإن وُصِف به الثوریُّ والأعمشُ، فالإعتذارُ أَنَّهما لا یفعلانه إلا فی حق من یکون ثقةً، ضعیفًا عند غیرهما" عراقی نے کہا کہ یہ سبب قدح ہے اُس کے بارے میں جو بالقصد اس کا ارتکاب کرے، اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ وہ بیشک باعث جرح ہے اگرچہ سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش بھی اس

سے متصف ہیں، لہذا اعذر اور توجیہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایسے شخص کے بارے میں ہی تدلیس کرتے ہیں جو ان دونوں کے نزدیک ثقہ ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔(تدریب الراوی:۱/۲۲۶)

رُواۃ پر جرح میں تاریخ کا استعمال(معلی بن عُرفان):

"وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا نُعَيْمٍ. وَذَكَرَ الْمُعَلَّى بْنَ عُرْفَانَ فَقَالَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو وَائِلٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا ابْنُ مَسْعُودٍ بِصِفِّينَ.فَقَالَ أَبُو نُعَيْمٍ أَ تُرَاهُ بُعِثَ بَعْدَ الْمَوْتِ"

ترجمہ:

عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی کہتے ہیں میں نے ابو نعیم کو سنا حال یہ کہ انھوں نے معلی بن عرفان کا ذکر کیا، تو فرمایا کہ اس نے کہا کہ ہم سے ابو وائل نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صِفّین میں ہمارے پاس آئے، تو ابو نعیم نے کہا: کیا تمھارا خیال یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کئے گئے ؟

حل لغات:

"خرج علينا":(ن)مصدر"خروج"نکلنا،"خرج عليه "سامنے آنا، لڑائی کے لئے نکلنا۔

"صِفّين": صاد اور فاء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ، دریائے فرات کے کنارے رَقَّہ کے قریب ایک جگہ ہے، جہاں ماہ صفر ۳۷ھ میں سیدنا حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ کا واقعہ پیش آیا، صاحب قاموس کہتے ہیں: اسی وجہ سے لوگ صفر میں سفر سے احتراز کرتے ہیں۔

" أَ تُرَاهُ": تاء کے ضمہ کے ساتھ،"أَ تَظُنُّ" کے معنی میں، یعنی کیا تمھارا گمان ہے ؟

تشریح:

ابو نعیم کے سامنے معلی بن عرفان نے ایک جھوٹی روایت بیان کی، کہ ابو وائل نے کہا کہ جنگ صفین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے آئے، تو ابو نعیم نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: کیا تمھارا گمان ہے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کئے گئے، یعنی تم جھوٹ بول رہے ہو، اور ان کی تکذیب و تردید کے لئے تاریخ کا

سہارا لیا، اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ھ میں ہوئی ہے، اور جنگ صفین کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۷ھ میں پیش آیا، بھلا ایک شخص جو پہلے وفات پا چکا ہے، بعد میں پیش آنے والے کسی واقعہ میں کیسے شریک ہو سکتا ہے، اور ابو وائل شقیق بن سلمہ جلیل القدر صاحب ضبط و اتقان، ثقہ تابعی ہیں، وہ یہ غلطی نہیں کر سکتے، لہذا یہ معلی بن عرفان کی ہی خانہ زاد کارستانی ہے، سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ٹھیک ہی کہا: ’’ لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ ‘‘جب حدیث کے رواۃ نے روایت حدیث میں جھوٹ کا استعمال شروع کیا تو ہم نے ان (کے رد) کے لئے تاریخ کا استعمال کیا۔ (السنة قبل التدوين: ص ۲۳۳)

تراجم رجال:

ابو نعیم: فضل بن دُکَین (۱۳۰-۲۱۸ھ) مشہور محدث ہیں، درس حدیث میں مشغولیت کے سبب کسب معاش کا موقع نہ ملنے، اور تنگدستی کے باعث حدیث کے بیان کرنے پر اجرت لیتے تھے، ’’قال علی بن خشرم: سمعت أبا نعيم يقول : يلومونني على الأجر، وفي بيتي ثلاثة عشر، وما في بيتي رغيف‘‘ علی بن خشرم سے روایت ہے کہ انھوں نے ابو نعیم کو یہ کہتے ہوئے سنا: لوگ اجرت لینے پر مجھے ملامت کرتے ہیں، میرے گھر میں تیرہ افراد ہیں، اور کھانے کا انتظام نہیں ہے۔

مُعَلَّى بن عُرفان: میم پر ضمہ، عین مفتوح اور لام مشدد پر فتحہ کے ساتھ، نیز عرفان، عین پر ضمہ کے ساتھ، غالی شیعہ ہے، اس کے بارے میں ابن معین نے کہا لیس بشیٔ، بخاری نے منکر الحدیث، اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے، انھوں نے اپنے چچا ابو وائل سے روایت کیا ہے۔

رواۃ حدیث پر جرح غیبت نہیں ہے:

’’حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ كِلاَهُمَا عَنْ عَفَّانَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا لَيْسَ بِثَبْتٍ. قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ اغْتَبْتَهُ. قَالَ إِسْمَاعِيلُ: مَا

اغْتَابَهُ.وَلَكِنَّهُ حَكَمَ أَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ" ۔

ترجمہ:

عفان بن مسلم نے کہا کہ ہم اسماعیل بن علیہ کے پاس حاضر تھے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کے واسطہ سے حدیث نقل کی، تو میں نے کہا کہ وہ تو ثبت یعنی ثقہ و معتبر نہیں ہے ، عفان نے کہا کہ اس (نقل کرنے والے) شخص نے کہا کہ آپ نے اس کی غیبت کر دی، تو اسماعیل نے کہا کہ ، اس کی غیبت نہیں کی ہے ، بلکہ انھوں نے حکم لگایا ہے کہ وہ اپنے حفظ پر قائم رہنے والا نہیں ہے ، یعنی ثقہ نہیں ہے ۔

تشریح:

"ما اغتابه،ولكنه حكم أنه ليس بثبت": متن میں مذکور واقعہ "تہذیب التہذیب" میں صالح بن بشیر مُرّی کے تذکرہ میں عفان سے ہی مذکور ہے ، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب جن کے بارے میں "ليس بثبت" یعنی غیر ثقہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے وہ صالح مری ہیں ، "قال عفان: كنا عند ابن علية ، فذُكر المُرّيُّ،فقال رجل : ليس بثقة، فقال له آخرُ: مَهْ، اغتبت الرجل ، فقال ابن علية : اسكتوا ،فإنما هذا دِين"، ہم ابن علیہ کے پاس تھے اسی دوران مری کا ذکر آیا، تو ایک صاحب نے کہا کہ ثقہ نہیں ہیں ، تو دوسرے صاحب نے ان سے کہا: چپ رہئے ، آپ نے ان کی غیبت کر دی ، تو ابن علیہ نے کہا: خاموش رہو، اس لئے کہ دین یہی ہے (تہذیب التہذیب)، کہ احادیث رسول ﷺ کی حفاظت کے لئے غیر معتبر راویوں کے غیر معتبر ہونے کو بیان کیا جائے ، اسے غیبت نہیں کہا جائے گا ، ابو تراب نخشبی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا کہ علماء کی غیبت مت کیجئے ، تو امام نے فرمایا: "ويحك!هذا نصيحة ،ليس هذا غيبة" تم پر افسوس ہے ، یہ خیر خواہی ہے ، یہ غیبت نہیں ہے ، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے بعض صوفیاء نے اعتراض کیا کہ آپ غیبت کرتے ہیں ، انھوں نے جواب دیا: چپ رہو ہم ظاہر نہیں کریں گے تو باطل سے حق کو کیسے بچائیں گے ۔ (تدریب الراوی: ۳۹۹/۲)

غیبت جیسا کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے (عدم موجودگی میں) اس

کے اندر موجود ایسی بات کا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو، بظاہر یہ تعریف رواۃ کی جرح پر بھی صادق آتی ہے کہ ان کو ضعیف، غیر معتبر یا کذاب کہا جائے، مگر چونکہ احادیث نبویہ، شریعت اسلامی کا منبع ومرجع ہیں، لہذا رسول اللہ ﷺ سے اس کی نقل بعد والوں تک ثقہ اور معتبر لوگوں سے ثابت ہونی چاہئے تاکہ ان کی صحت پر اطمئنان ہو، اور ان پر عمل کرنا دین پر عمل کرنا قرار پائے، اس لئے مجروح اور غیر معتبر رواۃ پر جرح وتنقید میں، دین کا تحفظ، نیز عامۃ المسلمین کی مصلحت اور خیر خواہی مضمر ہے، یعنی اجتماعی مفاد وابستہ ہے، اور رواۃ پر جرح میں ان کا انفرادی ضرر ہے، لہذا انفرادی ضرر کے مقابلہ میں اجتماعی منفعت کی ترجیح کے مد نظر جرح رواۃ کو غیبت محرمہ سے مستثنیٰ مانا جائے گا، یا اگر غیبت کی وہ تعریف کی جائے جو راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں نقل کی ہے، یعنی بلا ضرورت کسی کے عیب کو ذکر کرنا، تو پھر رواۃ پر جرح اس تعریف میں داخل ہی نہیں ہوگی" و الغيبة: أن يذكر الإنسان غيره بما فيه من عيب من غير أن أُحوِج إلى ذكره"[غیبت یہ ہے کہ انسان کسی غیر کا ذکر اس کے اس عیب کے ساتھ کرے جو اس کے اندر ہے، اس کے ذکر کی حاجت کے بغیر](المفردات فی غریب القرآن)۔

تراجم رجال:

"اسماعيل بن عليه": اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم البصری، ابن علیہ سے معروف ومشہور ہیں، عُلَيّة: عین مہملہ پر ضمہ، لام پر فتحہ اور یاء مشددہ کے ساتھ، ان کی ماں ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

"صالح المری": صالح بن بشیر بن وادع، مُرّی سے مشہور ہیں، واعظ تھے، حسن بصری اور محمد بن سیرین وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، اور ان سے مسلم بن ابراہیم اور عفان وغیرہ نے روایت کیا ہے، بقول عباس، یحییٰ بن معین نے ان کو لیس بہ بأس کہا ہے، اور دیگر لوگوں کے بقول لیس بشئی اور ضعیف کہا گیا ہے، امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے، ۱۷۲ یا ۱۷۶ھ میں ان کی وفات ہے۔

صالح مولی التوأمہ، ابو الحویرث، شعبہ، حرام بن عثمان:

"وَحَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الَّذِى يَرْوِى عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَسَأَلْتُهُ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ

فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَبِي الْحُوَيْرِثِ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَسَأَلْتُهُ عَنْ شُعْبَةَ الَّذِي رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَسَأَلْتُهُ عَنْ حَرَامِ بْنِ عُثْمَانَ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَسَأَلْتُ مَالِكًا عَنْ هَؤُلاَءِ الْخَمْسَةِ فَقَالَ لَيْسُوا بِثِقَةٍ فِي حَدِيثِهِمْ. وَسَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ آخَرَ نَسِيتُ اسْمَهُ فَقَالَ هَلْ رَأَيْتَهُ فِي كُتُبِي قُلْتُ لاَ. قَالَ لَوْ كَانَ ثِقَةً لَرَأَيْتَهُ فِي كُتُبِي" .

ترجمہ:

بشر بن عمر نے کہا: میں نے مالک بن انس رحمہ اللہ سے اس محمد بن عبد الرحمن کے بارے میں پوچھا جو سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں تو فرمایا ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے ان سے صالح مولی تو اَمہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے ان سے ابو الحویرث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے ان سے اس شعبہ کے بارے میں پوچھا جن سے ابن ابو ذئب نے روایت کیا ہے تو فرمایا ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے ان سے حرام بن عثمان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے مالک رحمہ اللہ سے ان پانچوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ سب اپنی حدیث میں ثقہ نہیں ہیں، اور میں نے ان سے ایک دوسرے آدمی کے بارے میں پوچھا جن کا نام میں بھول گیا تو فرمایا کیا تم نے ان کو میری کتابوں میں دیکھا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا اگر ثقہ ہوتے تو تم انھیں میری کتابوں میں دیکھتے۔

تشریح:

رواۃ حدیث پر جرح اور ان کے عیوب کو ظاہر کرنے کے جواز کا ذکر چل رہا ہے، اسی تسلسل میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بشر بن عمر نے امام مالک رحمہ اللہ سے، محمد بن عبد الرحمن، صالح مولی تو اَمۃ، ابو الحویرث، شعبہ، اور حرام بن عثمان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ان سب کو غیر ثقہ بتایا، اسی طرح ایک اور صاحب کے بارے میں دریافت کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا "هل رأيته في كُتُبي ، قلت لا قال لو كان ثقة لرأيته في كتبي"۔

اسکا بظاہر مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں جس سے روایت نہ کی ہو وہ

غیر ثقہ ہو لیکن یہ مفہوم درست نہیں، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے نہ تو تمام ثقہ لوگوں کا استیعاب کیا ہے، اور نہ ہی اس کا التزام کیا ہے، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں جن لوگوں سے بھی روایت لیا ہے وہ سب ثقہ ہوں، اور یہی مفہوم صحیح اور درست ہے، اور یہ ایک طرح سے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے ان لوگوں کے ثقہ ہونے کی صراحت ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ لوگوں کے نزدیک ثقہ نہ ہوں۔

اب یہ سمجھئے کہ وہ رجل آخر جن کا نام بشر بن عمر بھول گئے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں یہ جواب دیا کہ " هل رأيته في كتبي ، قلت لا ، قال لو كان ثقة لرأيته في كتبي "، یہ تبصرہ ان پر جرح غیر مفسر کی نوعیت میں داخل ہے اور اس کو جرح مبہم بھی کہتے ہیں، اور مبہم جرح علی الاطلاق قبول نہیں کی جاتی، کسی شخص کے بارے میں جرح مبہم قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی نے بھی اس کی تعدیل نہ کی ہو، "فإن كان من جرِح مجملا قد وثقه أحد من أئمة هذا الشأن لم يقبل الجرح فيه من أحد كائنا من كان -----و إن خلا عن التعديل قُبِلَ الجرحُ فيه غير مفسر إذا صدر من عارف" اور وہ راوی جس پر مجمل جرح کی گئی ہے، اگر اس فن کے ائمہ میں سے کسی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو تو اس کے بارے میں کسی بھی شخص کی جرح (مبہم) قبول نہیں کی جائے گی، خواہ کوئی بھی ہو---------اور اگر وہ راوی تعدیل سے خالی ہو، یعنی کسی سے اس کے عدل ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے تو اس کے بارے میں جرح غیر مفسر یعنی مبہم جرح اگر کسی واقفِ فن سے کی گئی ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ (تدریب الراوی ۱/۳۰۸) نیز امام ذہبی رحمہ اللہ سے منقول ہے " لم يجتمع اثنان من علماء هذا الشأن قط على توثيق ضعيف ولا على تضعيف ثقة"، کسی ضعیف راوی کو ثقہ کہنے یا کسی ثقہ کو ضعیف قرار دینے پر کبھی اس فن کے دو شخصوں کا اتفاق نہیں ہوا (تدریب الراوی ۱/۳۰۸، الموقظہ ص ۸۴)۔

تراجم رجال:

"محمّد بن عَبدالرَّحمٰن الَّذی یروی عن سعید بن المسیَّب": محمد بن عبد الرحمن جو سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں، یہ جملہ ان کے تعارف کے طور پر ہے، اور اس سے مراد جابر البَیَاضی المدنی ہیں، جن کے

بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے'' من حدث عن جابر البیاضی بیّض اللہ تعالی عینیه''جو بھی جابر بیاضی سے حدیث کی روایت لے، اللہ اس کی آنکھوں کو سفید کردے (بے نور کردے) بشر بن عمر کی طرح یحیی بن سعید نے بھی ان کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا تو ان کے بارے میں عدم پسندیدگی کا اظہار کیا، امام احمد رحمہ اللہ نے منکر الحدیث جدًا، اور یحییٰ بن معین نے لیس بثقۃ کہا ہے، نسائی وغیرہ نے متروک الحدیث کہا ہے، ان کے علاوہ ایک محمد بن عبد الرحمن بن ابی لبیبہ بھی سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں، جن کے بارے میں لیس حدیثه بشئی ،ضعیف اور لیس بقویٍ کے الفاظ منقول ہیں۔(میزان الاعتدال)

''**سعید بن المسیب**'': بن حزن القرشی المخزومی، کبار تابعین سے ہیں اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں، ثقہ ومستند فقیہ ومحدث ہیں، ان کی مرسل روایات کو صحیح مانا گیا ہے۔(تہذیب التہذیب)

''**صالح مولی التوأمة**'': (تاء پر فتحہ، واو ساکن، اور ہمزۂ مفتوحہ کے ساتھ، یہی صحیح ہے، تاء پر ضمہ اور واؤ کو ہمزہ سے بدلنے کو امام نوویؒ نے قاضی کے حوالہ سے غلط کہا ہے)، یہ توأمہ، امیہ بن خلف جمحی کی لڑکی ہیں، ان کو توأمہ اس لئے کہا گیا کہ اسی بطن سے ان کے ساتھ ان کی ایک بہن بھی پیدا ہوئی تھیں، اور صالح کے والد کا نام نبہان ہے، صالح, صالح الحدیث، ثقہ ہیں، اخیر عمر میں اختلاط اور تغیر ہو گیا تھا، امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے تغیر کا زمانہ پایا ہے اس لئے غیر ثقہ کہا،'' قال احمد بن حنبل : کان مالک أدرکه و قد اختلط فمن سمع منه قدیما فذاک ''، احمد بن حنبلؒ نے کہا: امام مالکؒ نے ان کو اس وقت پایا جب ان کو اختلاط ہو گیا تھا، لہذا جس نے ان سے اختلاط سے پہلے سنا ہے، اس کی روایت درست اور معتبر ہے۔

''**ابوالحویرث**'': ان کا نام عبد الرحمن بن معاویہ ہے، انکے بارے میں دُوری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ:'' لیس بحجة'' حجت نہیں ہیں، اور یحیی بن معین سے ثقہ کا لفظ بھی منقول ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے مذکورہ قول لیس بثقۃ کے بارے میں عبد اللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں:''أنکر أبی ذلک من قول مالک و قال قد روی عنه شعبة و سفیان''، ہمارے والد نے امام مالکؒ کے اس قول کو قبول نہیں کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ ان سے شعبہ اور سفیان نے روایت کیا ہے، ۱۲۸ یا ۱۳۰ھ میں ان کی وفات ہے۔

"**شعبة الذی روی عنه ابن ابی ذئب**": یہ شعبہ بن دینار الہاشمی مولی ابن عباس ہیں، شعبہ نام کے متعدد رواۃ ہیں اس لئے ان کی تعیین اور تعارف کے لئے روی عنہ ابن اَبی ذئب کی صراحت کی ہے یعنی وہ شعبہ جن سے ابن ابو ذئب نے روایت کی ہے، بشر بن عمر کی مذکورہ روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول لیس بثقۃ مذکور ہے، اور دوری نے ابن معین کا قول ذکر کیاہے:"ليس به بأس وهوأحب إلیّ من صالح مولی التوأمة ، قلت له: ما كان مالك يقول فيه؟ قال : كان يقول : ليس من القراء "ان میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ میرے نزدیک صالح مولی توأمہ سے زیادہ پسندیدہ ہیں، میں نے پوچھا: امام مالکؒ ان کے بارے میں کیا کہتے تھے، تو فرمایا: وہ کہتے تھے کہ یہ قرّاء میں سے نہیں ہیں، نسائی رحمہ اللہ نے لیس بقوی کہاہے، سنن ابو داؤد میں ان سے ایک روایت موجود ہے۔(تہذیب التہذیب:۴/۳۴۶)

"**ابن أبي ذئب**": ان کانام محمد بن عبد الرحمن بن حارث بن ابو ذئب ہے، اور کنیت ابو الحارث ہے، قرشی اور مدنی ہیں، امام احمدؒ نے ان کو صالح اور سعید بن مسیب کے مشابہ کہاہے، اور امام مالک سے افضل کہاہے، ثقہ اور فقیہ ہیں، مگر غیر ثقہ سے حدیثیں لینے میں احتیاط نہیں کرتے تھے، حکام کے سامنے حق بات کہنے میں جری تھے، امام زہری سے ان کی روایت میں بعض لوگوں نے کلام کیاہے، ۱۵۸یا۱۵۹ھ میں ان کی وفات ہے۔(تہذیب التہذیب)

"**حرام بن عثمان الأنصاری المدنی**": انکے بارے میں یحیی بن معین، جوزجانی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے:"الرواية عن حرام حرام"، حرام سے روایت کرنا حرام ہے، امام احمد سے منقول ہے:"ترك الناس حديثه" محدثین نے ان کی حدیث کو ترک کیاہے ابن حبان نے کہا:"كان غاليا في التشيع،يقلب الأسانيد،ويرفع المراسيل"، تشیع میں غالی تھے، اور سندوں میں الٹ پھیر کرتے تھے، نیز مرسل روایات کو مرفوعابیان کرتے تھے(میزان الاعتدال:۱/۴۶۸)۔

شرحبیل بن سعد:

"وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ

عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ وَكَانَ مُتَّهَمًا" .

ترجمہ:

حجاج نے کہا کہ ہم سے ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی روایت کرتے ہوئے شرحبیل بن سعد سے اور یہ (شرحبیل) متہم ہیں۔

تراجم رجال:

شرحبیل بن سعد: ابو سعد الخطمی المدنی مولی الانصار، ائمہ مغازی میں سے ہیں، سفیان بن عینیہ نے ان کے متعلق فرمایا:" لم يكن احد أعلم بالمغازى والبدريين منه "بدری صحابہ اور مغازی کے بارے میں ان سے زیادہ کوئی واقف نہیں تھا، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ضعیف ہیں ان کی احادیث پر ضعیف کا غلبہ ہے، طویل عمر پائی، اخیر عمر میں اختلاط اور تغیر کا شکار ہوگئے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات ہے، بشر بن عمر نے امام مالک رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں بھی پوچھا تو آپ نے لیس بثقة کہا، (تہذیب) ممکن ہے یہ وہی صاحب ہوں جن کے متعلق پچھلی روایت میں بشر بن عمر نے "نسيت اسمه "کہا ہے۔

عبداللہ بن محرر :

"وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُهْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ يَقُولُ لَوْ خُيِّرْتُ بَيْنَ أَنْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَبَيْنَ أَنْ أَلْقَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُحَرَّرٍ لاَخْتَرْتُ أَنْ أَلْقَاهُ ثُمَّ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلَمَّا رَأَيْتُهُ كَانَتْ بَعْرَةٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ."

ترجمہ:

ابو اسحاق طالقانی کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارکؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتا اس کے درمیان کہ (پہلے) جنت میں جاؤں یا عبد اللہ بن محرر سے ملاقات کروں تو میں اسے ترجیح دیتا کہ عبد اللہ بن محرر سے ملاقات کروں پھر جنت میں جاؤں، پھر جب میں نے انھیں دیکھا تو ایک مینگنی بھی ان سے اچھی تھی۔

حل لغات:

"**بعرة**": بعر بفتح الباء وسکون العین وفتحہا: چوپائے اور کھر والے جانوروں کی مینگنی،اس میں تاء وحدت کی ہے یعنی ایک مینگنی،بعر کی جمع ابعار آتی ہے۔

تشریح:

عبد اللہ بن محرر، صالح اور عبادتگزار شخص تھے، اور اپنی دینداری میں مشہور تھے،اور غالبًا ان کی کثرت عبادت اور دینداری کے سبب ہی عبد اللہ بن مبارکؒ ان کی ملاقات کے اس شدت سے خواہاں تھے کہ پہلے ان کی ملاقات کو پھر جنت میں جانے کو پسند کیا،ان کے اس قول میں جنت میں جانے کا انکار نہیں ہے،

مگر جب عبد اللہ بن مبارکؒ ان سے ملے،اور دیکھا کہ علمی میدان کے آدمی نہیں ہیں،ناسمجھی اور غفلت میں سند اور احادیث ادھر کی ادھر کر دیتے ہیں اور انھیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا،تو روایت احادیث میں ان کی نا اہلی کا علم ہونے پر عبد اللہ بن مبارکؒ نے ان کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا کہ،میرے نزدیک ایک مینگنی بھی ان سے اچھی ہے،اور یہ جملہ ان پر جرح کے طور پر استعمال کیا ہے،حافظ ابن حجرؒ نے بھی عبد اللہ بن مبارکؒ کے اس قول کو تہذیب التہذیب میں عبد اللہ بن محرر کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے،منکر کے ذکر میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

یحییٰ بن ابو انیسہ:

"**وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ حَدَّثَنَا وَلِيدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ زَيْدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي أُنَيْسَةَ لاَ تَأْخُذُوا عَنْ أَخِي**".

"**حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ السَّلاَمِ الْوَابِصِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ كَذَّابًا.**"

ترجمہ:

ولید بن صالح نے بیان کیا کہ عبید اللہ بن عمرو نے کہا کہ زید یعنی ابن ابو اُنیسہ نے فرمایا: میرے بھائی سے

روایت (حدیث) مت لو۔

اور عبد اللہ بن جعفر رقی نے بیان کیا کہ عبید اللہ بن عمرو نے کہا کہ یحییٰ بن ابو اُنیسہ کذاب تھے۔

تشریح:

پہلی روایت میں عبید اللہ بن عمرو نے زید بن ابو انیسہ کا قول نقل کیا ہے، جس میں "أخی" مبہم ہے کہ ان کے بھائی کون ہیں، دوسری روایت میں عبید اللہ بن عمرو کے قول " كَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ كَذَّابًا" کے ذکر سے اس ابہام کی وضاحت مقصود ہے، زید بن ابو انیسہ نے بھی اپنے بھائی یحییٰ بن ابو انیسہ کی تکذیب کی ہے، اور لوگوں کو ان سے روایتیں سننے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ دین کا تقاضا یہی ہے، ما سبق میں علی بن المدینی کا قول خود اپنے والد کے ضعیف ہونے کے بارے میں گزر چکا ہے، وکیع بن الجراح کے والد بیت المال کے نگراں تھے، چنانچہ وکیع بن الجراح کوئی روایت اگر اپنے والد سے کرتے تو ان کے ساتھ کسی اور شیخ جن سے وہ حدیث سنی ہو ان کا بھی ذکر کرتے، تنہا اپنے والد سے روایت نہیں کرتے تھے، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ائمہ حدیث اور محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت وروایت میں مکمل دیانتداری سے کام لیا ہے، اور کسی بھی مجروح راوی پر نقد کرنے میں کسی حاکم کا خوف مانع ہوا، نہ کسی رشتہ وقرابت اور اخوت کا جذبہ حائل ہوا، باپ، بھائی، لڑکے کسی کی بھی رعایت نہیں کی۔

فرقد:

"حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ذُكِرَ فَرْقَدٌ عِنْدَ أَيُّوبَ فَقَالَ إِنَّ فَرْقَدًا لَيْسَ صَاحِبَ حَدِيثٍ"۔

ترجمہ:

حماد بن زید نے کہا کہ ایوب کے پاس فرقد کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا: فرقد حدیث کے آدمی نہیں ہیں۔

تراجم رجال:

" فرقد": بن یعقوب السبخی البصری، ان کے بارے میں ابن معین سے ثقہ اور لیس بہ بأس کے الفاظ منقول ہیں، مگر اکثر لوگوں نے ضعیف اور غیر ثقہ کہا ہے "كان يعدّمن صالحى أهل البصرة،رجل صالح ، ضعيف الحديث" (بصرہ کے صلحاء میں شمار کئے جاتے ہیں، صالح آدمی ہیں، حدیث میں ضعیف ہیں)، غالباً اسی لئے ایوب نے ان کے بارے میں کہا کہ صالح اور بزرگ تو ہیں، مگر حدیث کے آدمی نہیں ہیں، "قال الساجی: وقد اختلف فيه،وليس بحجة فى الأحكام و السنن" ساجی نے کہا: ان کے بارے میں اختلاف ہے، احکام اور سنن میں حجت نہیں ہیں (تہذیب التہذیب)۔

محمد بن عبد اللہ بن عبید، یعقوب بن عطار:

"وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ ذُكِرَ عِنْدَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيُّ فَضَعَّفَهُ جِدًّا. فَقِيلَ لِيَحْيَى أَضْعَفُ مِنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَطَاءٍ قَالَ نَعَمْ. ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ أَحَدًا يَرْوِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ".

ترجمہ:

عبد الرحمن بن بشر عبدی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو سنا، ان کے سامنے محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر لیثی کا ذکر کیا گیا تو ان کو بہت ضعیف قرار دیا، یحییٰ سے کہا گیا: کیا یعقوب بن عطار سے بھی زیادہ ضعیف ہیں؟ فرمایا: ہاں، پھر کہا: میرا گمان نہیں تھا کہ محمد بن عبد اللہ بن عمیر سے بھی کوئی روایت کرے گا۔

حل لغات:

"ضعفه جِداً": ان کو بہت زیادہ ضعیف قرار دیا، "جِداً "(ض) جیم کے کسرہ کے ساتھ، بمعنی بہت زیادہ، اس کا معنی سنجیدگی، واقعیت اور کوشش بھی ہے، نیز کسی شئے کی کثرت و مبالغہ کو بیان کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مصدریت کی بنا پر منصوب ہے، اور جیم کے فتحہ کے ساتھ مرتبہ اور نصیب کے معنی میں مستعمل ہے۔

تراجم رجال:

"محمد بن عبیداللہ": بن عبید بن عمیر اللیثی المکی، ان کو محمد المُحرِم بھی کہا جاتا ہے، پورے سال احرام میں رہتے تھے، امام بخاری نے ان کو منکر الحدیث اور نسائی نے متروک کہا ہے۔ (میزان الاعتدال)۔

"یعقوب بن عطا بن رباح": امام احمد نے ان کو منکر الحدیث، یحییٰ بن معین، ابوزرعہ، اور نسائی نے ضعیف کہا ہے، ابوحاتم نے کہا: "لیس بالمتین یکتب حدیثہ "مضبوط راوی نہیں ہیں، ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں، ابواحمد ابن عدی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی حدیثیں غریب ہیں خاص طور سے جب ان سے ابواسماعیل المؤدب، زمعہ اور ابو قرہ روایت کریں ۱۵۵ھ میں بعمر ۸۶ برس وفات پائی۔

یحییٰ بن سعید قطان کا کچھ دیگر لوگوں کو ضعیف قرار دینا:

"حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ ضَعَّفَ حَكِيمَ بْنَ جُبَيْرٍ وَعَبْدَ الأَعْلَى وَضَعَّفَ يَحْيَى مُوسَى بْنَ دِينَارٍ قَالَ حَدِيثُهُ رِيحٌ. وَضَعَّفَ مُوسَى بْنَ دِهْقَانَ وَعِيسَى بْنَ أَبِي عِيسَى الْمَدَنِيَّ ".

ترجمہ:

بشر بن حکم نے کہا کہ میں نے یحیی بن سعید قطان کو سنا، انھوں نے حکیم بن جبیر اور عبد الاعلی کو ضعیف قرار دیا، اور یحیی نے موسی بن دینار کو ضعیف قرار دیا، کہا: اس کی حدیث ہوا ہے، اور انھوں نے موسی بن دہقان اور عیسی ابن عیسی مدنی کو ضعیف قرار دیا۔

حل لغات:

" حدیثه ریح ": یہ کلمہ ان کی جرح کے لئے استعمال کیا گیا ہے، یعنی ان کی حدیث کو ثبات نہیں ہے۔

تشریح:

بشر بن حکم کی اس روایت سے بھی اس کی صراحت ملتی ہے کہ ائمہ سلف محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو خلط و آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے منکر اور ضعیف رواۃ کے مجروح ہونے کی وضاحت اور بیان

سے چشم پوشی نہیں کی ہے، مذکورہ تمام لوگوں کو یحییٰ بن سعید قطان نے بلاتردد ضعیف کہا، بعض نسخہ میں: وضعف یحیی ،موسی بن دینار کی بجائے وضعف یحیی بن موسی بن دینار مذکور ہے، اس میں یحیی اور موسی کے درمیان ''بن'' کا اضافہ کاتب کی غلطی ہو سکتی ہے، بتانا یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے موسی بن دینار کو ضعیف قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ دوسری صورت میں یہ معنی مفقود ہے۔

تراجم رجال:

''**حکیم بن جبیر**'': الاسدی الکوفی (۱۳۰ھ)، ضعیف، منکر الحدیث اور تشیع میں غالی رہے ہیں، اسی بنا پر شعبہ نے انھیں ترک کر دیا، اور شعبہ کے قول پر ہی یحیی بن سعید اور عبد الرحمن بن مہدی نے ان سے روایت نہیں کی ہے، نیز دار قطنی نے متروک کہا ہے، معاذ بن معاذ نیز یحییٰ بن سعید القطان نے شعبہ سے کہا: حکیم بن جبیر کی حدیث سنائیے، تو انھوں نے کہا: ''أخاف النار'' آگ سے ڈرتا ہوں، (الجرح والتعدیل، تہذیب التہذیب، تاریخ اسلام ذہبی)۔

''**عبد الأعلی**'': اس نام کے کئی راوی ضعیف ہیں، ایک تو عبد الاعلی بن عامر ثعالبی، کوفی ہیں جو بقول امام نووی یہاں پر مذکور ہیں، انھوں نے محمد بن الحنفیہ اور عبد الرحمن بن ابو لیلی وغیرہ سے روایت کی ہے، ان کو ضعیف الحدیث کہا گیا ہے، ''قال النسائی: لیس بالقوی و یکتب حدیثه'' امام نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں، ان کی حدیثیں لکھی جائیں گی، اور عقیلی کی روایت ہے کہ ''ترکه ابن مهدی والقطان'' عبد الرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید القطان نے انھیں ترک کیا ہے۔

دوسرے عبد الاعلی بن اعین کوفی ہیں، جنھوں نے یحییٰ بن کثیر اور نافع مولی ابن عمر سے روایت کیا ہے، ان کو بھی لیس بثقة، لا یجوز الاحتجاج به اور منکر کہا گیا ہے۔

تیسرے عبد الاعلی بن مساور ابو مسعود الجرار الخزاز ہیں، انھوں نے نافع مولی ابن عمر، شعبی، زیاد بن علاقہ اور عطاء بن ابو رباح وغیرہ سے روایت کیا ہے، ان کو بھی لیس بثقة ، لیس بشئ، ضعیف ، منکر الحدیث اور متروک الحدیث کہا گیا ہے (تہذیب التہذیب: ۶/ ۹۳ومابعدہ)۔

''**موسی بن دینار مکی**'': امام بخاری اور دار قطنی نے ان کو ضعیف، اور ابو حاتم نے مجہول کہا ہے اور حفص بن

غیاث نے ان کی تکذیب کی ہے۔

"موسی بن دھقان": البصری، مدنی الاصل، امام نسائی اور دار قطنی نے ان کو ضعیف اور یحیٰ بن معین نے لیس بشئی کہا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ابو حاتم نے شیخ لیس بالقوی کہا ہے (تہذیب التہذیب)۔

" عیسی بن أبی عیسی میسرۃ المدنی": ان کو خیاط، حناط اور خباط بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے تینوں پیشہ اپنایا ہے، امام نوویؒ نے یحیٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے: "کان خیاطا ثم ترک ذلک و صار حناطا ثم ترک ذلک وصار یبیع الخبط" یہ خیاط (درزی) تھے پھر اسے چھوڑ کر حناط ہوئے پھر اسے بھی چھوڑ دیا اور خبط (درخت سے جھاڑے ہوئے پتے) بیچنے لگے امام احمد وغیرہ نے ضعیف، نیز فلاس اور نسائی نے متروک کہا ہے، ۱۵۱ھ میں وفات ہے (تہذیب التہذیب)۔

عبد اللہ بن مبارکؒ کا مزید کچھ لوگوں پر کلام:

"قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عِيسَى يَقُولُ قَالَ لِيَ ابْنُ الْمُبَارَكِ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى جَرِيرٍ فَاكْتُبْ عِلْمَهُ كُلَّهُ إِلاَّ حَدِيثَ ثَلاَثَةٍ لاَ تَكْتُبْ حَدِيثَ عُبَيْدَةَ بْنِ مُعَتِّبٍ وَالسَّرِيِّ بْنِ إِسْمَاعِيلَ وَمُحَمَّدِ بْنِ سَالِمٍ".

ترجمہ:

امام مسلمؒ نے کہا: اور میں نے حسن بن عیسی کو سنا، وہ کہہ رہے تھے مجھ سے ابن مبارکؒ نے کہا: جب آپ جریر کے پاس جائیں تو ان کا سارا علم لکھ لیجئے، سوائے تین اشخاص کی حدیث کے، عبیدہ بن معتب، سریّ بن اسماعیل اور محمد بن سالم کی احادیث نہ لکھیں۔

تشریح:

حسن بن عیسی بن ماسرجس ابو علی نیشاپوری مولی ابن مبارکؒ، امام مسلمؒ کے استاذ ہیں، انھوں نے جریر بن عبد الحمید سے روایت کی ہے، لہذا متن میں مذکور جریر سے مراد جریر بن عبد الحمید ہی ہوں گے، اور عبد اللہ بن مبارکؒ کے قول کا مطلب یہ ہو گا کہ ان تین لوگوں کے علاوہ جریر جن سے بھی روایت کریں اسے لکھا جائے گا،

اور ان سے ان تین افراد کی روایتوں کو نہیں لکھا جائے گا۔

تراجم رجال:

"حسن بن عیسی": بن ماسرجس (سین پر فتحہ، راء پر سکون اور جیم پر کسرہ کے ساتھ)، انھوں نے عبد اللہ بن مبارک، جریر بن عبد الحمید، سفیان بن عیینہ وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے امام مسلم اور ابو داؤد وغیرہ نے، پہلے یہ نصرانی تھے اور مالدار گھرانہ کے خوبرو جوان تھے، عبد اللہ بن مبارکؒ کے سامنے سے ان کا گزر ہوا، انھوں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نصرانی ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے ان کے حق میں دعا فرمائی: اللهم ارزقه الاسلام، اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور یہ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، پھر طلب علم کے لئے سفر کیا اور مشائخ سے ملاقات کی، ۲۳۹ یا ۲۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان سے منقول ہے کہ عبد اللہ بن مبارکؒ ایمان کے بارے میں زیادہ ہونے کے قائل تھے اور نقص میں توقف فرماتے تھے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ سے ایک رویت میں منقول ہے، (تہذیب التہذیب: ۲/۳۱۳ میں ان کے احوال دیکھے جاسکتے ہیں)۔

"عُبَیدة بن معتب": عبیدة (بضم العین بالتصغیر) اور معتب (بضم المیم وفتح العین وکسر التاء المشددة) الضبی ابو عبد الکریم کوفی، یحیی بن سعید سے ان کے بارے میں منقول ہے: "كان عُبيدة الضبى سيئ الحفظ، ضريرًا متروك الحديث" عبیدہ ضبی خراب حافظہ والے نابینا متروک الحدیث ہیں، ابو حاتم، ابن معین اور نسائی سبھی نے ضعیف کہا ہے، حضرت شعبہ سے منقول ہے: "أخبرني عبيدة قبل ان يتغير" عبیدہ نے اپنے حافظہ میں خرابی سے پہلے مجھے خبر دیا، اس سے بھی ان کے سیئ الحفظ ہونے کی تائید ہوتی ہے (تہذیب التہذیب: ۷/۸۶)۔

"سریّ بن اسماعیل": الہمدانی الکوفی، امام شعبی کے چچازاد بھائی ہیں، ان سے اور قیس بن ابو حازم وغیرہ سے روایت کی ہے، ابن معین نے ان کو لیس بشئ اور ضعیف کہا ہے، ابو داؤد نے ضعیف متروک الحدیث اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے، مقدمہ مسلم میں مذکور یہ عبارت تہذیب التہذیب میں بھی منقول ہے: "قال الحسن بن عيسى سمعت ابن المبارك يقول: لا يكتب عن جرير بن عبدالحميد حديث السرى بن اسماعيل و محمد بن سالم و عبيدة" "حسن بن عیسی نے کہا میں نے عبد اللہ بن مبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے

سنا ہے کہ جریر بن عبد الحمید سے سری بن اسماعیل، محمد بن سالم اور عبیدۃ کی حدیثیں نہیں لکھی جائیں گی (۴۵۹/۳)۔

"محمد بن سالم": ہمدانی ابو سہل کوفی، ان کو ابن معین نے ضعیف، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث، منکر الحدیث، دار قطنی نے متروک الحدیث اور نسائی نے لیس بثقۃ ولا یکتب حدیثہ کہا ہے، (تہذیب التہذیب: ۱۷۶/۹) عبد اللہ بن مبارک کی رائے ان تینوں کے بارے میں متن میں منقول ہے۔

خلاصہ کلام:

"قَالَ مُسْلِمٌ وَأَشْبَاهُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ كَلاَمِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي مُتَّهَمِي رُوَاةِ الْحَدِيثِ وَإِخْبَارِهِمْ عَنْ مَعَايِبِهِمْ كَثِيرٌ يَطُولُ الْكِتَابُ بِذِكْرِهِ عَلَى اسْتِقْصَائِهِ وَفِيمَا ذَكَرْنَا كِفَايَةٌ لِمَنْ تَفَهَّمَ وَعَقَلَ مَذْهَبَ الْقَوْمِ فِيمَا قَالُوا مِن ذلک و بينوا۔

ترجمہ:

امام مسلمؒ نے کہا: اور جو ہم نے ذکر کیا، یعنی متہم رواۃ حدیث کے بارے میں اہل علم کا کلام کرنا، اور ان کے عیوب سے باخبر کرنا، اس کی مثالیں بہت ہیں، بالاستیعاب ان کے ذکر کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی، اور جو ہم نے ذکر کر دیا وہی کافی ہے اس شخص کے لئے جس نے محدثین کے طریقہ کو اس (رواۃ پر جرح) کے بارے میں ان کے قول اور بیان کرنے کو سمجھ لیا ہے۔

حل لغات:

"أشباہ": شَبہ کی جمع ہے، شین پر کسرہ اور باء کے سکون، نیز شین اور باء پر فتحہ کے ساتھ بمعنی مثل ومانند۔

"إخبارھم": اخبار علی وزن اِفعال مصدر ہے خبر دینا۔

"معایبھم: مَعاب اور مَعابۃ کی جمع ہے، بمعنی عیب، خرابی، برائی۔

"استقصائہ": اس کا مادہ "ق ص و" (قصو) ہے، استقصی بمعنی بلغ الغایۃ، انتہا کو پہونچنا، احاطہ کرنا۔

"تفھَّم": باب تفعّل سے فعل ماضی، تَفھُّم بمعنی بتدریج اچھی طرح سمجھ لینا۔

تشریح:

امام مسلمؒ یہاں سے چند امور کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، اول یہ کہ ماسبق میں ہم نے رواۃ حدیث پر ائمہ فن سے منقول نقد و جرح کا جو ذکر کیا ہے، اس کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ رواۃ حدیث پر نقد و جرح کا ثبوت اہل علم کے کلام سے ہو جائے، اور ان کا نہج و طریقہ معلوم ہو جائے، نیز ہم نے جو تیسرا طبقہ متہم اور مجروح رواۃ کا ذکر کیا ہے، وہ اہل علم کا ہی طریقہ ہے، یہاں پر اس جیسے کلام کا احاطہ و استیعاب مقصود نہیں ہے، اس کا احاطہ تو طویل و ضخیم کتاب کا متقاضی ہے، ہم نے محض بطور مثال ذکر کیا ہے۔

متہم رواۃ حدیث پر جرح اور ان کے عیب کو بیان کرنے کی وجہ:

" وَإِنَّمَا أَلْزَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْكَشْفَ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَدِيثِ وَنَاقِلِي الأَخْبَارِ وَأَفْتَوْا بِذَلِكَ حِينَ سُئِلُوا لِمَا فِيهِ مِنْ عَظِيمِ الْخَطَرِ إِذِ الأَخْبَارُ فِى أَمْرِ الدِّينِ إِنَّمَا تَأْتِى بِتَحْلِيلٍ أَوْ تَحْرِيمٍ أَوْ أَمْرٍ أَوْ نَهْيٍ أَوْ تَرْغِيبٍ أَوْ تَرْهِيبٍ فَإِذَا كَانَ الرَّاوِى لَهَا لَيْسَ بِمَعْدِنٍ لِلصِّدْقِ وَالأَمَانَةِ ثُمَّ أَقْدَمَ عَلَى الرِّوَايَةِ عَنْهُ مَنْ قَدْ عَرَفَهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ مَا فِيهِ لِغَيْرِهِ مِمَّنْ جَهِلَ مَعْرِفَتَهُ كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذَلِكَ غَاشًّا لِعَوَامِّ الْمُسْلِمِينَ إِذْ لاَ يُؤْمَنُ عَلَى بَعْضِ مَنْ سَمِعَ تِلْكَ الأَخْبَارَ أَنْ يَسْتَعْمِلَهَا أَوْ يَسْتَعْمِلَ بَعْضَهَا وَلَعَلَّهَا أَوْ أَكْثَرَهَا أَكَاذِيبُ لاَ أَصْلَ لَهَا مَعَ أَنَّ الأَخْبَارَ الصِّحَاحَ مِنْ رِوَايَةِ الثِّقَاتِ وَأَهْلِ الْقَنَاعَةِ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُضْطَرَّ إِلَى نَقْلِ مَنْ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلاَ مَقْنَعٍ وَلاَ أَحْسِبُ كَثِيرًا مِمَّنْ يُعَرِّجُ مِنَ النَّاسِ عَلَى مَا وَصَفْنَا مِنْ هَذِهِ الأَحَادِيثِ الضِّعَافِ وَالأَسَانِيدِ الْمَجْهُولَةِ وَيَعْتَدُّ بِرِوَايَتِهَا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ بِمَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ إِلاَّ أَنَّ الَّذِى يَحْمِلُهُ عَلَى رِوَايَتِهَا وَالاِعْتِدَادِ بِهَا إِرَادَةُ التَّكَثُّرِ بِذَلِكَ عِنْدَ الْعَوَامِّ وَلأَنْ يُقَالَ مَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَ فُلاَنٌ مِنَ الْحَدِيثِ وَأَلَّفَ مِنَ الْعَدَدِ. وَمَنْ ذَهَبَ فِى الْعِلْمِ هَذَا الْمَذْهَبَ وَسَلَكَ هَذَا الطَّرِيقَ فَلاَ نَصِيبَ لَهُ فِيهِ وَكَانَ بِأَنْ يُسَمَّى جَاهِلاً أَوْلَى مِنْ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى عِلْمٍ."

ترجمہ:

اور اہل علم نے ناقلین اخبار اور رواۃ حدیث کے عیب ظاہر کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا، اور جب اس کے بارے میں پوچھے گئے تو اسی (ان کے عیوب کو بیان کرنے) کا فتوی دیا، اس لئے کہ اس میں عظیم فائدہ اور فضیلت ہے کیونکہ دین کے امور میں احادیث وارد ہوتی ہیں حلال کرنے کے لئے یا حرام کرنے کے لئے، یا امر و نہی کے لئے، یا (کسی عمل کی) رغبت دلانے کئے یا (اس سے) ترہیب اور ڈرانے کے لئے وارد ہوتی ہیں، تو جب ان کی روایت کرنے والا صدق وامانت کا مخزن یعنی اس سے متصف نہ ہو (کذب بیانی کا مرتکب، ضبط و حفظ کی صلاحیت سے محروم، اور غفلت و غباوت کا شکار ہو) پھر اس سے روایت کرنے کا اقدام ایسا شخص کرے جو اس کے عیب سے واقف ہو، اور وہ اس عیب کو جو اس کے اندر ہے بیان نہ کرے اپنے اس غیر سے جو اس کی معرفت سے جاہل ہے تو یہ شخص اپنی اس حرکت (اس کے عیب کو بیان نہ کرنے) سے گنہگار ہو گا، اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا ہو گا، کیونکہ مطمئن نہیں ہوا جاسکتا، یعنی بعید نہیں ہے بعض ان لوگوں سے جو ان احادیث کو سنیں کہ وہ ان احادیث یا ان کے بعض پر عمل کریں، اور شاید کہ وہ سب (احادیث) یا ان کی اکثر جھوٹی ہوں، ان کی کوئی اصل نہ ہو، حالانکہ قابل اطمئنان اور ثقہ رواۃ کی روایت کردہ صحیح احادیث اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ مجبور ہوا جائے اس شخص کی نقل وروایت کا جو ثقہ اور اطمئنان بخش نہیں ہے، اور بہت سے لوگ ان میں سے جو رجحان و میلان رکھتے ہیں اس کا جو ہم نے بیان کیا، یعنی ان ضعیف احادیث اور مجہول سندوں کا، اور اہتمام کرتے ہیں ان کی روایت کا اپنے جان لینے کے باوجود اس ضعف اور کمزوری کو جو ان (احادیث یا سندوں) میں ہے، میں نہیں گمان کرتا ہوں مگر یہ کہ وہ (خواہش) جو ان کو ابھارتی ہے ان احادیث کی روایت اور اہتمام پر وہ عوام کی نگاہوں میں تکثیر کا ارادہ ہے، تاکہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے کتنی زیادہ تعداد میں حدیثیں جمع کر رکھی ہیں، اور جو شخص راہ علم میں یہ نہج اختیار کرے، اور یہ طریقہ اپنائے تو اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں، ایسے شخص کو جاہل کہا جائے زیادہ بہتر ہو گا بجائے اس کے کہ کسی علم کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔

حل لغات:

"الخَطَر": خاء اور طاء پر فتحہ کے ساتھ: شرف، مرتبہ، نصیب، بعض نسخوں میں "حَظّ" کا لفظ ہے، حاء مہملہ اور

ظاء معجمہ مشددہ کے ساتھ، بمعنی حصہ ونصیب۔

"**معدن**": وہ جگہ جہاں کسی چیز کی اصل جڑ ہو، کان (سونے، کوئلے وغیرہ کی)، سرچشمہ، عدن بمعنی اقامت سے اسم ظرف، لیس بمعدن للصدق والامانۃ (یعنی اس راوی کے اندر صدق وامانت نہ ہو)۔

"**أ کاذیب**": أکذوبۃ کی جمع ہے، جھوٹ، جھوٹی خبر۔

"**مقنع**": قناعۃ (س) سے ظرف ہے، قابل تسلیم، قابل اطمئنان، جس کی روایت پر قناعت واعتبار کیا جائے۔

"**الاعتدادبها**": الاعتداد بالشئ: شمار میں لانا، اہمیت دینا۔

"**التوهن**": (تفعل) ضعف اور کمزوری کے معنی میں، وھن (ض) سے۔

"**ما أكثر ما جمع فلان**": ما أكثر صیغہ تعجب ہے، فلان نے کتنا زیادہ جمع کر لیا ہے۔

تشریح:

دوسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی کے عیب کو پس پشت ذکر کرنا، معیوب ہے، مگر ائمہ محدثین نے رواۃ حدیث کے عیوب کو بیان کیا ہے، اور دوسروں کو بھی اسی کا فتوی دیا ہے کہ ان کے عیوب سے ناواقف لوگوں کو باخبر کریں، کیونکہ یہ رواۃ، رسول اللہ کی احادیث کو نقل کرنے والے ہیں، اور احادیث رسول شریعت کے احکام کو بیان کرتی ہیں، ان سے کسی شئے کے حلال یا حرام ہونے یا مأمور بہ یا ممنوع ہونے کا علم ہوتا ہے، ان احادیث کے رواۃ اگر فاسق، غبی، بھولنے والے، غیر معتبر ہوں گے، غیر محتاط، کذاب اور فریبی ہوں گے اور وہ غیر حدیث کو بھی حدیث کے نام پر بیان کریں گے، اور ان کی حقیقت سے لوگوں کو واقف نہیں کرایا جائے گا، تو ان کی روایت کردہ غلط، من گھڑت حدیثوں پر بھی لوگ دین کے نام پر عمل کر بیٹھیں گے، حالانکہ وہ دین کی باتیں نہیں ہوں گی، اس طرح کسی راوی کے عیب کو چھپا کر دین کو غیر دین سے خلط ملط کرنا لازم آئے گا اور لوگوں سے اس کے متروک، متہم، غیر معتبر اور ضعیف ہونے کو چھپانے میں لوگوں سے خیانت اور ان کو دھوکہ دینا لازم آئے گا کیونکہ عامۃ الناس تو علماء پر ہی اعتماد کرتے ہیں، اس لئے رواۃ حدیث کے عیوب کے اظہار کو ضروری سمجھا گیا، اس باب میں یحییٰ بن سعید القطان کا قول علوم حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں منقول ہے اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے "قد

قال أبو بكر بن خلاد ليحيى بن سعيد: أما تخشى أن يكون هؤلاء الذين تركت حديثهم خصماءك عند الله؟ فقال: لأن يكونوا خصمائي أحب إلي من أن يكون خصمي رسول الله ﷺ، يقول: لم لم تذب الكذب عن حديثي "ابو بکر بن خلاد نے یحییٰ بن سعید سے کہا: آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ جن کی حدیثیں آپ نے قبول نہیں کیں وہ عند اللہ آپ کے خصم و فریق ہوں تو انھوں نے جواب دیا: یہ لوگ میرے فریق ہوں مجھے منظور ہے بنسبت اس کے کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے فریق ہوں اور کہیں کہ میری حدیثوں کو کذب سے کیوں نہیں بچایا۔

رواۃ حدیث پر جرح کے اصول:

اصلاً کسی کے عیب کو اس کے پس پشت بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، مگر بعض مصالح جن کے مفادات بنسبت مفاسد غیبت زیادہ اہم اور عظیم ہیں، اس لئے "يتحمل ضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام" کے پیش نظر چند صورتوں کو نہی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ان کے جواز کا قول کیا گیا ہے، ان میں سے ایک رواۃ حدیث پر جرح کرنا بھی ہے، جس کے لئے "ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها" کے تحت کچھ درج ذیل اصول مقرر کئے گئے ہیں جن کا لحاظ کرنا بھی لازم ہے:

۱- صرف اسی شخص پر جرح کی جائے گی جو کسی حدیث کا راوی ہو۔

۲- صحیح قول یہ ہے کہ بیان سبب کے بغیر مبہم جرح غیر مقبول ہے۔

۳- اگر ایک سبب جرح کا ذکر کافی ہو تو دوسرے اسباب کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔

۴- کسی راوی کے بارے میں ائمۂ فن سے جرح و تعدیل دونوں منقول ہو تو صرف جرح کے ذکر پر اکتفاء کرنا جائز نہیں، اس کے بارے میں منقول تعدیل کا ذکر بھی لازم ہے۔

۵- جس راوی کی تعدیل کسی امام فن سے ثابت ہو، اس راوی کے بارے میں مبہم جرح بے اثر ہو گی۔

۶- جرح کرنے والا اسباب جرح و عدل سے واقف ہونے کے ساتھ منصف و متقی ہو، تعصب اور حسد و بغض سے اجتناب کرنے والا ہو، اور جو اس مرتبہ کا نہ ہو تو اس کی جرح و تعدیل کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ (مزید تفصیل کے لئے فتح المغیث، تدریب الراوی اور الرفع والتکمیل کی جانب رجوع کیا جائے)۔

حدیث معنعن سے متعلق ایک متنازع بحث:

”وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ مُنْتَحِلِي الْحَدِيثِ مِنْ أَهْلِ عَصْرِنَا فِي تَصْحِيحِ الأَسَانِيدِ وَتَسْقِيمِهَا بِقَوْلٍ لَوْ ضَرَبْنَا عَنْ حِكَايَتِهِ وَذِكْرِ فَسَادِهِ صَفْحًا لَكَانَ رَأْيًا مَتِينًا وَمَذْهَبًا صَحِيحًا إِذِ الإِعْرَاضُ عَنِ الْقَوْلِ الْمُطَّرَحِ أَحْرَى لإِمَاتَتِهِ وَإِخْمَالِ ذِكْرِ قَائِلِهِ وَأَجْدَرُ أَنْ لاَ يَكُونَ ذَلِكَ تَنْبِيهًا لِلْجُهَّالِ عَلَيْهِ غَيْرَ أَنَّا لَمَّا تَخَوَّفْنَا مِنْ شُرُورِ الْعَوَاقِبِ وَاغْتِرَارِ الْجَهَلَةِ بِمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ وَإِسْرَاعِهِمْ إِلَى اعْتِقَادِ خَطَإِ الْمُخْطِئِينَ وَالأَقْوَالِ السَّاقِطَةِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ رَأَيْنَا الْكَشْفَ عَنْ فَسَادِ قَوْلِهِ وَرَدَّ مَقَالَتِهِ بِقَدْرِ مَا يَلِيقُ بِهَا مِنَ الرَّدِّ أَجْدَى عَلَى الأَنَامِ وَأَحْمَدَ لِلْعَاقِبَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ “

ترجمہ:

اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد محدثین نے سندوں کو صحیح اور ضعیف قرار دینے کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر ہم اس کو بیان کرنے اور اس کی خرابی کو ذکر کرنے سے گریز کرتے تو ایک صحیح رائے اور مناسب راستہ تھا، کیونکہ مردود قول کو مردہ کرنے اور اس کے قائل کو گمنام کرنے کے لئے اس سے اعراض کرنا ہی زیادہ بہتر ہے، اور یہ (اعراض کرنا) اس سے ناواقف لوگوں کو آگاہ اور باخبر نہ کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے، مگر جب ہم کو نتائج کی برائی، اور نئی بات کے فریب میں جاہلوں کے مبتلا ہو جانے اور غلطی کرنے والوں کی غلط بات اور علماء کے نزدیک ساقط اقوال کے اعتقاد (قبول کرنے) میں ان کی دلچسپی کا اندیشہ ہوا، تو ہم نے اس کے قول کی خرابی کو واضح کرنے اور اس کی بات کو اسی بقدر جو اس کے مناسب ہے رد کرنے کو لوگوں کے لئے زیادہ مفید اور انجام کے اعتبار سے قابل تعریف جانا, ان شاءاللہ۔

حل لغات:

”منتحلی الحدیث“: انتحال سے اسم فاعل، صیغہ جمع، ”الحدیث“ کی طرف اضافت کے سبب نون ساقط ہے، انتحال: دوسرے کی شئے کو اپنی ہونے کا دعوی کرنا، غلط انتساب۔

"تسقیمها": سقم بمعنی بیماری تفعیل کے وزن پر، بیمار کرنا، کمزور کرنا، یعنی حدیث کو ضعیف قرار دینے میں، بعض نسخوں میں "سقیمها" ہے بمعنی ضعیف کمزور۔

"لو ضربنا صفحًا": اگر منھ پھیر لیں، پہلو تہی کرلیں، ضرب عنه صفحًا اور صفح عنه باب فتح سے منھ پھیرنا، اعراض کرنا، صفح: پہلو، در گزر، مفعول مطلق ہے۔

"رأیاً متیناً": مضبوط رائے، ٹھوس رائے، متن متانة: کرم سے سخت اور ٹھوس ہونا، متن بمعنی کمر، پیٹھ۔

" المطرح ": پھینکا ہوا، اسم مفعول ہے، طاء پر تشدید کے ساتھ افتعال سے، اور راء پر تشدید کے ساتھ تفعیل سے، طرح الشیئ: دور پھینکنا، ڈالنا۔

"أحری": زیادہ لائق، بہتر، اسم تفضیل ہے، الحرا بمعنی: خلیق، لائق اس کا فعل حرا بِه حرًا، باء کے صلہ کے ساتھ نصر سے بمعنی لائق ہونا مناسب ہونا۔

"إخمال ذکر": گمنام کرنا، افعال سے، خمل الرجل: نصر سے، آدمی کا گمنام ہونا۔

"تنبیهاً للجهال": جاہلوں کو متنبہ کرنا آگاہ کرنا، نبّه علی الشیئ اور نبّه للشیئ، دونوں طرح استعمال ہے، کسی چیز سے آگاہ کرنا۔

"اغترار": دھوکہ کھانا، فریب میں مبتلا ہونا۔

"رأینا ": لما تخوفنا کا جواب ہے، اور الکشف مفعول اول، أجدی و أحمد مفعول ثانی ہیں۔

تشریح:

حدیث کی سند بیان کرنے کا ایک طریقہ "عنعنہ" ہے، جس میں روایت کرتے وقت "عن" کا استعمال کیا جاتا ہے، اس صیغہ سے روایت کی گئی حدیث کو "مُعَنعَن" کہتے ہیں، مثلًا "جریر عن مغیرة عن ابراهیم " چونکہ اس لفظ سے صراحةً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جریر نے مغیرہ سے اور مغیرہ نے ابراہیم سے سنا ہے بلکہ ابہام ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ جریر نے مغیرہ سے براہ راست سنا ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ جریر نے کسی دوسرے سے سنا ہو اور اس نے مغیرہ سے سنا ہو ان دونوں صورتوں میں جریر عن مغیرة کہنا تو صحیح ہو گا مگر دوسری صورت میں سند

منقطع ہوگی، کیونکہ سند میں درمیان والے راوی کا ذکر نہیں ہے، ایسی کسی بھی سند میں "عن" کے ذریعہ روایت کرنے والا راوی اگر مدلس ہے تو پھر اس سند سے مروی روایت قابل احتجاج واستدلال نہیں ہوتی، اور اگر وہ راوی تدلیس میں مشہور نہیں ہے تو عام طور پر یہ سند متصل سمجھی جاتی ہے اور روایت قابل حجت واستدلال ہوتی ہے۔

ایسی ہی سند کے بارے میں امام مسلمؒ کو حدیث معنعن کی تصحیح وتضعیف کے متعلق بعض محدثین جن کو انھوں نے نام نہاد، خود ساختہ کہا ہے، ان کے ایک قول کی اطلاع ہوئی، جو ان کے خیال میں غلط رائے ہے، اس لئے اسی کی تردید کا سلسلہ یہاں سے شروع کر رہے ہیں، جس کی تمہید میں یہ بات کہہ رہے ہیں کہ بعض غلط باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہئے، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی تو خود ہی وہ اپنی موت مر جائیں گی، اور اگر تردید کے لئے ہی سہی ان کا ذکر کیا جائے گا تو جو لوگ اس سے ناواقف ہوں گے وہ بھی مطلع ہو جائیں گے، اور اس کے تذکرہ سے وہ بات مزید پھیلے گی، مگر بسا اوقات یہ خدشہ ہوتا ہے کہ اس غلط بات کے نتائج زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اور نئی بات ہونے کے ناطے لوگوں کا اس کی طرف میلان ہوتا ہے، ان کی نظر انجام پر نہیں ہوتی، اس لئے بقدر ضرورت اس غلط بات کی تردید ضروری ہو جاتی ہے۔

متنازع قول کی تفصیل:

"وَزَعَمَ الْقَائِلُ الَّذِى افْتَتَحْنَا الْكَلاَمَ عَلَى الْحِكَايَةِ عَنْ قَوْلِهِ وَالإِخْبَارِ عَنْ سُوءِ رَوِيَّتِهِ أَنَّ كُلَّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ فِيهِ فُلاَنٌ عَنْ فُلاَنٍ وَقَدْ أَحَاطَ الْعِلْمُ بِأَنَّهُمَا قَدْ كَانَا فِى عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ الْحَدِيثُ الَّذِى رَوَى الرَّاوِى عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ قَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ وَشَافَهَهُ بِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لاَ نَعْلَمُ لَهُ مِنْهُ سَمَاعًا وَلَمْ نَجِدْ فِى شَىْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُمَا الْتَقَيَا قَطُّ أَوْ تَشَافَهَا بِحَدِيثٍ – أَنَّ الْحُجَّةَ لاَ تَقُومُ عِنْدَهُ بِكُلِّ خَبَرٍ جَاءَ هَذَا الْمَجِىءَ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَهُ الْعِلْمُ – بِأَنَّهُمَا قَدِ اجْتَمَعَا مِنْ دَهْرِهِمَا مَرَّةً فَصَاعِدًا أَوْ تَشَافَهَا بِالْحَدِيثِ بَيْنَهُمَا أَوْ يَرِدَ خَبَرٌ فِيهِ بَيَانُ اجْتِمَاعِهِمَا وَتَلاَقِيهِمَا مَرَّةً مِنْ دَهْرِهِمَا فَمَا فَوْقَهَا. فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ عِلْمُ ذَلِكَ وَلَمْ تَأْتِ رِوَايَةٌ صَحِيحَةٌ تُخْبِرُ أَنَّ هَذَا الرَّاوِىَ عَنْ صَاحِبِهِ قَدْ لَقِيَهُ مَرَّةً وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا – لَمْ يَكُنْ فِى نَقْلِهِ الْخَبَرَ عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ ذَلِكَ وَالأَمْرُ كَمَا وَصَفْنَا حُجَّةٌ وَكَانَ الْخَبَرُ عِنْدَهُ مَوْقُوفًا حَتَّى

يَرِدَ عَلَيْهِ سَمَاعُهُ مِنْهُ لِشَيْءٍ مِنَ الْحَدِيثِ. قَلَّ أَوْ كَثُرَ فِي رِوَايَةٍ مِثْلِ مَا وَرَدَ.“

ترجمہ:

اور وہ قائل جس کے قول کو نقل کرنے کے لئے، اور اس کے فکر کی خرابی کو بیان کرنے کے لئے ہم نے بات شروع کی ہے، اس قائل کا کہنا ہے کہ کسی حدیث کی ہر ایسی سند جس میں فلان عن فلان ہو، اور اس بات کا علم ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہم عصر تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ راوی نے وہ حدیث مروی عنہ سے سنا ہو اور بالمشافہ اس حدیث کو اس سے حاصل کیا ہو، مگر ہم کو اس کا اس سے سننا معلوم نہیں ہے، اور نہ کسی روایت میں ہم نے پایا کہ ان دونوں کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے یا کسی حدیث کے لئے ان دونوں نے ایک دوسرے سے گفتگو کی ہے، (اس قائل کا کہنا ہے) کہ ہر وہ حدیث جو اس طرز پر وارد ہو تو اس کے نزدیک قابل حجت واستدلال نہیں ہے، تا آنکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں اپنے وقت میں ایک یا ایک سے زائد بار مل چکے ہیں یا حدیث کے سلسلہ میں آپس میں گفتگو کی ہے، یا کوئی خبر مل جائے جس میں ان دونوں کے اپنی عمر میں ایک یا متعدد بار آپس میں ملاقات کرنے اور جمع ہونے کی صراحت ہو، اور اگر اس کا علم نہ ہو، اور نہ کوئی ایسی صحیح روایت ہو جو خبر دے کہ روایت کرنے والے نے اپنے (مروی عنہ) شیخ سے ایک مرتبہ ہی سہی ملاقات کی ہے، اور اس سے کچھ سنا ہے، تو اس کے اس شخص سے روایت کرنے میں، جبکہ صورت حال وہی ہو جو ہم نے بیان کیا یعنی ان دونوں کے ایک ہی عصر میں ہونے کی وجہ سے لقاء اور سماع ممکن ہو، حجت اور دلیل (کے لائق) نہیں ہو گی اور وہ حدیث اس کے نزدیک موقوف رہے گی (یعنی اس سے استدلال کرنا موقوف رہے گا)، تا آنکہ اس (راوی) کے کم یا زیادہ کچھ حدیثیں اس شیخ سے سننے کا علم اسی جیسی روایت سے ہو جائے (یعنی اس کے رواۃ معتبر ہوں)۔

حل لغات:

”زعم“: (ن، س، ف) بمعنی قال، الزعم (زاء پر تینوں حرکات) بمعنی قول، حق ہو یا باطل، عموماً اس کا استعمال شک وگمان کے مواقع پر ہوتا ہے، مگر یہاں اور حدیث میں بھی حق ویقین کے لئے قال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

”رَوِيَّة“: یاء مشدد کے ساتھ، فعیلۃ کے وزن پر، بمعنی فکر، اس کی جمع روایا ہے،

"شافهه، مشافهة": اس کا ماخذ "شفة" بمعنی ہونٹ ہے، یعنی روبرو، براہ راست گفتگو کرنا

"أن الحجة لا تقوم": لائق استدلال نہیں ہوگی، یہ جملہ خبر واقع ہے، اور اس کا مبتدا "إن کل اسناد" ہے۔

"هٰذا المجئ": مفعول مطلق ہے، نوعیت بیان کرنے کے لئے۔

"رواية صحيحة": بعض نسخوں میں صحیح کا لفظ نہیں ہے۔

"فان لم يكن عنده علم ذلك-----": شرط ہے اور اس کی جزا: "لم یکن فی نقله الخبر ----" ہے۔

"والأمر كما وصفنا" حال واقع ہے، یعنی صورت حال وہی ہو کہ راوی اور مروی عنہ ثقہ ہوں، مدلس نہ ہوں ایک عصر کے ہوں اور دونوں کی باہم لقاء اور سماع ممکن ہو

" لم يكن في نقله الخبر "لم یکن کا اسم "حجة" ہے، یعنی اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں ہوگی۔

بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے: "لم یکن فی نقله الخبر عمن روی عنه علم ذلک"، ذلک سے پہلے "علم" کے اضافہ کے ساتھ، بظاہر یہ کتابت کی غلطی ہے اور جن نسخوں میں مذکور ہے تو علامہ سندی نے یہ توجیہ کی ہے کہ "روی" کا مفعول ہونے کی وجہ سے "علم" کو منصوب پڑھا جائے گا اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی (الحل المفہم:۱/۲۱-۲۲، تعلیق)، یعنی اس راوی کے حدیث کو بصیغۂ "عن" نقل کرنے میں اس شیخ سے جس سے روایت کیا ہے اس کے علم یعنی مضمون کو، حجت اور دلیل نہیں ہوگی، اس حال میں کہ صورت وہی ہو کہ دونوں ہم عصر ہوں لقاء اور سماع ممکن ہو، مگر لقاء اور سماع کے وقوع کا علم نہ ہو۔

"في رواية مثل ما ورد": کسی روایت میں جو مثل ہو اس حدیث کے جو بیان ہوئی ہے، مثل مجرور ہے روایۃ کی صفت واقع ہے، اور ماورد سے مراد وہ معنعن حدیث ہے جو بیان کی گئی ہے۔

تشریح:

یہاں سے امام مسلمؒ اس قول مخترع کی وضاحت کر رہے ہیں، کہ وہ حدیث جو عن کے صیغہ سے روایت کی گئی ہے اس کے بارے میں یہ علم ہو کہ معنعِن راوی نے جس شیخ سے بذریعہ عن روایت نقل کیا ہے، یہ دونوں ہم عصر ہیں، اور اس کا امکان ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے اس حدیث کو سنا ہو، اور اس سے اس کی گفتگو ہوئی ہے،

مگر کسی روایت سے اس کی صراحت نہیں ملتی کہ واقعۃً اس راوی نے مروی عنہ سے سنا بھی ہے، اور کسی حدیث کے سلسلہ میں ان دونوں کی باہم ملاقات اور گفتگو بھی ہوئی ہے، تو یہ معنعن حدیث اور اس طرز پر وارد کوئی بھی روایت اس مخترع قول کے قائل کے نزدیک حجت اور استدلال کے قابل نہیں ہوگی، اس حدیث سے استدلال میں توقف کیا جائے گا، جب تک کسی صحیح ذریعہ سے ان دونوں کی لقاء یا سماع کا علم نہ ہو جائے۔

متنازع قول کی تردید:

”وَهَذَا الْقَوْلُ – يَرْحَمُكَ اللَّهُ – فِي الطَّعْنِ فِي الأَسَانِيدِ قَوْلٌ مُخْتَرَعٌ مُسْتَحْدَثٌ غَيْرُ مَسْبُوقٍ صَاحِبُهُ إِلَيْهِ وَلاَ مُسَاعِدَ لَهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَيْهِ وَذَلِكَ أَنَّ الْقَوْلَ الشَّائِعَ الْمُتَّفَقَ عَلَيْهِ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالأَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ قَدِيمًا وَحَدِيثًا أَنَّ كُلَّ رَجُلٍ ثِقَةٍ رَوَى عَنْ مِثْلِهِ حَدِيثًا وَجَائِزٌ مُمْكِنٌ لَهُ لِقَاؤُهُ وَالسَّمَاعُ مِنْهُ لِكَوْنِهِمَا جَمِيعًا كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَإِنْ لَمْ يَأْتِ فِي خَبَرٍ قَطُّ أَنَّهُمَا اجْتَمَعَا وَلاَ تَشَافَهَا بِكَلاَمٍ فَالرِّوَايَةُ ثَابِتَةٌ وَالْحُجَّةُ بِهَا لاَزِمَةٌ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ دَلاَلَةٌ بَيِّنَةٌ أَنَّ هَذَا الرَّاوِيَ لَمْ يَلْقَ مَنْ رَوَى عَنْهُ أَوْ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ شَيْئًا فَأَمَّا وَالأَمْرُ مُبْهَمٌ عَلَى الإِمْكَانِ الَّذِي فَسَّرْنَا فَالرِّوَايَةُ عَلَى السَّمَاعِ أَبَدًا حَتَّى تَكُونَ الدَّلاَلَةُ الَّتِي بَيَّنَّا.“

ترجمہ:

اور اللہ تم پر رحم فرمائے، سندوں پر نقد و جرح کے سلسلہ میں یہ قول ایک من گھڑت قول اور نئی بات ہے، اس کے کہنے والے پر اس قول کی جانب سبقت نہیں کی گئی ہے، (اس قائل سے پہلے کسی نے بھی یہ قول نہیں کیا ہے)، اور اہل علم میں سے کوئی بھی اس قول میں اس کا معاون اور مؤید نہیں ہے، اور یہ اس لئے کہ احادیث و روایات کا علم رکھنے والے متقدمین و متأخرین سبھی کے درمیان متفق علیہ اور مشہور قول یہی ہے کہ ہر ثقہ شخص جو اپنے ہی جیسے (ثقہ) سے کسی حدیث کی روایت کرے اور اس لئے کہ دونوں ایک ہی عصر میں تھے، اس سے اس کا ملاقات کرنا اور سننا ممکن ہو، اگرچہ کسی روایت میں یہ صراحت وارد نہ ہو کہ وہ دونوں یکجا ہوئے ہیں اور نہ یہ (وارد ہو) کہ ان دونوں نے روبرو کوئی گفتگو کی ہے تب بھی (متفق علیہ مشہور قول یہی ہے کہ) روایت ثابت ہوگی اور

اس کے ذریعہ استدلال لازم ہوگا، مگر یہ کہ اس بارے میں اس بات کی کوئی واضح دلالت اور علم ہو کہ اس راوی نے اپنے مروی عنہ سے نہ کچھ سنا ہے اور نہ ہی اس سے اس کی ملاقات ہے، اور اگر معاملہ اس امکان پر مبہم ہے جس کی ہم نے وضاحت کیا ہے تو روایت سماع پر ہی محمول ہوگی، تا آنکہ وہ دلیل پائی جائے جس کو ہم نے بیان کیا ہے، (یعنی عدم لقاء اور عدم سماع کی وضاحت مل جائے تو سماع پر محمول نہ ہو کر وہ سند منقطع ہوگی)۔

تشریح:

امام مسلمؒ نے حدیث معنعن کے متعلق متقدمین اور اپنے دور کے محدثین علماء کا متفق علیہ اور مشہور قول یہ بتایا ہے کہ روایت کرنے والا اور جس سے روایت کیا ہے دونوں ثقہ ہوں، اور ایک ہی عصر و دور کے ہوں، ایک کا دوسرے سے ملاقات کرنا اور سننا ممکن ہو، تو حدیث ثابت اور صحیح مانی جائے گی، اور اس سے استدلال کرنا درست ہوگا، اگرچہ واقعی طور پر ان دونوں کی ملاقات اور سننے کا علم کسی ذریعہ سے نہ ہو سکے۔

البتہ کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہے، یا یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے مروی عنہ سے کچھ سنا نہیں ہے، تو اس واضح دلالت اور علم کے ہوتے ہوئے وہ حدیثِ معنعن ثابت نہیں مانی جائے گی اور اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

لہذا سندوں پر کلام کرنے میں قائل کا مذکورہ قول بالکل من گھڑت اور ایجاد کردہ ہے، اس سے پہلے کسی اہل علم نے یہ قول نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی تائید اس کو حاصل ہے۔

مناقشہ:

"فَيُقَالُ لِمُخْتَرِعِ هَذَا الْقَوْلِ الَّذِى وَصَفْنَا مَقَالَتَهُ أَوْ لِلذَّابِّ عَنْهُ قَدْ أَعْطَيْتَ فِى جُمْلَةِ قَوْلِكَ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ عَنِ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ يَلْزَمُ بِهِ الْعَمَلُ ثُمَّ أَدْخَلْتَ فِيهِ الشَّرْطَ بَعْدُ فَقُلْتَ حَتَّى نَعْلَمَ أَنَّهُمَا قَدْ كَانَا الْتَقَيَا مَرَّةً فَصَاعِدًا أَوْ سَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا فَهَلْ تَجِدُ هَذَا الشَّرْطَ الَّذِى اشْتَرَطْتَهُ عَنْ أَحَدٍ يَلْزَمُ قَوْلُهُ وَإِلاَّ فَهَلُمَّ دَلِيلاً عَلَى مَا زَعَمْتَ"

ترجمہ:

تو اس قول کے گھڑنے والے سے جس کے قول کو ہم نے بیان کیا ہے یا اس کی جانب سے دفاع کرنے والے سے کہا جائے گا کہ: تم نے اپنی بات کے ضمن میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ایک ثقہ شخص کی روایت کسی ثقہ شخص سے حجت ہے، اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے، پھر تم نے اس کے بعد اس میں ایک شرط کا اضافہ کر دیا اور کہا کہ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دونوں ایک یا ایک سے زائد بار ملاقات کئے ہیں یا معلوم ہو جائے کہ راوی نے اس سے کچھ سنا ہے۔

تو یہ شرط جو تم نے کہی ہے کیا ایسے کسی شخص سے پائی ہے (منقول ہے) جس کی بات ماننا لازم ہے، اور اگر نہیں تو پھر اپنے قول پر تم کوئی دلیل پیش کرو۔

حل لغات:

"وصفنا مقالته": اس کے قول کو ہم نے بیان کیا، وصف وَصفاً و صِفةً: (ض) بیان کرنا، مقالة: (ن) مصدر بمعنی قول۔

"للذاب عنه": اس کا دفاع کرنے والے سے، ذاب اسم فاعل ہے ذب (ض) عنہ بمعنی دفاع کرنا، بچاؤ کرنا۔

"فی جملة قولک": اپنے قول کے مجموعہ یعنی ضمن میں

"هلمّ": اسم فعل امر ہے "هات" یعنی لاؤ کے معنی میں، کسی چیز کی طرف بلانے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ لغت حجاز میں اس کا استعمال تذکیر و تانیث اور واحد جمع سب کے لئے یکساں ہے، اور لغت نجد میں اس کا استعمال صیغوں کے لحاظ سے ہوتا ہے هلمّ، هلمّا، هلمّوا۔

تشریح:

ان بعض نام نہاد محدثین کے قول کی تردید میں امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کے قائل سے یا جو اس کی حمایت اور اس کا دفاع کرتا ہے، اس سے ہم یہ کہیں گے کہ تم نے اپنی بات کے ضمن میں یہ بھی اعتراف کر لیا ہے کہ خبر واحد (جس کا راوی اور مروی عنہ ثقہ ہوں) حجت ہوتی ہے، پھر تم اس میں ایک مزید شرط لگا رہے ہو کہ راوی کا مروی عنہ سے ملاقات کرنا یا سننا کسی ذریعہ سے بصراحت معلوم ہو، صرف امکان پر مبنی نہ ہو، تو ہم یہ کہیں

گے کہ تمھاری اس زائد شرط کو تسلیم کرنے کے لئے دو صورت ہے؛

اول یہ کہ یہ شرط کسی ایسے شخص سے منقول ہو جو اس فن میں اپنا ایک مقام رکھتا ہو، اس کی بات بلا رد وقدح مانی گئی ہو، لہذا اگر کسی ایسے شخص سے منقول ہو تو اسی کو بتلاؤ، ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ تمھاری شرط خانہ زاد ہو، تم نے ہی اس کا اضافہ کیا ہے، تو اس کی کوئی معقول دلیل پیش کرو۔

فائدہ: خبر کی دو اقسام ہیں، اول خبر متواتر، دوم خبر آحاد، خبر آحاد میں مشہور، عزیز اور غریب تینوں اقسام حدیث شامل ہیں اور جمہور امت کے نزدیک خبر واحد صحیح قابل حجت واستدلال ہے، اس کے حجت ہونے کے دلائل متعدد ہیں، معتزلہ اور خوارج خبر واحد کو حجت نہیں مانتے۔

قائل سے دلیل کا مطالبہ اور متوقع دلیل:

"فَإِنِ ادَّعَى قَوْلَ أَحَدٍ مِنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ بِمَا زَعَمَ مِنْ إِدْخَالِ الشَّرِيطَةِ فِي تَثْبِيتِ الْخَبَرِ طُولِبَ بِهِ وَلَنْ يَجِدَ هُوَ وَلاَ غَيْرُهُ إِلَى إِيجَادِهِ سَبِيلاً وَإِنْ هُوَ ادَّعَى فِيمَا زَعَمَ دَلِيلاً يَحْتَجُّ بِهِ قِيلَ لَهُ وَ مَا ذَاكَ الدَّلِيلُ"

ترجمہ:

تو اگر وہ اس بارے میں جو اس نے خبر کو ثابت ماننے کے لئے شرط کو داخل کرنے کا قول کیا ہے، علماء سلف میں سے کسی کا قول ہونے کا دعوی کرے، تو اس کا مطالبہ کیا جائے گا (کہ یہ کس کا قول ہے واضح کرے) اور وہ اور اس کا غیر اس کو وجود دینے یعنی ثابت کرنے کا کوئی راستہ نہیں پائے گا (کسی کا قول نہیں پائے گا کہ پیش کرے)، اور اگر وہ اس بارے میں کسی دلیل کا دعوی کرتا ہے، تو اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ دلیل کیا ہے؟

تشریح:

یعنی یہ قول من گھڑت اور خود ساختہ ہے، اسلاف میں سے کسی نے بھی اس شرط زائد کا قول نہیں کیا ہے، اس لئے وہ اسلاف میں سے کسی کو پیش نہیں کر سکتا، لہذا اگر اس نے یہ قول کسی دلیل کی بنیاد پر کیا ہے تو پھر وہ دلیل

کو سامنے لائے۔

"فَإِنْ قَالَ قُلْتُهُ لأَنِّي وَجَدْتُ رُوَاةَ الأَخْبَارِ قَدِيمًا وَحَدِيثًا يَرْوِي أَحَدُهُمْ عَنِ الآخَرِ الْحَدِيثَ وَلَمَّا يُعَايِنْهُ وَلاَ سَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا قَطُّ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمُ اسْتَجَازُوا رِوَايَةَ الْحَدِيثِ بَيْنَهُمْ هَكَذَا عَلَى الإِرْسَالِ مِنْ غَيْرِ سَمَاعٍ – وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِي أَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ – احْتَجْتُ لِمَا وَصَفْتُ مِنَ الْعِلَّةِ إِلَى الْبَحْثِ عَنْ سَمَاعِ رَاوِي كُلِّ خَبَرٍ عَنْ رَاوِيهِ فَإِذَا أَنَا هَجَمْتُ عَلَى سَمَاعِهِ مِنْهُ لأَدْنَى شَيْءٍ ثَبَتَ عِنْدِي بِذَلِكَ جَمِيعُ مَا يَرْوِي عَنْهُ بَعْدُ فَإِنْ عَزَبَ عَنِّي مَعْرِفَةُ ذَلِكَ أَوْقَفْتُ الْخَبَرَ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدِي مَوْضِعَ حُجَّةٍ لإِمْكَانِ الإِرْسَالِ فِيهِ"۔

ترجمہ:

تو اگر وہ کہے کہ میں نے یہ بات اس لئے کہی کہ میں نے حدیث کی روایت کرنے والوں کو پہلے بھی اور آج بھی پایا کہ ان کا ایک دوسرے سے روایت کرتا ہے، اور حال یہ کہ اس نے اب تک نہ اسے دیکھا ہے اور نہ کبھی اس سے کچھ سنا ہے، تو جب میں نے ان کو دیکھا کہ ان لوگوں نے بغیر سنے ہوئے، انقطاع کے ساتھ اسی طرح حدیث کی روایت کو اپنے درمیان جائز سمجھ رکھا ہے، اور حال یہ ہے کہ منقطع روایتیں ہمارے اور حدیث کا علم رکھنے والوں کے قول کے مطابق حجت نہیں ہیں، تو مجھے اس (بے احتیاطی کی) وجہ سے جو میں نے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی، ہر حدیث کے راوی کے اس کے مروی عنہ شیخ سے سماع کی تفتیش کی، پھر جب میں اس (راوی) کے اس (مروی عنہ) سے کچھ بھی سننے پر مطلع ہو جاؤں گا، تو اس کی وجہ سے اس کے بعد اس کی تمام روایتیں جو اس سے کرے گا میرے نزدیک ثابت ہوں گی، اور اگر مجھ سے اس کی معرفت یعنی سماع کا علم مخفی رہا تو میں خبر (حدیث) کو موقوف رکھوں گا، اور اس میں انقطاع کے امکان کے سبب وہ میرے نزدیک قابل حجت نہیں ہوگی۔

حل لغات:

"لمّا يُعاينه": باب مفاعلت سے مصدر معاینۃ کا فعل مضارع مجزوم ہے "لمّا" کی وجہ سے: یعنی اب تک اسے دیکھا نہیں ہے، یعنی اس راوی کی اس مروی عنہ سے ملاقات کا علم نہیں ہے۔

"استجازوا ": جواز سے باب استفعال کا صیغہ جمع مذکر غائب: جائز سمجھا ہے، روا رکھا ہے۔

"علی الارسال": انقطاع کے ساتھ، ارسال بمعنی انقطاع، ارسل الشیئ: چھوڑ دیا۔

"فإ ذا أنا هجمت علی سماعه": یعنی "وقعت علی سماعه": پھر جب میں اس کے سماع پر مطلع ہو جاؤں گا، "هجم هجوماً" باب ضرب سے "علی" کے ساتھ، اچانک پہونچنا۔

"عزب عنی": "غاب عنی": مجھ سے غائب ہو یعنی مخفی اور پوشیدہ ہو۔

تشریح:

امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس قول جدید کا قائل اپنے اس قول کی دلیل میں یہ کہتا ہے کہ میں نے حدیث کے راویوں کو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی روایت کرتے ہیں جن سے نہ انھوں نے سنا ہے اور نہ ان کو دیکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں سند میں فی الواقع انقطاع ہوتا ہے اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہوتی، اور اگر راوی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ جس سے اس نے روایت کیا ہے اس سے اس کی ملاقات ہے، یا اس سے براہ راست اس کا حدیث سننا ثابت ہے، تو اس سے اس راوی کے بارے میں یہ اطمئنان ہوتا ہے کہ جو حدیث بھی اس نے "عن" کے ذریعہ اس سے روایت کی ہے وہ اس سے سنی ہوگی، اور اس کی وجہ سے اس حدیث کی سند کے متصل ہونے کا پہلو راجح ہو جاتا ہے، اسی لئے میں نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ "عن" کے ذریعہ روایت کرنے والے راوی کا اپنے مروی عنہ سے سماع ثابت اور معلوم ہونا چاہئے۔

حدیث مرسل:

مذکورہ بالا عبارت میں اس ایک بات کا بھی ذکر آیا ہے کہ مرسل روایت حجت نہیں ہے، "**وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِي أَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ**" مرسل مصدر "ارسال" سے اسم مفعول ہے، اور ارسال کا لغوی معنی الاطلاق والاهمال ہے، یعنی چھوڑنا، لہذا یہاں مرسل کا لغوی معنی ہوا وہ حدیث جس کا راوی چھوڑ دیا گیا ہو، علوم حدیث کی اصطلاح میں حدیث مرسل کی تعریف یہ ہے کہ تابعی یہ کہے "قال رسول الله ﷺ كذا" یا "فعل رسول الله ﷺ كذا"، ظاہر ہے کہ تابعی کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے، لہذا

درمیان سے راوی ساقط ہے اغلب یہ ہے کہ وہ کوئی صحابی ہوں گے، اگرچہ امکان یہ بھی ہے کہ وہ محذوف راوی کوئی دوسرے تابعی بھی ہوں، لہذا کم از کم ایک راوی کا انقطاع پایا جاتا ہے۔(دیکھئے: نزہۃ النظر)

بعض علماء نے تابعی کبیر کی قید بھی لگائی ہے اس کے اعتبار سے صغار تابعین کے قول: "قال رسول الله ﷺ "کو مرسل نہیں کہیں گے، "وحکی ابن عبد البر عن بعضهم أنه لا يعد ارسال صغار التابعين مرسلاً"۔(اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیث:۴۰)

مرفوع تابع على المشهور	مرسل أو قيّد ه با لكبير
أو سقط راو مِنْهُ ذو أقوال	و الأول أكثر فى استعمال

(الفیۃ العراقی المسماۃ "التبصرۃ والتذکرۃ فی علوم الحدیث:۱/۱۰۴)

اور حدیث مرسل کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی سند سے کوئی راوی حذف کیا گیا ہو، یہ حذف وانقطاع اول سند سے ہو یا درمیان سند سے یا آخر سند سے، اور خواہ ایک راوی کا حذف ہو یا ایک سے زائد کا، اور ایک سے زائد راوی کا انقطاع خواہ یکجا ہو یا متفرق۔

مرسل کی اس تعریف میں انقطاع کی تمام صورتیں معلق، معضل، منقطع، مرسل، سبھی داخل ہو جاتی ہیں، "و هو ظاهر عبارة الخطيب حيث أطلق الانقطاع،فإنه قال فى كفايته :المرسل هو ماانقطع إسناده بأن يكون فى رواته من لم يسمعه ممن فوقه "(مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند منقطع ہو، اس طور پر کہ اس کے رواۃ میں کوئی ایسا ہو جس نے اس شخص سے نہ سنا ہو جو اس کے اوپر ہے،(فتح المغیث:۱۳۲)۔ بقول امام نوویؒ: فقہاء اور اصولیین کے نزدیک بھی مرسل کی یہی تعریف ہے، "والمشهور فى الفقه والأصول أن الكل مرسل "(تدریب الراوی:۱/۱۹۵)، امام مسلمؒ نے بھی اس موقع پر جہاں کہیں ارسال کا لفظ استعمال کیا ہے ارسال سے مراد انقطاع اور مرسل سے مراد منقطع لیا ہے۔

حدیث مرسل کا حکم:

حدیث مرسل کا حکم محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ وہ حجت اور قابل استدلال نہیں ہے، جیسا کہ امام مسلمؒ

نے اس قائل کی دلیل کے ضمن میں کہا ہے،"لیس بحجة"، امام ترمذیؒ نے بھی یہی حکم ذکر کیا ہے، "والحديث اذا كان مرسلًا فإنه لا يصح عند أكثر أهل الحديث، قد ضعفه غير واحد منهم"، اور حدیث جب مرسل ہوتی ہے تو اکثر محدثین کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتی، محدثین میں کئی لوگوں نے اس کی تضعیف کی ہے،(العلل للترمذی مع السنن:۵/۷۵۳)،اور یہی حکم امام نوویؒ نے بھی تقریب میں نقل کیا ہے:"ثم الحديث المرسل حديث ضعيف عند جماهير المحدثين والشافعي وكثير من الفقهاء و أصحاب الأصول" پھر مرسل حدیث جمہور محدثین، امام شافعی، اور بہت سے فقہاء اور اصحاب اصول کے نزدیک ضعیف حدیث ہے(التقریب مع التدریب:۱/۱۹۸)،اور اس کے حجت نہ ہونے کی وجہ محذوف راوی کا مجہول ہونا ہے، خواہ تابعی نے ہی کیوں نہ حذف کیا ہو اس لئے کہ احتمال ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محذوف راوی کوئی تابعی ہو، اس صورت میں اس کی اور اس کے احوال کی معرفت معدوم ہے۔

اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مرسل حدیث صحیح اور قابل حجت ہوتی ہے، بلکہ ابن جریرؒ نے تو مرسل حدیث کے مقبول ہونے پر تمام تابعین کا اجماع نقل کیا ہے،"وقال ابن جرير:أجمع التابعون بأسرهم على قبول المرسل ،ولم يأت عنهم إنكاره،ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلى رأس المأتين" سبھی تابعین نے مرسل کے مقبول ہونے پر اجماع کیا ہے، اور ان سے اس کا انکار منقول نہیں، اور نہ دوسری صدی تک ان کے بعد کے ائمہ سے اس کا انکار منقول ہے۔(تدریب الراوی:۱/۱۹۸)، امام ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور امام مالکؒ کا سن وفات ۱۷۹ھ ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں فقہاء دوسری صدی ہجری کے اختتام سے پہلے کے ہیں، اور امام سیوطیؒ نے بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "محل قبوله عند الحنفية ما إذا كان مرسله من أهل القرون الثلاثة الفاضلة، فان كان غيرها فلا"(حنفیہ کے نزدیک اس کے قبول کئے جانے کا محل یہ ہے کہ اس کا ارسال کرنے والا قرون ثلاثہ فاضلہ سے ہو اور اگر اس کے علاوہ کا ہو تو مقبول نہیں)(ایضًا)۔

راقم کہتا ہے کہ یہ اختلاف مرسل کی اس خاص قسم کے بارے میں ہے جس میں تابعی اپنے مروی عنہ کا

ذکر نہیں کرتا ہے، اس کے ماسوا ارسال بمعنی انقطاع کی دیگر اقسام کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ منقطع کی دیگر اقسام سبھی کے نزدیک غیر مقبول ہیں، لہذا ائمہ سلف کے اقوال پر اعتراض سے پہلے ان کے اقوال کی اور اس کے پس منظر کی صحیح معلومات سے واقفیت رکھنا بھی ضروری ہے۔

شیخ سے کسی ایک حدیث کا سماع اس سے تمام مرویات کے سماع کو مستلزم نہیں:

"فَيُقَالُ لَهُ فَإِنْ كَانَتِ الْعِلَّةُ فِي تَضْعِيفِكَ الْخَبَرَ وَتَرْكِكَ الِاحْتِجَاجَ بِهِ إِمْكَانَ الْإِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَكَ أَنْ لاَ تُثْبِتَ إِسْنَادًا مُعَنْعَنًا حَتَّى تَرَى فِيهِ السَّمَاعَ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ"۔

ترجمہ:

تو اس قائل سے کہا جائے گا کہ اگر تمہارا حدیث کو ضعیف قرار دینا اور اس سے استدلال کو ترک کرنا اس کی سند میں انقطاع کے امکان کے سبب ہے تو تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ تم کسی بھی معنعن حدیث کو اس وقت تک صحیح نہ مانو جب تک اس میں شروع سے آخر تک سماع کو نہ دیکھ لو۔

تشریح:

یعنی قائل اپنے قول کی دلیل میں اگر یہ بات کہے کہ عن کے ذریعہ کی گئی روایت میں انقطاع کا امکان ہے، اور منقطع روایت قابل استدلال نہیں ہوتی، اس لئے میں نے اس شرط کا قول کیا ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے مابین ملاقات یا سماع کے ثبوت کا علم ہونا چاہئے، تب اس راوی کی اس شیخ سے عن کے ذریعہ روایت اتصال پر محمول ہوگی، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تب تو تمہارے لئے یہ جائز ہی نہیں رہ جاتا کہ تم کسی بھی معنعن حدیث کو صحیح مانو جب تک ہر ایک کی سند میں از اول تا آخر سماع کی صراحت نہ پاؤ، کیونکہ صرف ایک حدیث میں سماع یا لقاء کی صراحت مل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری حدیثیں جو اس سے روایت کرے براہ راست اس سے سن رکھی ہو، اور کسی حدیث میں ان دونوں کے درمیان کسی دوسرے کا واسطہ نہ ہو،، بلکہ ایسا ممکن ہے کہ کچھ حدیثیں اس سے بالواسطہ بھی سنی ہو اور اس کو بھی عن کے ذریعہ واسطہ ذکر کئے بغیر روایت کردے تو ظاہر ہے کہ

اس میں انقطاع ہوگا، مگر تمھارے قول کے مطابق وہ متصل ہوگی جو خلاف واقعہ ہے۔

مثال:

"وَذَلِكَ أَنَّ الْحَدِيثَ الْوَارِدَ عَلَيْنَا بِإِسْنَادِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ فَبِيَقِينٍ نَعْلَمُ أَنَّ هِشَامًا قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَأَنَّ أَبَاهُ قَدْ سَمِعَ مِنْ عَائِشَةَ كَمَا نَعْلَمُ أَنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَمِعَتْ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ يَجُوزُ إِذَا لَمْ يَقُلْ هِشَامٌ فِي رِوَايَةٍ يَرْوِيهَا عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ أَوْ أَخْبَرَنِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَبِيهِ فِي تِلْكَ الرِّوَايَةِ إِنْسَانٌ آخَرُ أَخْبَرَهُ بِهَا عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَسْمَعْهَا هُوَ مِنْ أَبِيهِ لَمَّا أَحَبَّ أَنْ يَرْوِيَهَا مُرْسَلاً وَلاَ يُسْنِدَهَا إِلَى مَنْ سَمِعَهَا مِنْهُ وَكَمَا يُمْكِنُ ذَلِكَ فِي هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ أَيْضًا مُمْكِنٌ فِي أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَكَذَلِكَ كُلُّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ سَمَاعِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ. وَإِنْ كَانَ قَدْ عُرِفَ فِي الْجُمْلَةِ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ قَدْ سَمِعَ مِنْ صَاحِبِهِ سَمَاعًا كَثِيرًا فَجَائِزٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَنْ يَنْزِلَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَةِ فَيَسْمَعَ مِنْ غَيْرِهِ عَنْهُ بَعْضَ أَحَادِيثِهِ ثُمَّ يُرْسِلَهُ عَنْهُ أَحْيَانًا وَلاَ يُسَمِّيَ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ وَيَنْشَطَ أَحْيَانًا فَيُسَمِّيَ الرَّجُلَ الَّذِي حَمَلَ عَنْهُ الْحَدِيثَ وَيَتْرُكَ الإِرْسَالَ"۔

ترجمہ:

اور یہ اس لئے کہ وہ حدیث جو ہشام بن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا کی سند سے ہم تک پہونچنے والی ہے تو ہم یقین سے جانتے ہیں کہ ہشام نے اپنے والد سے سنا ہے، اور ان کے والد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، جیسا کہ ہم کو یقین سے معلوم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اس کے باوجود جب ہشام کسی روایت میں جس کو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس میں سمعت یا اخبرنی نہ کہیں تو جائز اور ممکن ہے کہ اس روایت میں ان کے اور ان کے والد کے درمیان کوئی اور شخص ہو جس نے اس روایت کی خبر ان کو ان کے والد سے دی ہو، اور انھوں نے وہ روایت خود اپنے والد سے نہ سنی ہو، جب انھوں نے چاہا کہ اسے مرسلاً ہی روایت کریں اور جس سے سنا ہے اس کی طرف منسوب نہ کریں، اور جیسا کہ یہ "هشام عن أبيه" میں ممکن ہے اسی طرح "أبيه عن عائشة" یعنی عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا میں بھی ممکن ہے، اور اسی طرح کسی حدیث کی ہر ایسی سند میں جس میں بعض کے بعض سے

سننے کا ذکر (صراحۃً) نہ ہو، اگرچہ فی الجملہ یہ معلوم ہو چکا ہو کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے شیخ (مروی عنہ) سے بہت سی احادیث سن رکھی ہیں تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ممکن ہے کہ کچھ روایتوں میں نزول اختیار کرے اور اس (شیخ) کی کچھ احادیث کو اس کے غیر (کے واسطہ) سے اس سے سنے، پھر کبھی تو اسے مرسلاً بیان کرے اور جس (واسطہ) سے سنا ہے اس کا نام نہ لے، اور کبھی نشاط میں ہو تو (سند بیان کرتے ہوئے) جس سے سنا ہے، اس کا نام بھی ذکر کرے، اور ارسال نہ کرے۔

حل لغات:

"لمّا أحب": لام مفتوح اور میم مشدد کے ساتھ، "لم یقل" کا ظرف ہے، یعنی جب وہ کسی روایت کو انقطاع کے ساتھ مرسلاً بیان کرنا چاہیں اور جس سے سنا ہے اس واسطہ کو ترک کردیں، اس کی طرف منسوب نہ کریں، نیز اپنے والد سے روایت کرتے وقت "سمعت" یا "أخبرنی" جیسے صریح صیغوں کا استعمال نہ کریں بلکہ "عن" کے ساتھ روایت کریں۔

نیز لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس صورت میں لام تعلیلیہ ہو گا یعنی اس وجہ سے کہ اسے مرسلاً روایت کرنا چاہا۔

"أن ینزل فی بعض الروایة": بعض روایت میں نازل ہو، یعنی اس کی سند میں واسطے زیادہ ہوں، روایت میں نزول کا مطلب یہ ہے کہ راوی اور رسول اللہ ﷺ کے مابین واسطے زیادہ ہوں اور علو کا مطلب یہ ہے کہ راوی اور رسول اللہ ﷺ کے مابین واسطے کم ہوں جس قدر واسطہ کم ہو گا سند اتنی ہی عالی ہو گی، اور جس قدر واسطہ زیادہ ہو گا سند اتنی ہی نازل ہو گی۔

تشریح:

قائل کا یہ کہنا کہ کسی ایک روایت میں سننے یا لقاء کی صراحت مل جانے کے بعد اس کی ساری معنعن روایات اتصال پر محمول ہوں گی، جامع دلیل نہیں ہے، کیونکہ کسی راوی کا اپنے شیخ سے کسی ایک حدیث کا سن لینا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ جتنی روایات بھی وہ اس سے عن کے ذریعہ نقل کرے وہ اس سے سنی ہی ہو، ممکن

ہے کچھ روایات ایسی بھی ہوں جو ان سے براہ راست نہ سنی ہو، درمیان میں کوئی واسطہ ہو، مثلاً ہشام کا اپنے والد عروہ سے، ور عروہ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سننا ثابت و معلوم ہے، لیکن جب کبھی ہشام کسی حدیث کو اپنے والد سے عن کے ذریعہ روایت کریں تو یہ ضروری نہیں کہ ہشام نے اس حدیث کو اپنے والد عروہ سے بلاواسطہ ہی سنا ہو، ممکن ہے کچھ روایتیں ایسی بھی ہوں جو انھوں نے اپنے والد سے بالواسطہ سنی ہوں، اور ہشام کبھی روایت بیان کرتے وقت نشاط میں نہ ہوں تو اختصاراً اس واسطہ کا ذکر کئے بغیر اپنے والد سے روایت کر دیں اور کبھی روایت بیان کرتے وقت نشاط میں ہوں تو بالتفصیل اس واسطہ کا بھی ذکر کریں۔

مزید کچھ مثالیں:

”وَمَا قُلْنَا مِنْ هَذَا مَوْجُودٌ فِي الْحَدِيثِ مُسْتَفِيضٌ مِنْ فِعْلِ ثِقَاتِ الْمُحَدِّثِينَ وَأَئِمَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ. وَسَنَذْكُرُ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ عَلَى الْجِهَةِ الَّتِي ذَكَرْنَا عَدَدًا يُسْتَدَلُّ بِهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى“۔

ترجمہ:

اور ہم نے اس بارے میں جو کہا ہے وہ حدیث (کی روایتوں) میں موجود ہے ثقہ محدثین ائمہ اہل علم کے عمل سے عام اور مشہور ہے، اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس نہج کی روایات میں سے کچھ کا ذکر کریں گے، جس سے اس طرز کی اکثر روایات پر استدلال کیا جا سکے گا، ان شاء اللہ۔

حل لغات:

”مستفیض“: بمعنی مشہور، عام، ”استفاض استفاضةً“ سے اسم فاعل ہے، ”استفاض الخبر“: خبر عام ہونا، مجرد میں باب ضرب سے ”فاض یفیض فیضاً و فیضانًا“: پانی کا کثرت سے بہنا۔

تشریح:

اور ہم نے اس قول کو رد کرتے ہوئے جو امکانی صورت پیش کی ہے، وہ محض فرضی امکان برائے امکان ہی نہیں ہے، بلکہ محدثین کے عمل سے اس کی واقعی مثالیں موجود ہیں، جن میں سے کچھ مثالیں بطور نمونہ ہم ذکر

کریں گے۔

"فَمِنْ ذَلِكَ أَنَّ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيَّ وَابْنَ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعًا وَابْنَ نُمَيْرٍ وَجَمَاعَةً غَيْرَهُمْ رَوَوْا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِحِلِّهِ وَلِحُرْمِهِ بِأَطْيَبِ مَا أَجِدُ. فَرَوَى هَذِهِ الرِّوَايَةَ بِعَيْنِهَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَدَاوُدُ الْعَطَّارُ وَحُمَيْدُ بْنُ الأَسْوَدِ وَوُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ -

وَرَوَى هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ. فَرَوَاهَا بِعَيْنِهَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

وَرَوَى الزُّهْرِيُّ وَصَالِحُ بْنُ أَبِي حَسَّانَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ. فَقَالَ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ فِي هَذَا الْخَبَرِ فِي الْقُبْلَةِ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ.

وَرَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لُحُومَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ. فَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ"۔

ترجمہ:

۱- تو ان مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایوب سختیانی، عبد اللہ بن مبارک، وکیع، ابن نمیر اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کو میں آپ کے احرام سے نکلنے اور احرام میں داخل ہونے کے وقت جو سب سے عمدہ خوشبو فراہم ہوتی لگایا کرتی تھی،

بعینہ اسی روایت کو لیث بن سعد، داؤد عطار، حمید بن اسود، وہیب بن خالد اور ابو اسامہ نے ہشام سے نقل کیا ہے، ہشام نے کہا کہ مجھے عثمان بن عروہ نے خبر دی عروہ سے، عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے۔

۲- اور روایت کیا ہشام نے اپنے والد سے اور انکے والد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

نبی ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو (مسجد میں ہوتے ہوئے) آپ اپنا سر مبارک میرے قریب کر دیتے تھے اور میں اس میں کنگھا کر دیتی تھی درانحالیکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔

اسی روایت کو بعینہ مالک بن انس نے نقل کیا ہے زہری سے انھوں نے عروہ سے عروہ نے عمرۃ بنت عبد الرحمن سے اور انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے۔

۳- اور امام زہری اور صالح بن ابو حسان نے روایت کیا ہے، عن أبي سلمة عن عائشة رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ ﷺ بوسہ لیتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے تھے۔

یحییٰ بن کثیر نے اسی بوسہ والی حدیث میں کہا ہے کہ مجھ کو ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دیا کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے انھیں خبر دیا، اور ان کو عروہ نے خبر دیا اور عروہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دیا کہ نبی ﷺ آپ کا بوسہ لیا کرتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے تھے۔

۴- اور ابن عیینہ اور ان کے علاوہ نے روایت کیا ہے "عن عمرو بن دینار عن جابر رضی اللہ عنہ"، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو گھوڑوں کا گوشت کھانے دیا اور گدھے کے گوشت سے منع کیا ہے، اسی حدیث کو حماد بن زید نے روایت کیا ہے "عن عمرو عن محمد بن علی عن جابر عن النبی ﷺ"۔

تشریح:

کسی راوی کا اپنے شیخ سے کسی ایک حدیث کو براہ راست بلاواسطہ سننا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اس سے جتنی روایتیں "عن" کے ذریعہ نقل کرے وہ سب اس سے بلاواسطہ براہ راست سنی ہوئی ہوں، امام مسلمؒ نے فی الحال اس کی چار مثالیں ذکر کی ہیں:

پہلی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہشام کا اپنے والد عروہ سے سماع ثابت اور یقینی ہے، اور کثرت کے ساتھ ایسی روایات، کتب حدیث میں منقول ہیں، جسے عروہ نے اپنے والد سے سماع کی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، مگر کچھ روایات ایسی بھی منقول ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ نے اسے اپنے والد سے براہ راست نہیں سنا ہے، کسی واسطہ سے سنا ہے، مگر اسے کبھی واسطہ کا ذکر کئے بغیر براہ راست عن ابیہ نقل کیا ہے، جیسے لیث بن سعد وغیرہ

نے ہشام بن عروہ سے احرام باندھتے اور کھولتے وقت رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگانے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث نقل کی ہے اس کی سند میں ہشام اور ان کے والد کے درمیان ہشام کے بھائی عثمان کا واسطہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نے یہ حدیث اپنے والد سے براہ راست نہیں سنی ہے، مگر اس حدیث کو ہشام نے واسطہ کا ذکر کئے بغیر بھی روایت کیا ہے جیسا کہ ایوب سختیانی وغیرہ کی روایت سے ظاہر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک یا ایک سے زائد احادیث میں سماع کا ثبوت اس کو مستلزم نہیں کہ ہر حدیث بلا واسطہ ہی سنی گئی ہو۔

اسی طرح دوسری مثال میں یہ دکھایا ہے کہ حضرت عروہ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے، مگر اس کے باوجود بعض احادیث میں ان کے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان واسطہ کا بھی ذکر ہے جیسا کہ مالک بن انس عن زہری عن عروۃ عن عمرۃ عن عائشۃ عن النبی ﷺ سے ظاہر ہے جبکہ اسی روایت کو ھشام نے عن اَبیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، بلا واسطہ نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین بعض مرتبہ احادیث کی روایت سند کی پوری تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور کبھی بطور اختصار بعض واسطہ کو حذف بھی کر دیتے ہیں۔

تیسری مثال میں یہ دکھایا ہے کہ جس شیخ سے راوی کی ملاقات ہے اور اس نے براہ راست اس سے حدیث سنی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی شیخ سے کسی حدیث کی روایت میں اس کے اور شیخ کے درمیان دو، دو واسطے ہوتے ہیں، پھر بھی بعض مرتبہ وہ اس حدیث کو واسطوں کا ذکر کئے بغیر ہی روایت کرتا ہے جیسے یحیٰی بن ابو کثیر نے ابو سلمہ سے انھوں نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے انھوں نے عروہ سے اور عروہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ." کی روایت نقل کی ہے۔

اسی حدیث کی جو روایت زہری اور صالح بن ابو حسان نے ابو سلمہ سے نقل کی ہے اس میں ابو سلمہ نے کہا ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اس میں عمر بن عبد العزیز اور عروہ کے واسطوں کا ذکر نہیں ہے۔

اسی کے مثل چوتھی مثال میں عمرو بن دینار عن جابر منقول ہے، عمرو بن دینار کا جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، پھر بھی یہ ناممکن نہیں کہ ان کے اور جابر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی حدیث کی سماعت میں واسطہ نہ ہو، مثال میں مذکور وہی حدیث جسے سفیان وغیرہ نے عمرو بن دینار عن جابر نقل کیا ہے، اسی حدیث کو حماد بن زید

نے عن عمرو عن محمد بن علی عن جابر عن النبی ﷺ روایت کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سماع میں عمرو بن دینار اور جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان محمد بن علی کا واسطہ ہے۔

ان مذکورہ چار مثالوں میں عنعنہ کے ذریعہ بیان کردہ حدیثیں فی الواقع منقطع ہیں، کیونکہ ان ہی احادیث کی دوسری سندیں یہ وضاحت کرتی ہیں کہ ان میں واسطے ہیں جن کو عنعنہ کے ذریعہ بیان کرتے وقت حذف کر دیا گیا ہے لہذا وہ منقطع ہوئیں مگر اس قائل کے نزدیک متصل قرار پائیں گی، تو ایک منقطع روایت کو متصل کہنا پھر بھی لازم آیا، لہذا اس شرط کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، اگر کوئی یہ کہے کہ معاصرت اور امکان لقاء کے باوجود، کسی ایک ہی حدیث میں ثبوت سماع ولقاء کی شرط کا قول اس لئے کیا گیا ہے کہ اس سے اتصال کا گمان غالب حاصل ہو جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتصال کا گمان غالب تو اس شرط کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے جب کہ راوی ثقہ و معتبر ہو، اور مروی عنہ (استاذ) کا ہم عصر ہونے کی وجہ سے لقاء و سماع کا امکان موجود ہو، اور جب ثبوت سماع و لقاء کے باوجود بعض حدیث کے عدم سماع کا امکان بھی موجود ہے، تو پھر اس شرط جدید یعنی ایک مرتبہ ہی سہی سماع یا لقاء کے ثبوت کا علم ہونے سے کیا فائدہ؟ البتہ یہ نقصان ضرور ہوگا کہ بہت سی صحیح احادیث ہاتھ سے نکل جائیں گی، اور معتبر رواۃ پر شک کا دروازہ کھل جائے گا۔

تراجم رجال:

"ابن نُمَیر": ان کا نام عبد اللہ اور والد کا نام نُمَیر اور کنیت ابوہشام ہے، انھوں نے اسماعیل بن خالد، اعمش، یحییٰ بن سعید، ہشام بن عروہ اور عبید اللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے ان کے لڑکے محمد، یحییٰ بن یحییٰ، ابوخیثمہ اور علی بن مدینی وغیرہ نے روایت کی ہے، کثیر الحدیث ثقہ سنی محدث ہیں، کبار طبقہ تاسعہ سے ہیں، ۱۹۹ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی، ان کے لڑکے محمد بھی ابن نمیر سے معروف ہیں۔

"هشام بن عروة": بن زبیر بن العوام اسدی، ان کی کنیت ابوالمنذر ہے انھوں نے اپنے والد عروہ، اپنے چچا عبد اللہ بن زبیر، اور اپنے دونوں بھائی عبد اللہ اور عثمان بن عروہ سے حدیث سنی ہے، اور ان سے ایوب سختیانی، عبد اللہ بن مبارک، وکیع، ابن نمیر اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے حدیثیں سنی ہیں، طبقہ خامسہ سے ہیں ۱۴۵ یا

۱۴۶ھ میں ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

"عروۃ بن الزبیر": بن عوام اسدی، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، انھوں نے اپنے والد زبیر، اپنے بھائی عبد اللہ، اپنی والدہ اسماء بنت ابو بکر اور اپنی خالہ ام المومنین سیدہ عائشہ اور دگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی ہیں، اور ان سے ان کے لڑکے عبد اللہ، عثمان، ہشام، محمد اور یحییٰ نے اور سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور امام زہری وغیرہ نے روایت کی ہے، کثیر الحدیث، ثقہ اور فقیہ محدث ہیں، یہ اپنے بھائی عبد اللہ سے عمر میں بیس سال چھوٹے ہیں، ان کے سن وفات کے بارے میں ۹۱ھ تا ۱۰۱ھ متعدد اقوال ہیں۔

"اللیث بن سعد": لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی، کنیت ابو الحارث، مصری، انھوں نے حضرت نافع مولی ابن عمر، ابن ابو ملیکہ، یحییٰ بن سعید انصاری، اور امام زہری وغیرہ سے حدیثیں سنی ہیں، اور ان سے عبد اللہ بن مبارک وغیرہ نے روایت کی ہے، مالدار، سخی، کثیر العلم، صحیح الحدیث، فقیہ محدث ہیں، امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ مجھے ان سے حدیث نہ سننے کا جتنا افسوس ہے، اتنا کسی اور پر نہیں، نیز انھوں نے فرمایا لیث بن سعد امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں، مگر ان کے تلامذہ نے انھیں شہرت نہیں دی، سخاوت کا یہ حال تھا کہ سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار تھی مگر کبھی ان پر زکاۃ واجب نہیں ہوئی، فقہ وورع، علم وفضل، زہد وسخاوت میں بے مثال تھے، ۹۴ھ میں ان کی ولادت اور ۱۵/ شعبان ۱۷۵ھ میں وفات ہے۔

"داؤد العطار": بن عبد الرحمن العبدی ابو سلیمان المکی، انھوں نے ہشام بن عروہ، ابن جریج اور عمرو بن دینار وغیرہ سے اور ان سے عبد اللہ بن مبارک، ابن وہب، اور سعید بن منصور وغیرہ نے روایت کی ہے، ثقہ صالح اور کثیر الحدیث محدث وفقیہ ہیں، ۱۰۰ھ میں ولادت اور ۱۷۵ھ میں وفات ہے۔

"حُمید بن الأسود": بن الاشقر بصری، ابو الاسود کرابیسی، انھوں نے ہشام بن عروہ، ابن عون، اور عبد العزیز بن صہیب سے اور ان سے عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، مسدد اور ابن المدینی وغیرہ نے روایت کی ہے، ابو حاتم نے ثقہ، بعض لوگوں نے صدوق، اثرم نے منکر کہا ہے، صحیح بخاری میں ان کی دو روایتیں ایک دوسرے راوی کے ساتھ مقرون منقول ہیں۔

”**وُھیب بن خالد**“: بن عجلان باہلی، انھوں نے حمید الطویل، ہشام بن عروہ، ایوب اور خالد الحذاء سے اور ان سے اسماعیل بن عُلَیَّہ، عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، اور عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ نے روایت کی ہے، ثقہ اور حجت ہیں اپنے حفظ سے حدیثیں املا کراتے تھے، ۵۸ سال کی عمر میں بقول بخاری ۱۶۵ھ اور بقول ابن خلیفہ وابن قانع ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔

”**أبو أسامة**“: یہ حماد بن اسامہ بن زید قرشی، کوفی ہیں، انھوں نے ہشام بن عروہ، برید بن عبد اللہ بن ابو بردہ، اسماعیل بن ابو خالد، سلیمان اعمش وغیرہ سے اور ان سے امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے روایت کی ہے، ہشام بن عروہ سے بہت کثرت کے ساتھ روایتیں کی ہیں، ثقہ اور ثبت، صاحب سنت وجماعت محدث ہیں، ۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

”**عثمان بن عروة**“: بن زبیر بن عوام اسدی، انھوں نے اپنے والد عروہ سے اور ان سے ان کے بھائی ہشام نے روایت کی ہے، ہشام عمر میں چھوٹے تھے، اور ہشام سے پہلے ہی ۱۳۶ھ میں عثمان کی وفات بھی ہوئی ہے خطباء اور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

”**عمرة**“: بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارۃ انصاریہ مدنیہ، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زیر تربیت پرورش پائی، اور ان سے نیز ان کے علاوہ صحابیات سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ان کے لڑکے ابو الرجال، بھائی محمد بن عبد الرحمن اور ان کے بھتیجے ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار اور امام زہری وغیرہ نے روایت کی ہے، ۹۸ھ یا ۱۰۶ھ میں وفات پائی، علی بن المدینی نے ان کے بارے میں ”أحد الثقات العلماء بعائشة“ اور ابن حبان نے ”أعلم الناس بحديث عائشة“ کہا ہے، عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا کہ وہ عمرۃ کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کر لیں۔

”**صالح بن أبي حسان**“: مدنی، انھوں نے سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور عبد اللہ بن ابو قتادہ وغیرہ سے اور ان سے ابن ابو ذئب، خالد بن الیاس، اور بُکیر بن اشج وغیرہ نے روایت کی ہے، امام ترمذی نے ثقہ، ساجی نے مستقیم الحدیث، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث اور نسائی نے مجہول کہا ہے، اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا

ہے، تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے ان کے تذکرہ میں مقدمہ کی اس عبارت کا بھی ذکر کیا ہے۔

"أبو سلمة": بن عبد الرحمن بن عوف زہری، مدنی، بعض لوگوں نے ان کا نام عبد اللہ اور بعض نے اسماعیل کہا ہے، اور بعض نے کہا کہ ان کا نام ہی ان کی کنیت بھی ہے، انھوں نے اپنے والد عبد الرحمن، اور عثمان بن عفان، عبادہ بن صامت، و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور ان سے عروہ بن زبیر اور زہری وغیرہ نے روایت کی ہے، علی بن المدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو حاتم وغیرہ نے کہا ہے کہ ان کے والد سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، صغر سنی میں ہی والد کا انتقال ہو گیا تھا، ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں ان کی وفات ہے۔

"يحيىٰ بن أبي كثير": والد ابو کثیر کا نام صالح بن متوکل ہے، اور بعض لوگوں نے ان کا نام یسار، نشیط اور دینار کہا ہے، تابعی ہیں، انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے، ابو حاتم کا کہنا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت مرسل ہے، ان سے سماع حاصل نہیں ہے، ان کے علاوہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، اور ہلال بن ابو میمونہ وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے ایوب سختیانی، یحییٰ بن سعید انصاری، اوزاعی وغیرہ نے روایت کی ہے، یحییٰ بن سعید نے ان کے بارے میں شعبہ کا قول نقل کیا ہے کہ "يحيىٰ أحسن حديثاً من الزهري": نیز یحییٰ بن سعید نے ان کی مرسلات کو "شبه الريح" کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱/۲۶۹)، عمرو بن علی کے بقول ۱۲۹ھ میں ان کی وفات ہے، اور ان کے علاوہ نے ۱۳۲ھ کہا ہے۔

"عمر بن عبد العزيز": بن مروان بن الحکم بن ابو العاص بن امیہ، ابو حفص مدنی، دمشقی، امیر المومنین خلیفۂ راشد و زاہد، فقیہ و مجتہد، ان کی ماں خلیفہ دوم عمر بن خطاب کی پوتی ام عاصم بنت عاصم ہیں، ولادت ۶۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اور نشو و نما مصر میں ہوئی، اولاً ولید کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ کے امیر مقرر ہوئے، اور ۹۹ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد اس کی وصیت اور تعیین سے خلیفہ بنائے گئے،، اور رجب ۱۰۱ھ میں چالیس سال کی عمر میں وفات پائی، خلافت کی اس مختصر ترین مدت میں انھوں نے عدل و زہد کی وہ مثال قائم کر دی کہ ان کا شمار خلفاء راشدین میں ہوتا ہے، انھوں نے صحابہ میں انس بن مالک اور سائب بن یزید وغیرہ سے روایت کی ہے، اور بعد کے لوگوں میں عروہ بن زبیر،، ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور ابو بکر بن حارث بن ہشام وغیرہ

سے اور ان سے ان کے شیخ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے اور ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم اور امام زہری وغیرہ نے روایت کی ہے، عابد وزاہد، نیک صالح، ثقہ اور کثیر الفضائل ہیں، بچپن میں ایک گھوڑے کی لات سے سر میں زخم کا نشان ہو گیا تھا اسی لئے ان کو اشج بنی امیہ بھی کہا جاتا ہے، عدل وانصاف اور صلاح وتقوی کا وہ بلند مقام حاصل تھا کہ شیعوں کا عظیم شاعر شریف رضی بھی بنو امیہ سے بغض وعناد کے باوجود اس کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا:

أنت بالذكر بين عيني و قلبي　　إن تدانيت منک أو قد نأيتک

فلو أني ملكت دفعا لما نا　　بَک من طارق الردى لفديتک

"ابن عيينة": سفیان بن عیینہ بن ابو عمران میمون ہلالی، ان کی کنیت ابو محمد ہے، کوفی ہیں مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، انھوں نے ابو اسحاق السبیعی، اسود بن قیس، ایوب سختیانی، اور عمرو بن دینار وغیرہ سے اور ان سے سلیمان اعمش، ابن جریج، شعبہ، سفیان ثوری، ابن مبارک اور دیگر کثیر لوگوں نے روایت کی ہے، ان کا شمار حکماء محدثین میں ہوتا ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز سے علم اٹھ جاتا، ان کی ولادت ۱۰۷ھ اور وفات ۱۹۸ھ میں ہے، ابن عمار نے یحیٰی بن سعید کا قول نقل کیا ہے کہ ۱۹۷ھ میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا۔

"عمرو بن دينار": مکی ابو محمد اثرم الجمحی، ائمۂ اعلام میں شمار ہوتے ہیں، انھوں نے ابن عباس، ابن زبیر، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ وغیرہ صحابۂ کرام سے حدیثوں کی روایت کی ہے اور ان سے قتادۃ، ایوب اور جعفر صادق وغیرہ نے روایت کی ہے، ان کے ثقہ، فقیہ، محدث عالم ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے، امام بخاریؒ کا قول ہے کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بکاء علی المیت والی حدیث نہیں سنی ہے، ان کی جانب تشیع کی نسبت کو امام ذہبی نے باطل کہا ہے، سن وفات ۱۲۶ھ ہے۔

"جابر رضى الله عنه": بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ خزرجی، صحابی ہیں ان سے عمرو بن دینار اور سعید بن المسیب وغیرہ نے حدیثیں سنی اور روایت کی ہیں، ۷۳ یا ۷۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

"حماد بن زيد": بن درہم ازدی جہضمی، بصری ہیں کنیت ابو اسماعیل ہے، نابینا تھے، انھوں نے ثابت البنانی، عمرو بن دینار اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے اور ان سے عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، یحیٰی بن سعید قطان،

ابن المدینی اور قتیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے، اپنے وقت میں بصرہ کے فقیہ وامام تھے، ثقہ اور حجت ہونے میں متفق علیہ ہیں، یحییٰ بن معین کا قول ہے: "حماد بن زيد أثبت من عبدالوارث وابن علية والثقفى وابن عيينة وقال أيضاً ليس أحد أثبت فى أيوب منه" حماد بن زید، عبد الوارث، اسماعیل بن عُلَیَّہ، ثقفی اور سفیان ابن عیینہ سے زیادہ ثبت ہیں اور ایوب سے روایت میں کوئی بھی ان سے زیادہ ثبت نہیں ہے، یحییٰ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایوب کی مجلس میں ان کے علاوہ کوئی لکھتا نہیں تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بینائی بعد میں گئی تھی، کثرت احتیاط میں کبھی کبھی مرفوع حدیث کو موقوف ہی روایت کرتے تھے، ۹۸ھ میں ولادت اور ۱۷۹ھ میں وفات ہے۔

"محمد بن علی": بن الحسین بن علی بن ابو طالب الہاشمی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں کنیت ابو جعفر اور کثرت علم کی وجہ سے لقب باقر ہے، ابو سعید خدری، جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک اور دیگر کئی صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے لڑکے جعفر، اعرج، زہری، اور عمرو بن دینار وغیرہ نے روایت کی ہے، ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب کے ماسوا صحابۂ کرام سے ان کی روایتیں مرسل ہیں، ۵۶ھ میں ان کی ولادت اور وفات کے بارے میں ۱۱۴ تا ۱۱۸ کے اقوال ہیں، تہذیب میں یہ قول بھی منقول ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر ۷۳ سال تھی اس لحاظ سے ان کی وفات ۱۱۸ھ میں مان لی جائے تو ان کی ولادت ۴۵ھ میں ہونی چاہئے، جبکہ یہ بھی منقول ہے کہ ان کے والد علی بن حسین کربلاء محرم ۶۱ھ میں شریک تھے اور اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی، اس لحاظ سے علی بن حسین کی ولادت ۴۰ھ میں ہوگی تو ۴۵ھ میں ان کے لڑکے محمد بن علی کی ولادت کیسے ہوسکتی ہے، اسی لئے ابن حجرؒ کا رجحان یہ ہے کہ ان کا سن ولادت ساٹھ (۶۰) ہجری ہو، مگر ان کی وفات کے بارے میں انھوں نے بقول بخاریؒ ۱۱۴ ہجری کے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے، (اس لحاظ سے وفات کے وقت ان کی عمر ۵۴ سال ہوگی)، مگر سال وفات ۱۱۴ھ کے تحت ابن حجرؒ نے محمد بن علی کی ولادت کے بارے میں ۵۶ھ کے قول کی جانب بھی میلان ظاہر کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں: تہذیب التہذیب) لیکن اس لحاظ سے بھی ان کی عمر ۵۸ سال ہی ہوتی ہے اور اگر محمد بن علی کی ولادت ۵۶ھ میں صحیح مانا جائے، اور عمر ۷۳ سال پائی

ہو تو ان کی وفات ۱۲۹ھ میں ہونی چاہئے، مگر یہ سن وفات کسی سے منقول نہیں ہے، یا پھر وفات کے وقت ان کی عمر ۷۳ سال نہیں تھی، چنانچہ تہذیب الاسماء واللغات للنوویؒ میں یہ صراحت ملی کہ ان کی ولادت ۵۶ھ اور وفات بقول یحیی بن معینؒ ۱۱۸ھ اور عمر ۶۳ سال ہے،(۱/۸۷) اور یہ صحت سے قریب تر قول معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم،

’’وَهَذَا النَّحْوُ فِي الرِّوَايَاتِ كَثِيرٌ يَكْثُرُ تَعْدَادُهُ وَفِيمَا ذَكَرْنَا مِنْهَا كِفَايَةٌ لِذَوِي الْفَهْمِ. فَإِذَا كَانَتِ الْعِلَّةُ عِنْدَ مَنْ وَصَفْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ فِي فَسَادِ الْحَدِيثِ وَتَوْهِينِهِ إِذَا لَمْ يُعْلَمْ أَنَّ الرَّاوِيَ قَدْ سَمِعَ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُ شَيْئًا إِمْكَانَ الإِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَهُ تَرْكُ الاِحْتِجَاجِ فِي قِيَادِ قَوْلِهِ بِرِوَايَةِ مَنْ يُعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ سَمِعَ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُ إِلاَّ فِي نَفْسِ الْخَبَرِ الَّذِي فِيهِ ذِكْرُ السَّمَاعِ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ عَنِ الأَئِمَّةِ الَّذِينَ نَقَلُوا الأَخْبَارَ أَنَّهُمْ كَانَتْ لَهُمْ تَارَاتٌ يُرْسِلُونَ فِيهَا الْحَدِيثَ إِرْسَالاً وَلاَ يَذْكُرُونَ مَنْ سَمِعُوهُ مِنْهُ وَتَارَاتٌ يَنْشَطُونَ فِيهَا فَيُسْنِدُونَ الْخَبَرَ عَلَى هَيْئَةِ مَا سَمِعُوا فَيُخْبِرُونَ بِالنُّزُولِ فِيهِ إِنْ نَزَلُوا وَبِالصُّعُودِ إِنْ صَعِدُوا كَمَا شَرَحْنَا ذَلِكَ عَنْهُمْ‘‘۔

ترجمہ:

اور یہ طریقہ روایات میں بہت ہے،(بالتفصیل بیان سے) ان کی تعداد کثیر ہو جائے گی، اس میں سے جتنا ہم نے (بطور مثال) ذکر کر دیا وہ سمجھ والوں کے لئے کافی ہے، لہٰذا اس صورت میں جب کہ معلوم نہ ہو کہ روایت کرنے والے نے جس سے روایت کیا ہے، کچھ سنا ہے، حدیث کو فاسد اور کمزور قرار دینے میں اگر سبب اس شخص کے نزدیک جس کا قول ہم نے بیان کیا ہے انقطاع کا امکان ہو، تو اپنے اس قول کی پابندی میں اس کے لئے اس کی حدیث سے بھی استدلال کو ترک کرنا لازم ہو گا جس کے بارے میں معلوم ہے کہ جس سے اس نے روایت کیا ہے اس سے کچھ سنا ہے، سوائے خاص اس حدیث کے جس میں سماع کا ذکر ہو، اس سبب سے جس کو ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ان ائمہ سے جنھوں نے احادیث کو نقل کیا ہے، کہ ان کے لئے کبھی ایسے حالات ہوتے ہیں کہ حدیث کو ارسال کے ساتھ نقل کر دیتے ہیں اور جس سے سنا ہے اس کا نام ذکر نہیں کرتے، اور کبھی ایسے احوال ہوتے ہیں

جس میں وہ نشیط، ہشاش بشاش ہوتے ہیں تو حدیث کی سند اسی ہیئت اور تفصیل پر بیان کرتے ہیں جیسے سنا ہے، یعنی جس واسطہ سے اس تک پہونچی ہے اس واسطہ کی تفصیل کے ساتھ، اگر نازل ہوتے ہیں تو نزول کے ساتھ اور عالی ہوتے ہیں تو علو کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جیسا کہ ہم نے ان کے بارے میں وضاحت کی ہے۔

حل لغات:

" فی قیاد قوله ": اپنے قول کی پابندی میں، اس کے بموجب، "قیاد" قاف کے کسرہ کے ساتھ: "حبل یقاد به" وہ رسی جس سے کھینچا جائے۔

" تارات ": "تارة" کی جمع ہے بمعنی اوقات۔

"امکان الارسال ": بالنصب، "فاذا کانت العلة" کی خبر ہے، یعنی اس شخص کے نزدیک حدیث کو ضعیف قرار دینے کی علت انقطاع کا امکان ہے، اکثر نسخوں میں " امکان الارسال "اور ہندوستانی مطبوعہ نسخوں میں " لِمکان الارسال " ہے لام حرف جار کے ساتھ، اس صورت میں "کانت" کی خبر "معتبرةً " محذوف ماننا پڑے گا، اور ترجمہ یہ ہوگا کہ "تو جبکہ اس شخص کے نزدیک جس کا قول ہم نے بیان کیا اس سے پہلے حدیث کو فاسد اور کمزور قرار دینے میں جبکہ نہ معلوم ہو کہ راوی نے جس سے روایت کیا ہے اس سے کوئی حدیث سنی بھی ہے، اس میں انقطاع ہونے کی وجہ سے سبب وعلت معتبر ہو" اور مختصر ترجمہ یہ ہوگا کہ جبکہ علت معتبر ہو اس میں انقطاع ہونے کی وجہ سے، مگر اس ترجمہ میں تکلف ہو رہا ہے کیونکہ علت تو انقطاع کا امکان ہے، اور اگر واقعۃً امکان ہو تب تو حدیث سب کے نزدیک کمزور ہوتی ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ ہندوستانی نسخہ میں "امکان" کے ہمزہ (الف) اور میم کے درمیان فصل پر کاتب کی نظر چوک گئی اور انھوں نے دونوں کو متصل سمجھا اور اس طرح ہمزہ لام ہو گیا، واللہ اعلم بالصواب، اس سے پہلے اسی کے مثل ایک عبارت گزر چکی ہے "**فَيُقَالُ لَهُ فَإِنْ كَانَتِ الْعِلَّةُ فِي تَضْعِيفِكَ الْخَبَرَ وَتَرْكِكَ الاِحْتِجَاجَ بِهِ إِمْكَانَ الإِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَكَ أَنْ لاَ تُثْبِتَ إِسْنَادًا مُعَنْعَنًا حَتَّى تَرَى فِيهِ السَّمَاعَ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ**" اس میں بھی " **إِمْكَانَ الإِرْسَالِ** " ہی ہے ہمزہ کے ساتھ، اور اس سے مباشرۃً پہلے بھی "امکان" کا ہی لفظ ہے، "ولم یکن عندی موضع حجة لإمكان الإرسال فيه"۔ واللہ اعلم

تشریح:

یعنی ہمارے قائل کے نزدیک حدیث معنعن صرف اس لئے ناقابل احتجاج و استدلال ہے کہ اس میں انقطاع کا امکان موجود ہے، تو پھر اس کے نزدیک صرف وہی حدیث قابل احتجاج ہونی چاہئے جس کی سند میں سماع کی صراحت ہو، اس کے سوا کوئی بھی معنعن حدیث قابل احتجاج نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس میں بھی انقطاع کا امکان موجود ہے، + خواہ اس کے راوی کا اپنے مروی عنہ (شیخ) سے ملاقات کرنا یا سننا معلوم ہو یا نہ ہو، کیونکہ راویان حدیث کا یہ معمول رہا ہے کہ بعض اوقات وہ حدیث کی روایت ارسال و انقطاع کے ساتھ کرتے ہیں اور جس سے سنا ہے بغرض اختصار اس کا ذکر نہیں کرتے، اور جب طبیعت میں نشاط ہوتا ہے تو حدیث کی سند تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اس کے اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مابین واسطے زیادہ ہوتے ہیں سند نازل ہوتی ہے تو نزول کے ساتھ اگر واسطے کم ہوتے ہیں سند عالی ہوتی ہے تو علو کے ساتھ نقل کرتے ہیں، سلسلہ رواۃ کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

غیر مدلس کے عنعنہ میں سماع کی تفتیش ائمہ حدیث کا معمول نہیں رہا ہے:

”وَمَا عَلِمْنَا أَحَدًا مِنْ أَئِمَّةِ السَّلَفِ مِمَّنْ يَسْتَعْمِلُ الأَخْبَارَ وَيَتَفَقَّدُ صِحَّةَ الأَسَانِيدِ وَسَقَمَهَا مِثْلَ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَابْنِ عَوْنٍ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ فَتَّشُوا عَنْ مَوْضِعِ السَّمَاعِ فِى الأَسَانِيدِ كَمَا ادَّعَاهُ الَّذِى وَصَفْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّمَا كَانَ تَفَقُّدُ مَنْ تَفَقَّدَ مِنْهُمْ سَمَاعَ رُوَاةِ الْحَدِيثِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمْ إِذَا كَانَ الرَّاوِى مِمَّنْ عُرِفَ بِالتَّدْلِيسِ فِى الْحَدِيثِ وَشُهِرَ بِهِ فَحِينَئِذٍ يَبْحَثُونَ عَنْ سَمَاعِهِ فِى رِوَايَتِهِ وَيَتَفَقَّدُونَ ذَلِكَ مِنْهُ كَىْ تَنْزَاحَ عَنْهُمْ عِلَّةُ التَّدْلِيسِ فَمَنِ ابْتَغَى ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ مُدَلِّسٍ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِى زَعَمَ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهُ فَمَا سَمِعْنَا ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِمَّنْ سَمَّيْنَا وَلَمْ نُسَمِّ مِنَ الأَئِمَّةِ“۔

ترجمہ:

اور وہ ائمۂ سلف جو احادیث کو عمل میں لاتے ہیں اور سندوں کی صحت و ضعف کی تفتیش کرتے ہیں جیسے ایوب سختیانی، ابن عون، مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج، یحیی بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی اور ان کے بعد کے

محدثین ہم نے ان میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانا کہ انھوں نے سندوں میں اس طرح سماع کی تحقیق و تفتیش کی ہو، جس طرح کا دعوی اس شخص نے کیا ہے، جس کا قول ہم نے اس سے قبل بیان کیا ہے، اور ان میں سے جس کسی نے مروی عنہم سے راویان حدیث کے سماع کی تحقیق و تفتیش کی ہے تو ان کا تفتیش کرنا اس وقت تھا جب کہ راوی ان لوگوں میں سے ہو جو حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف و مشہور ہیں، جب ''عن'' کے ذریعہ روایت کرنے والا راوی تدلیس میں معروف ہو تا تو اس کے سماع کی تحقیق و تفتیش کرتے تاکہ اس سے تدلیس کا عیب زائل ہو جائے، اور کسی نے غیر مدلس راوی کے بارے میں اس بحث و تحقیق کو طلب کیا ہو اس نہج پر جس کو کہا ہے اس شخص نے جس کا قول ہم نے نقل کیا تو ہم نے نہیں سنا اس کو ان ائمہ سلف میں کسی سے جن کا ہم نے نام لیا اور جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔

حل لغات:

''یتفقد'': تلاش و جستجو کرتا ہے، باب تفعل ''تفقد'' سے فعل مضارع، ''تفقد الشیئ'': تلاش کیا، جائزہ لیا۔

''سقمها'': بفتح السین والقاف، نیز بضم السین وسکون القاف، مرض، ضعف۔

''فمن ابتغى'': بعض نسخوں میں ''من'' کے ساتھ ''فممن ابتغى'' ہے، اور بعض میں ''ما'' کے ساتھ ''ما ابتغى'' ہے، ''من'' کی صورت میں ''ابتغى'' فعل معروف ہی ہو گا، (تو کسی نے طلب کیا ہو) اور ''ما'' کی صورت میں ''ابتغى''، معروف و مجہول دونوں ہو سکتا ہے (اور جو طلب کیا ہو، یا طلب کیا گیا ہو)، اور ایک نسخہ ''فأما ابتغاء ذلک'' کا بھی ہے، جس کا ترجمہ ہو گا (اور بہر حال اس کی طلب و جستجو اس نہج پر جو کہنے والے نے کہا ہے)۔

تشریح:

یعنی حدیث کا راوی اگر ثقہ ہے، روایت کرنے میں تدلیس سے کام نہیں لیتا اور اپنے معاصر شخص سے ''عن'' کے ذریعہ روایت کرتا ہے تو ائمہ حدیث نے اسے سماع پر محمول کیا ہے، اس جیسے راوی کے بارے میں فرض کرنا کہ اس نے بغیر سنے ہوئے روایت کر دیا ہو اور اس خیالی امکان پر سماع کی تفتیش کرنا اور حدیث کو منقطع کہنا ائمہ حدیث میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے، ہاں راوی اگر تدلیس کے ساتھ روایت کرنے میں معروف و

مشہور ہو چکا ہے، اور "عن" کے ذریعہ روایت کرتا ہے تو اس کے سماع کی تحقیق و جستجو ضروری ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کے اندر تدلیس کے عیب کی وجہ سے عدم سماع کا احتمال قوی ہو جاتا ہے، جس کا دور ہونا اس حدیث سے استدلال کے لئے ضروری ہے، تاکہ حدیث پر صحت کا حکم لگایا جاسکے ورنہ حدیث منقطع ہو گی اور اس سے استدلال کرنا موقوف ہو گا، لیکن ثقہ غیر مدلس راوی کے عنعنہ میں سماع کی تحقیق و جستجو اور اس کے عنعنہ کو موقوف قرار دینا کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔

مثالیں:

"فَمِنْ ذَلِكَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ الأَنْصَارِيَّ وَقَدْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ، قَدْ رَوَى عَنْ حُذَيْفَةَ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ وَعَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيثًا يُسْنِدُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَيْسَ فِي رِوَايَتِهِ عَنْهُمَا ذِكْرُ السَّمَاعِ مِنْهُمَا وَلاَ حَفِظْنَا فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ شَافَهَ حُذَيْفَةَ وَأَبَا مَسْعُودٍ بِحَدِيثٍ قَطُّ وَلاَ وَجَدْنَا ذِكْرَ رُؤْيَتِهِ إِيَّاهُمَا فِي رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا وَلَمْ نَسْمَعْ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ مَضَى وَلاَ مِمَّنْ أَدْرَكْنَا أَنَّهُ طَعَنَ فِي هَذَيْنِ الْخَبَرَيْنِ اللَّذَيْنِ رَوَاهُمَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي مَسْعُودٍ بِضَعْفٍ فِيهِمَا، بَلْ هُمَا وَمَا أَشْبَهَهُمَا عِنْدَ مَنْ لاَقَيْنَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ مِنْ صِحَاحِ الأَسَانِيدِ وَقَوِيِّهَا، يَرَوْنَ اسْتِعْمَالَ مَا نُقِلَ بِهَا وَالاِحْتِجَاجَ بِمَا أَتَتْ مِنْ سُنَنٍ وَآثَارٍ وَهِيَ فِي زَعْمِ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ وَاهِيَةٌ مُهْمَلَةٌ حَتَّى يُصِيبَ سَمَاعَ الرَّاوِي عَمَّنْ رَوَى، وَلَوْ ذَهَبْنَا نُعَدِّدُ الأَخْبَارَ الصِّحَاحَ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ يَهِنُ بِزَعْمِ هَذَا الْقَائِلِ وَنُحْصِيهَا لَعَجَزْنَا عَنْ تَقَصِّي ذِكْرِهَا وَإِحْصَائِهَا كُلِّهَا وَلَكِنَّا أَحْبَبْنَا أَنْ نَنْصِبَ مِنْهَا عَدَدًا يَكُونُ سِمَةً لِمَا سَكَتْنَا عَنْهُ مِنْهَا" ۔

ترجمہ:

تو اسی نوعیت سے یہ ہے کہ، عبد اللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ نے، حال یہ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، انھوں نے روایت کیا ہے حضرت حذیفہ اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما سے، اور ان دونوں میں سے ہر ایک سے ایسی حدیث جس کی سند نبی ﷺ تک بیان کی ہے (یعنی مرفوعا) روایت کیا ہے، اور ان کی ان دونوں حضرات

سے روایت میں سماع کا ذکر نہیں ہے، اور ہم نے کسی روایت میں محفوظ پایا بھی نہیں کہ عبد اللہ بن یزید نے حضرت حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما سے کبھی کوئی حدیث براہ راست سنی ہے اور نہ کسی روایت میں ان کے ان دونوں کو دیکھنے کا ذکر ہم نے پایا، اور گزرے ہوئے نیز جن کو ہم نے پایا ان میں سے کسی بھی اہل علم کو ہم نے نہیں سنا کہ انھوں نے ان دونوں حدیثوں پر جن کو عبد اللہ بن یزید نے حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ضعیف ہونے کا قول کیا ہو، بلکہ یہ دونوں اور اس جیسی روایات ان حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک جن سے ہم نے ملاقات کی، صحیح اور قوی سندوں میں سے ہیں وہ ان سندوں کے استعمال، اور ان کے ذریعہ جو سنن و آثار اور احادیث وارد ہیں اس سے احتجاج کو جائز سمجھتے ہیں، جبکہ اس شخص کے قول کے مطابق جس کی بات ہم نے اس سے پہلے نقل کی ہے، یہ کمزور اور متروک ہیں، حتی کہ وہ پالے (اسے علم ہو جائے) راوی کے سننے کو اس شخص سے جس سے روایت کیا ہے، اور اگر ہم اہل علم (محدثین) کے نزدیک ان صحیح احادیث کو جو اس قائل کے قول (کے اعتبار) میں کمزور ہو جاتی ہے شمار کرنے لگیں، اور جمع کرنے لگیں تو ہم ان تمام کے ذکر کے استیعاب و احاطہ سے عاجز رہ جائیں گے، لیکن ہم نے چاہا کہ کچھ تعداد پیش کر دیں جو علامت اور نمونہ ہوں ان روایتوں کے لئے جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔

حل لغات:

"زعم": زاء پر تینوں حرکات درست ہیں بمعنی قول، حق ہو یا باطل، " الزعم: مثلثةً، القول الحق والباطل "۔ (القاموس المحیط)۔

" واهية ": کمزور، بے بنیاد، ، وَهَى : كوَعَى، و وَلِيَ: تخرّق ، وانشقّ، (وهَى بروزن وعَى بفتح العین باب ضرب سے اور بروزن ولِي بکسر العین باب سمع سے، مصدر وَهي: پھٹنے کے معنی میں۔

" مهملة " : بمعنی متروكة، ترک کی ہوئی، أهمله: تركه ولم يستعمله، چھوڑ دیا، اس کو استعمال نہیں کیا۔

تشریح:

یہاں ایک مثال ذکر کی ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ متقدمین و موجودہ اہل علم سبھی کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ ثقہ راوی اپنے معاصر سے جس سے اس کی ملاقات و سماع کا امکان ہے، عن کے ذریعہ کوئی روایت

کرتا ہے، تووہ روایت صحیح اور لائق حجت ہوتی ہے، جیسے عبد اللہ بن یزید انصاری ہیں، رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہیں، لہذا حذیفہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۶ھ) اور ابو مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ) کا زمانہ پایا تو ان کے معاصر بھی ہیں، اور ان سے ملاقات و سماع کا امکان بھی ہے، مگر کہیں سے ان کے مابین لقاء اور سماع کی صراحت نہیں ملتی، انھوں نے ان دونوں حضرات سے ایک ایک حدیث بصیغہ "عن" روایت کی ہے، اور ان کی ان روایتوں کو صحیح اور قابل حجت مانا گیا ہے، جبکہ ہمارے قائل کے اعتبار سے انھیں کمزور اور ضعیف کہنا پڑے گا، کیونکہ سماع یا لقاء کا ثبوت معلوم نہیں۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ عبد اللہ بن یزید صحابی ہیں، اور تمام صحابہ عدول ہیں، لہذا ان کا ارسال ضعف حدیث کا باعث نہیں ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی طرح کسی راوی کا ثقہ ہونا اور غیر مدلس ہونا معلوم ہے اور جس معاصر سے وہ عن کے ذریعہ روایت کرے اس سے عدم سماع کی صراحت اور ثبوت نہیں ہے تو اس کے عدل اور ثقہ ہونے کے باعث اس کی روایت کا بھی متصل، صحیح ہونا بھی اس سے ثابت ہو رہا ہے، اور یہی امام مسلمؒ کا مدعا ہے،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، صحیح مسلم کتاب الفتن میں مذکور ہے: "**وحدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة ح وحدثني أبو بكر بن نافع حدثنا غندر حدثناشعبة عن عدي بن ثابت عن عبدالله بن يزيد عن حذيفة رضی اللہ عنہ أنه قال: أخبرني رسول الله ﷺ بما هو كائن إلى أن تقوم الساعة فما منه شيء إلا قد سألته إلا أني لم أسأله ما يخرج أهل المدينة من المدينة ؟**" (حدیث:۲۸۹۱)

اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ والی حدیث امام مسلمؒ نے کتاب الزکاۃ میں نقل کی ہے: "**حدثنا عبيدالله بن معاذ العنبري حدثنا أبي حدثنا شعبة عن عدي (وهو ابن ثابت) عن عبدالله بن يزيد عن أبي مسعود البدري رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: إن المسلم إذا أنفق على أهله نفقة وهو يحتسبها كانت له صدقة**"۔ (حدیث:۱۰۰۲)

نیز امام بخاریؒ نے اسے کتاب الایمان، کتاب النفقات اور کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے، "**حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ»**"

(کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ۔۔۔حدیث:۵۵)۔

”حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ الأَنْصَارِيَّ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ،فَقُلْتُ: عَنِ النَّبِيِّ؟ فَقَالَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَنْفَقَ المُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ، وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا، كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً»“(کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل، حدیث:۵۳۵۱)

” حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، سَمِعَ أَبَا مَسْعُودٍ البَدْرِيَّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ»“(کتاب المغازی، باب حدیث:۴۰۰۶)

کتاب الایمان میں انھوں نے اپنے شیخ حجاج بن منہال سے اور کتاب النفقات میں اپنے شیخ آدم بن ابوایاس سے نقل کیا ہے اور کتاب النفقات کی حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ:”فقلت“ کے قائل شعبہ ہیں،”بیّنه الاسماعيلى فى رواية له من طريق على بن الجعد عن شعبة فذكره الى أن قال عن أبى مسعود،فقال :قال شعبة قلت: قال عن النبیﷺ ،قال :نعم“،اس کو اسماعیلی نے علی بن الجعد عن شعبۃ کی سند سے اپنی ایک روایت میں بیان کیا ہے، تو اس (سند) کو ذکر کیا، یہاں تک کہ عن أبی مسعود کہا تو انھوں نے (علی بن جعد نے) کہا کہ شعبہ نے کہا کہ میں نے (عدی سے) کہا کہ انھوں نے عن النبی ﷺ کہا تو (عدی نے) کہا کہ ہاں (فتح الباری:۹ / ۴۹۸)۔ ان تینوں روایات میں حضرت شعبہ کے تلامذہ نے عبد اللہ بن یزید عن ابی مسعود، ”عن“ کے ساتھ ہی روایت کیا ہے، اور کتاب المغازی میں امام بخاریؒ نے یہ حدیث اپنے شیخ مسلم بن ابراہیم سے نقل کی ہے، اور انھوں نے شعبہ سے، اس میں سند کے الفاظ ہیں:”عن عبد الله بن يزيد سمع أبا مسعود الانصارى“، غالباً اسی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ابو مسعود انصاری سے عبد اللہ بن یزید کے سماع کی تصریح خود بخاری میں موجود ہے۔

مگر امام بخاریؒ کی نقل کردہ ان سبھی احادیث پر غور کیا جائے، تو امام بخاریؒ کے سبھی شیوخ نے، اس حدیث کو حضرت شعبہ سے ہی لیا ہے، اور علی بن الجعد نے بھی شعبہ سے ہی نقل کیا ہے، اسی کے مثل شعبہ کے دیگر تلامذہ یزید بن ہارون، وکیع اور عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ نے بھی ”عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ الأَنْصَارِيَّ، عَنْ

أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ" ہی نقل کیا ہے۔(دیکھئے: مصنف بن ابوشیبہ، مسند امام احمد بن حنبل، اور سنن ترمذی: باب ماجاء فی النفقۃ فی الاَھل، حدیث: ۱۹۶۵)، نیز مسلم بن ابراہیم کی روایت میں بھی "سمع أبا مسعود" کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبد اللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں ہیں ممکن ہے مسلم بن ابراہیم نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے یہ تعبیر اختیار کی ہو، محض اس بنیاد پر یہ کہنا کہ بخاری میں سماع کی صراحت کا ثبوت موجود ہے مناسب نہیں معلوم ہوتا، اور امام مسلمؒ کا قول "وَلَيْسَ فِي رِوَايَتِهِ عَنْهُمَا ذِكْرُ السَّمَاعِ مِنْهُمَا وَلاَ حَفِظْنَا فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ شَافَهَ حُذَيْفَةَ وَأَبَا مَسْعُودٍ بِحَدِيثٍ قَطُّ وَلاَ وَجَدْنَا ذِكْرَ رُؤْيَتِهِ إِيَّاهُمَا فِي رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا" اپنی جگہ پر درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

امام مسلمؒ کے قول "وعن كل واحد "یعنی اور دونوں میں سے ہر ایک سے ایک حدیث، کے بارے میں شارح صحیح مسلم امام نوویؒ لکھتے ہیں "هكذا هو في الأصول وعن بالواو والوجه حذفها فانها تغير المعنى "، اصل نسخوں میں یہ اسی طرح واو کے ساتھ ہے، اور صحیح اس کا محذوف ہونا ہے، کیونکہ یہ معنی کو بدل دیتا ہے۔ (شرح مقدمہ صحیح مسلم: ۱/۱۳۸) امام نوویؒ کی اس سے کیا مراد ہے، اور معنی میں کیا خلل ہوتا ہے الله اعلم بمراده، راقم السطور اس کو نہیں سمجھ پایا، اور امام مسلمؒ کے قول کا ظاہر معنی اگر یہ ہے کہ عبد اللہ بن یزید نے حضرت حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ عنہما سے انفرادی طور پر الگ الگ روایت کی ہے، "وروى عن كل واحد منهما حديثًا" اور ان دونوں سے مشترکہ ایک حدیث روایت کی ہے " وَعَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيثًا "، تو اس میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا، ممکن ہے امام مسلمؒ کے علم میں ایسی کوئی روایت رہی ہو، جس کا یہاں پر ذکر نہیں کیا ہے، واللہ اعلم۔

تراجم رجال:

"عبدالله بن يزيد": بن زید الخطمی رضی اللہ عنہ، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام مسلمؒ کے قول سے ان کا صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، یحیی بن معین بھی اسی کے قائل ہیں، حدیبیہ میں شرکت کا قول ملتا ہے اس وقت ان کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی جیسا کہ خلاصہ اور استیعاب میں مذکور ہے (تہذیب التہذیب: ۶/۷۸)، اور صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کی ایک روایت بصیغۂ ابہام "قال" سے (جو سماع پر صراحت نہیں کرتا) منقول ہے:

”حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ،حَدَّثَنَا شُعْبَةُ،حَدَّثَنَاعَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ سَمِعْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ يَزِيدَ الأَنْصَارِيَّ وَ هُوَ جَدُّهُ – أَبُو أُمِّهِ – قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ، عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ“(حدیث:۲۴۷۴)،ابن حجرؒ لکھتے ہیں:”وقد اختلف في سماعه عن النبیﷺ ،وروی هذا الحديث يعقوب بن اسحق الحضرمی عن شعبة فقال فيه:عن عدی عن عبد الله بن يزيد عن أبی أيوب الأنصاری،أشار اليه الاسماعيلی، وأخرجه الطبرانی،والمحفوظ عن شعبة ليس فيه أبو أيوب“،نبی ﷺ سے ان کے سماع میں اختلاف ہے، اور اس حدیث کو یعقوب بن اسحاق حضرمی نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں کہا ہے: عن عدی عن عبد اللہ بن یزید عن ابی ایوب الانصاری،(یعنی عبد اللہ بن یزید اور نبی ﷺ کے درمیان ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واسطہ ہے)اس کی جانب اسماعیلی نے اشارہ کیا ہے،اور اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے،اور شعبہ سے محفوظ روایت میں ابو ایوب نہیں ہے۔(فتح الباری:۵/ ۱۲۰) محفوظ کے مقابل حدیث کو شاذ کہا جاتا ہے،اور اصطلاح میں شاذ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی یا رواۃ کے خلاف بیان کرتا ہے”فإن خولف بأرجحَ منه: لِمَزِيد ضبطٍ، أو كثرةِ عددٍ، أو غير ذلك من وجوه الترجيحات، فالراجح يقال له: "المحفوظ".ومقابِلُهُ، وهو المرجوح، يقال له: "الشاذ" “ ،وعُرِفَ مِن هذا التقريرِ أن الشاذ: ما رواه المقبول مخالفاً لِمَنْ هو أَولى منه، وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ، بحسَبِ الاصطلاح.“(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر)یعنی خلاف نقل کرنے والا شاذ کا راوی بھی ثقہ اور مقبول ہوتا ہے۔

عبد اللہ بن یزید کے صحابی ہونے کے بارے میں امام احمدؒ کا موقف تہذیب کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:”وقال الأثرم : قيل لأبی عبدالله : لعبد الله بن يزيد صحبة صحيحة؟ فقال أما صحيحة فلا“ ابو عبد اللہ یعنی امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ عبد اللہ بن یزید کی صحابیت کا ثبوت صحیح ہے تو انھوں نے کہا: رہا صحیح ثبوت، تو نہیں(تہذیب التہذیب:۶/ ۷۹،الاصابہ فی تمیز الصحابہ:۲/ ۳۵۸)ان نصوص کی روشنی میں ابن حجرؒ کا صحیح بخاری میں مذکور اس روایت کو محفوظ کہنا قابل غور ہو جاتا ہے، فتأمل، ثقہ راوی کا اضافہ جبکہ اس کی تائید ائمہ کے قول سے ہو رہی ہے ترجیح کا مستحق ہے۔

”حذيفة بن اليمان“: یمان کا نام حِسل (بکسر الحاء و سکون السین) یا حُسیل (بالتصغیر) بن جابر العبسی ہے،

حضرت حذیفہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ عنہما احد میں شریک ہوئے ہیں، جس میں یمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد ہوئی، ان کو صاحب سر رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے، انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی، کثیر الفضائل صحابی ہیں۔

"**أبو مسعود**": عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ الانصاری البدری رضی اللہ عنہ، ان کے بدر میں شریک ہونے میں اختلاف ہے، امام مسلم و امام بخاری وغیرہ ان کے بدر میں شریک ہونے کے قائل ہیں انھوں نے بدر میں سکونت اختیار کی اس لئے بھی بدری کہلاتے ہیں، ۴۰ھ کے قریب ان کی وفات ہے۔

"وَهَذَا أَبُو عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ وَأَبُو رَافِعٍ الصَّائِغُ وَهُمَا مِمَّنْ أَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَصَحِبَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْبَدْرِيِّينَ هَلُمَّ جَرًّا وَنَقَلاَ عَنْهُمُ الأَخْبَارَ حَتَّى نَزَلاَ إِلَى مِثْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَذَوِيهِمَا، قَدْ أَسْنَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا، وَلَمْ نَسْمَعْ فِي رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا أَنَّهُمَا عَايَنَا أُبَيًّا أَوْ سَمِعَا مِنْهُ شَيْئًا"۔

ترجمہ:

اور یہ ابو عثمان نہدی اور ابورافع صائغ ہیں، اور یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے، اور صحابہ رسول میں بدریین سے لیکر بعد تک کے صحابہ کی صحبت پائی ہے، اور ان سے حدیثیں نقل کی ہیں، یہاں تک کہ ابوہریرہ و ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان جیسے (غیر بدری صحابہ) تک نیچے اترے ہیں (ان سے روایتیں نقل کی ہیں)، ان دونوں (ابو عثمان نہدی اور ابورافع صائغ) میں سے ہر ایک نے سند نقل کی ہے ایک ایک حدیث کی عن ابی بن کعب عن النبی ﷺ اور ہم نے کسی متعین روایت میں نہیں سنا کہ ان دونوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیکھا یا ان سے کچھ سنا ہے۔

حل لغات:

"**وهما ممن أدرک الجاهلية**": اور دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جاہلیت یعنی اسلام سے پہلے کا

زمانہ پایا ہے، لہذا ان دونوں نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی پایا، اور ان کے معاصر ہیں۔

مخضرم:

جن لوگوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا، اور نبی ﷺ کا عہد مبارک بھی پایا، اور اسلام لائے مگر نبی ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے، ان کو محدثین کی اصطلاح میں مخضرم کہا جاتا ہے، اور ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، اور اہل لغت کی اصطلاح میں مخضرم اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی عمر کا نصف حصہ جاہلیت میں گزارا اور نصف حصہ اسلام میں جیسے حسان بن ثابت اور حکیم بن حزام وغیرہ، یا وہ شاعر جس نے دونوں زمانہ پایا۔ (القاموس)

"هَلُمَّ جَرًّا": هلم :كلمة دعوة الى شيئ بمعنى تعال، هات، اس کا معنی ہے آؤ، لاؤ، بلاؤ، جرًا: منصوب ہے، ابن الانباری کہتے ہیں: یا تو مصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے، یعنی جر واجرا، یا تمیز یا حال ہونے کی وجہ سے، منصوب ہے، ھلم جرا کسی عمل پر دوام اور تسلسل کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے یہاں پر ترجمہ ہوگا کہ ان دونوں نے صحبت پائی ہے اصحاب رسول ﷺ کی، بدریین سے لے کر بعد کے صحابہ تک کی، نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام مسلمؒ نے جس موقع سے استعمال کیا ہے یہ اس کا موقع استعمال نہیں ہے، کیونکہ اس کا استعمال اس تسلسل کے لئے کیا جاتا ہے جو متکلم کے زمانہ تک متصل ہو اور یہاں امام مسلمؒ نے بدریین کے بعد کے صحابہ کے لئے کیا ہے، (اپنے زمانہ تک کے لئے استعمال نہیں کیا ہے)۔

تشریح:

یہ بھی اسی سلسلہ کی مثال ہے کہ ثقہ معاصر کا عنعنہ، امکان لقاء اور سماع کی بنیاد پر صحیح متصل اور قابل حجت مانا گیا ہے، سماع یا لقاء کی صراحت شرط نہیں ہے، ابو عثمان نہدی اور ابو رافع صائغ، ان کو بدری کبار صحابہ کے ساتھ ساتھ ان غیر بدری صحابہ کی صحبت بھی حاصل رہی ہے، جو اپنی کمسنی کی وجہ سے بدر میں شرکت نہ کر سکے، جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ، یا اس وقت تک ایمان نہ لانے یا تاخیر سے مدینہ پہونچنے کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے، جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مگر پھر بھی انھوں نے کم و بیش رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی، لہذا اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کے بھی معاصر ہوئے، کیونکہ ان کی وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوئی ہے ان سے

سماع اور لقاء ممکن ہے مگر تعیین کے ساتھ کسی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ انھوں نے ابی بن کعب (ان کی وفات کے سال میں ۱۹ ہجری سے ۳۲ھ تک کے اقوال ہیں) رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے یا حدیث سنی ہے،،اور ان دونوں حضرات نے بصیغہ "عن" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث روایت کی ہے۔

ابو عثمان نہدی کی روایت، صحیح مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد میں مذکور ہے:"حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْثَرٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ لاَ أَعْلَمُ رَجُلاً أَبْعَدَ مِنَ الْمَسْجِدِ مِنْهُ وَكَانَ لاَ تُخْطِئُهُ صَلاَةٌ – قَالَ – فَقِيلَ لَهُ أَوْ قُلْتُ لَهُ لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا تَرْكَبُهُ فِي الظَّلْمَاءِ وَفِي الرَّمْضَاءِ . قَالَ مَا يَسُرُّنِي أَنَّ مَنْزِلِي إِلَى جَنْبِ الْمَسْجِدِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ يُكْتَبَ لِي مَمْشَاىَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوعِي إِذَا رَجَعْتُ إِلَى أَهْلِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « قَدْ جَمَعَ اللَّهُ لَكَ ذَلِكَ كُلَّهُ »."(حدیث:۱۵۴۶) اور ابو رافع صائغ کی روایت سنن ابوداؤد / کتاب الصوم / باب الاعتکاف میں منقول ہے:"حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ لَيْلَةً."

تراجم رجال:

"ابو عثمان النهدی":ان کا نام عبد الرحمن بن مل ہے (مل کی میم پر تینوں حرکات منقول ہیں،اور لام پر تشدید ہے)،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی اسلام قبول کر چکے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا،ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ آئے ہیں، کوفہ اور بصرہ میں سکونت اختیار کی اور تقریباً ۱۰۰ھ میں ۱۴۰سال کی عمر میں وفات پائی۔

"ابو رافع الصائغ":ان کا نام نُفیع بن رافع ہے، جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے،بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی،یہ غلام تھے، جب آزاد کئے گئے تو رو پڑے کہ میرے لئے دو اجر تھے اب ایک اجر ختم ہو گیا، علماء تابعین میں شمار ہوتے ہیں، مدنی ہیں،بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، ثقہ اور کبار تابعین سے ہیں۔

"عبد الله بن عمر":بن الخطاب رضی اللہ عنہما، جس وقت ہجرت کی ان کی عمر دس سال تھی، کمسنی کی وجہ سے

احد میں شریک نہیں ہو سکے تھے سب سے پہلا غزوہ جس میں شریک ہوئے غزوۂ خندق ہے، ان سے کثیر لوگوں نے روایت کیا ہے ان میں ابو عثمان نہدی بھی ہیں، ۷۳ھ میں حج کے بعد وفات پائی۔

"ابو هریرة رضی اللہ عنہ": ان کے اور ان کے والد کے نام میں کافی اختلاف ہے، مشہور عبد الرحمن بن صخر ہے، دَوسی یمانی ہیں، سات ہجری میں ہجرت کر کے مدینہ آئے ان سے ابو عثمان نہدی اور ابو رافع الصائغ نے روایت کی ہے، ۵۷ھ میں وفات پائی، صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ حدیث کی روایت کرنے والے صحابی ہیں، ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔

"أُبَيُّ بن کعب رضی اللہ عنہ": بن قیس بن عبید اللہ بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار، کنیت ابو المنذر ہے، اور ابو الطفیل بھی منقول ہے، یہ سید القراء بھی کہے جاتے ہیں، مدنی صحابی ہیں، ان کی وفات کے بارے میں ۱۹ھ کا بھی قول ہے، مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

"وَأَسْنَدَ أَبُو عَمْرٍو الشَّيْبَانِيُّ وَهُوَ مِمَّنْ أَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلاً وَأَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَخْبَرَةَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خَبَرَيْنِ وَأَسْنَدَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وُلِدَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَسْنَدَ قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ وَقَدْ أَدْرَكَ زَمَنَ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلاثَةَ أَخْبَارٍ وَأَسْنَدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى وَقَدْ حَفِظَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَصَحِبَ عَلِيًّا عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَأَسْنَدَ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثَيْنِ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَقَدْ سَمِعَ رِبْعِيٌّ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَرَوَى عَنْهُ وَأَسْنَدَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَأَسْنَدَ النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ثَلاثَةَ أَحَادِيثَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَسْنَدَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَأَسْنَدَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثًا وَأَسْنَدَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

الْحِمْيَرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَادِيثَ" ۔

ترجمہ:

اور ابو عمرو شیبانی نے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے، اور نبی ﷺ کے عہد میں مرد (بالغ جوان) تھے، اور ابو معمر عبد اللہ بن سخبرۃ، دونوں میں سے ہر ایک نے بسندعن أبی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ) عن النبی ﷺ دو-دو حدیثیں نقل کی ہیں، اور عبید بن عمیر نے بسندعن أم سلمة زوج النبی ﷺ عن النبی ﷺ ایک حدیث روایت کی ہے، اور عبید بن عمیر نبی ﷺ کی حیات میں ہی پیدا ہو چکے تھے، (یعنی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے) اور قیس بن حازم نے حال یہ کہ انھوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے، بسندعن أبی مسعود الانصاری عن النبی ﷺ تین حدیث نقل کی ہے، اور عبد الرحمن بن اَبی لیلیٰ جنھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے حدیث سنا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے ہیں انھوں نے عن أنس بن مالک عن النبی ﷺ ایک حدیث روایت کی ہے، (انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا سن وفات ۹۳ھ یا ۱۰۲ھ ہے) اور ربعی بن حراش نے بسندعن عمران بن حصین عن النبی ﷺ دو حدیثیں، (عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں ۵۲ھ میں ہے) اور بسندعن أبی بکرة عن النبی ﷺ ایک حدیث روایت کی ہے، (ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں ۵۱ یا ۵۲ھ میں ہوئی)، حال یہ کہ ربعی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ (سن شہادت ۴۰ھ) سے سنا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے، اور نافع بن جبیر بن مطعم نے عن أبی شریح الخزاعی عن النبی ﷺ کی سند سے ایک حدیث روایت کی ہے، (ابو شریح خزاعی کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی)، اور نعمان بن ابو عیاش نے تین حدیثیں عن أبی سعید الخدری (المتوفی ۶۳ یا ۷۴ھ) عن النبی ﷺ مسنداً روایت کیا ہے، اور عطاء بن یزید اللیثی نے بسندعن تمیم الداری (متوفی ۴۰ھ) عن النبی ﷺ ایک حدیث اور سلیمان بن یسار نے بسندعن رافع بن خدیج (متوفی ۷۳ یا ۷۴ھ) عن النبی ﷺ ایک حدیث، اور حمید بن عبد الرحمن حمیری نے بسندعن أبی هریرة عن النبی ﷺ کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

تشریح:

اسی نوعیت کی کچھ اور بھی مثالیں بیان کی ہیں، اس طرح کل چودہ (۱۴) ایسے راویوں کی مثال دی ہے جن کا اپنے مروی عنہ (شیوخ واساتذہ) سے بسبب معاصرت لقاء وسماع ممکن ہے، اور ان کی روایات اپنے شیوخ سے بصیغہ عن منقول ہیں، مگر بقول امام مسلمؒ کسی ذریعہ سے اپنے ان شیوخ سے ان کی لقاء یا سماع کا صریح ثبوت نہیں ہے، لہذا مذکورہ قائل کے قول مخترع کے مطابق وہ کمزور اور ناقابل حجت قرار پاتی ہیں جبکہ ان روایات کو ائمہ حدیث نے قبول کیا ہے، اور ان سے استدلال کیا ہے۔

تراجم رجال:

"أبو عمرو الشيباني": سعد بن ایاس الکوفی، قادسیہ کی جنگ (شعبان ۱۵ھ) میں شریک رہے ہیں، اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت میں اپنے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۲۲ سال رہی ہوگی، ۹۶ھ میں ان کی وفات ہے، اس لحاظ سے ۱۰۰ سال سے زیادہ ہی عمر پائی، اس اعتبار سے عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ جو بیعۃ عقبہ میں شریک رہے ہیں، اور وفات علی الاقل ۴۰ھ میں ہوئی ہے، ابو عمرو شیبانی کا ان کا معاصر ہونا ظاہر ہے، اسی کی وضاحت کے لئے امام مسلمؒ نے یہ عبارت ذکر کی ہے کہ: "**وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلاً**۔

ابو عمرو شیبانی رضی اللہ عنہ کی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت تو صحیح مسلم، کتاب الامارہ باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ میں مذکور ہے: "**حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ «لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُمِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ».**" (حدیث: ۵۰۰۵)۔ اور دوسری حدیث کتاب الامارہ، باب فضل اعانۃ الغازی میں: "**وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ أَبُوكُرَيْبٍ وَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ - وَاللَّفْظُ لأَبِي كُرَيْبٍ - قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي أُبْدِعَ بِي فاحملنى، فقال: «مَا عِنْدِي». فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَدُلُّهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « مَنْ دَلَّ عَلَى**

خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ ».“(حدیث:۵۰۰۷)

امام نوویؒ نے مزید ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس کو ابن ماجہؒ نے اپنی سنن، کتاب الادب، باب المستشار موتمن میں ذکر کیا ہے: ”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ“(حدیث:۳۷۴۶)، یہ تمام روایات عن کے صیغہ سے منقول ہیں۔

”أبو معمر عبدالله بن سخبرة“: سین اور باء کے فتحہ اور ان کے مابین خاء کے سکون کے ساتھ، مشہور تابعی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہی ان کی ولادت ہوئی، اور انھوں نے سیدنا علی، عبد اللہ بن مسعود، مقداد بن الاسود، وغیرہ سے اور ان سے ابراہیم نخعی، مجاہد، عمارہ بن عمیر وغیرہ نے روایت کی ہے، یحیی بن معین وغیرہ نے انھیں ثقہ کہا ہے، ان کی وفات عبید اللہ بن زیاد کے دور ولایت میں ہوئی ہے۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کی دو روایتیں ہیں ایک تو صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف میں: ”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَ وَكِيعٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَ يَقُولُ : اسْتَوُوا وَ لَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَ النُّهَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ فَأَنْتُمْ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا“(حدیث:۶۵۴)، اور دوسری سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود میں:”حدثنا حفص بن عمر النمري ثنا شعبة عن سليمان عن عمارة بن عمير عن أبي معمر عن أبي مسعود البدري قال: قال رسول الله ﷺ " لاتجزىء صلاة الرجل حتى يقيم ظهره في الركوع والسجود“(حدیث:۸۵۵)۔

”عبيد بن عمير“: بن قتادۃ اللیثی، ابو عاصم المکی، ثقہ ہیں، ۶۸ھ میں ان کی وفات ہے، ان کے والد صحابی ہیں اور انھوں نے سیدنا عمر، علی، سیدہ عائشہ، ام سلمہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔

”ام سلمة“ ام المومنین رضی اللہ عنہا، ان کا اسم گرامی ہند بنت امیہ بن مغیرہ ہے، اور سن وفات میں ۵۹، ۶۰ اور

۶۱ھ تین اقوال منقول ہیں، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد ان کی وفات ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایت صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت میں مذکور ہے:

"وَحَدَّثَنَا أَبُوبكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ – قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ – عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا لَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيبٌ وَفِي أَرْضِ غُرْبَةٍ لأَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ. فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الصَّعِيدِ تُرِيدُ أَنْ تُسْعِدَنِي فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ « أَتُرِيدِينَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللَّهُ مِنْهُ ». مَرَّتَيْنِ فَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ" (صحیح مسلم: حدیث ۲۱۷۳)، اس حدیث میں عمرو بن عبید کا قول "قال: قالت أم سلمة رضی اللہ عنہا" یہ بھی عن کی طرح صیغہ ابہام ہے، اس سے سماع پر صراحت نہیں ہوتی۔

"قیس بن ابو حازم": ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، ان کے والد ابو حازم صحابی ہیں اور قیس کا شمار قدماء تابعین میں ہوتا ہے، جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے، رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کے ارادہ سے چلے اور ابھی راستہ میں ہی تھے کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، متعدد صحابہ سے روایت کی ہے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کی تین روایتیں ہیں۔

ایک تو صحیح مسلم کتاب الایمان باب تفاضل اہل الایمان میں ہے: "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ – وَاللَّفْظُ لَهُ – حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسًا يَرْوِي عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ أَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ فَقَالَ « أَلاَ إِنَّ الإِيمَانَ هَا هُنَا وَإِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الإِبِلِ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِي رَبِيعَةَ وَمُضَرَ »" (حدیث: ۱۹۰)۔ اس کی سند میں مذکور ہے سمعت قيسا يروى عن أبى مسعود رضی اللہ عنہ، اور یہ حدیث صحیح بخاری میں چار مقامات پر مذکور ہے ان سب کی سند میں قیس عن ابی مسعود ہی ہے۔

دوسری حدیث صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب أمر الأئمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام میں مذکور ہے: "وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ

يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي لأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلاَةِ الصُّبْحِ مِنْ أَجْلِ فُلاَنٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا. فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ غَضِبَ فِي مَوْعِظَةٍ قَطُّ أَشَدَّ مِمَّا غَضِبَ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ « يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِهِ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ »"(حدیث۱۰۷۳،۱۰۷۲)۔

اور صحیح بخاری کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم۔۔۔میں مذکور ہے جس کی سند کے الفاظ ہیں:"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ ۔۔۔۔ الحديث"(حدیث:۹۰)، دونوں کتابوں نیز مسند حمیدی (بتحقیق المحدث الاعظمی) اور سنن کبری للبیہقی میں عن کے ساتھ ہی مروی ہے، لیکن امام بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار میں اس حدیث کی سند میں سماع کی صراحت ہے:"أخبرنا أبو إسحاق قال: أخبرنا أبو النضر قال: أخبرنا أبو جعفر قال: حدثنا المزني قال: حدثنا الشافعي قال: أخبرنا سفيان بن عيينة، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن قيس بن أبي حازم قال: سمعت أبا مسعود يقول: قال رجل للنبيﷺ: يا رسول الله إني لأتخلف عن صلاة الصبح ۔۔۔۔الحديث" جبکہ سفیان سے آخر سند تک سبھی کتابوں میں رواۃ ایک ہی ہیں (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، حدیث:۱۵۸۷)۔

تیسری حدیث، صحیح مسلم کتاب الکسوف، باب ذکر النداء لصلاۃ الکسوف میں مذکور ہے:

"وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ وَيَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيْسَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَقُومُوا فَصَلُّوا »."(حدیث:۲۱۵۴)"وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ وَوَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَمَرْوَانُ كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بِهَذَا الإِسْنَادِ.وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ وَ وَكِيعٍ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ"۔(حدیث:۲۱۵۵) اور یہ حدیث صحیح بخاری، باب صلاۃ الکسوف میں بھی مذکور ہے:"حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ

حُمَيْدٍ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَقُومُوا فَصَلُّوا" (حدیث:۱۰۴۱) مگر صحیح بخاری کی روایت میں سماع کی صراحت ہے، نیز طبرانی کی معجم کبیر (۱۳۹۸۹و۱۳۹۹۹)، طحاوی کی شرح معانی الآثار (حدیث: ۱۹۵۲)، اور مسند حمیدی (حدیث: ۴۸۳) وغیرہ کتب حدیث میں بھی اس حدیث کی سند کے الفاظ میں مذکور ہے قال سمعت قيسا يقول سمعت أبامسعود يقول ------ الحديث، یعنی اس حدیث کی سند سے بھی قیس بن ابو حازم کا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے سماع کا ثبوت ظاہر ہے، لہذا امام مسلمؒ کا بطور استدلال ان کا ذکر کرنا درست نہیں۔

"عبد الرحمن بن ابو ليلىٰ": ابولیلی کے نام میں یسار، بلال، اور داؤد کے اقوال ہیں، عبد الرحمن کی ولادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چھ سال پہلے ہوئی، کمسنی کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، مگر ان سے اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے ان کی روایتیں منقول ہیں، اور یزید بن ہارون کی روایت جس میں عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع کی صراحت ہے وہ یزید بن ہارون کا تفرد ہے: "قال ابو خيثمة في مسنده : ثنا يزيد بن هارون أنا سفيان الثورى، عن زبيد و هو الايامى عن عبدالرحمن بن أبى ليلىٰ سمعت عمر يقول: صلاة الأضحى ركعتين والفطر ركعتين،قال أبوخيثمة تفرد به يزيد بن هارون،ولم يقل أحد سمعت عمر غيره"۔ ابو خیثمہ نے مزید کہا ہے کہ دوسرے طرق سے بھی ان کے سماع کی روایت ہے، مگر صحیح نہیں ہے، غالبًا ۸۲ھ میں وفات ہے۔ لہذا انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، لقاء اور سماع ممکن ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق، میں مذکور ہے:"وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَمَرَ أَبُو طَلْحَةَ أُمَّ سُلَيْمٍ أَنْ تَصْنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا لِنَفْسِهِ خَاصَّةً ثُمَّ أَرْسَلَنِي إِلَيْهِ. وَسَاقَ الْحَدِيثَ"(حدیث:۵۴۴۰) یہ روایت صحیح ہے اور کسی نے بھی اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔

"ربعی بن حراش": بن جحش، ان کا ذکر ابتدا میں گزر چکا ہے، ان کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی ہے عمران بن حصین رضی اللہ سے ان کی ایک روایت کا ذکر احمد بن عمرو ابو بکر بن شیبانیؒ (۲۰۶-۲۸۷) نے اپنی کتاب الآحاد والمثانی میں کیا ہے: "حَدَّثَنِي رَجَاءٌ السَّقْطِيُّ،حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى ، حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ بْنُ يُونُسَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَقَدْ أَسْلَمَ، فَقَالَ لَهُ :قُلِ: اللَّهُمَّ قِنِي شَرَّ نَفْسِي، وَأَلْهِمْنِي رُشْدَ أَمْرِي، وَاغْفِرْلِي مَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَخْطَأْتُ وَمَا عَمَدْتُ، وَمَا عَلِمْتُ وَمَا جَهِلْتُ"۔ (حدیث:۲۳۵۴، نیز دیکھئے سنن کبریٰ للنسائی: حدیث ۱۰۷۶۷، معجم الصحابہ للامام ابی القاسم البغوی: حدیث:۵۲۳)

اور دوسری حدیث امام نسائیؒ نے سنن کبریٰ میں نقل کی ہے:"أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصِينٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ قَالَ: يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَدَعَا عَلِيًّا ، وَهُوَ أَرْمَدُ فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَى يَعْنِي يَدَيْهِ"۔(حدیث:۸۰۹۴)

اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث: "وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ « إِذَا الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ أَحَدُهُمَا عَلَى أَخِيهِ السِّلاَحَ فَهُمَا فِي جُرُفِ جَهَنَّمَ فَإِذَا قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ دَخَلاَهَا جَمِيعًا »". امام مسلمؒ نے اپنی صحیح، کتاب الفتن میں نقل کیا ہے۔(حدیث:۷۴۳۷)

"نافع بن جبیر": بن مطعم بن عدی، ابو محمد یا ابو عبد اللہ المدنی، ثقہ ہیں، انھوں نے اپنے والد جبیر، حضرت عباس، زبیر بن عوام، علی، مغیرہ بن شعبہ ابو شریح الخزاعی ﷺ سے روایت کیا ہے، ۹۹ھ میں وفات ہے۔

ابو شریح الخزاعی سے ان کی روایت صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار میں مذکور ہے: "حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ – قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ – عَنْ عَمْرٍو أَنَّهُ سَمِعَ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ يُخْبِرُ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ « مَنْ كَانَ

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ »"۔(حدیث:۱۸۵، نیز الاربعون الصغریٰ للبیہقی)

"النعمان بن ابی عیاش": الزرقی الانصاری، ابوسلمہ المدنی.کان شیخاً کبیراً من أفاضل أبناء أصحاب رسول الله ﷺ، "ان کے والد ابو عیاش کا نام زید بن صامت ہے، قبیلۂ بنی زریق سے ہیں۔

امام مسلمؒ نے ان کی تین حدیثوں کا ذکر کیا ہے، جو انھوں نے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بصیغہ "عن" نقل کی ہیں، ممکن ہے اس سے مراد ایک وہ حدیث ہو جو صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اهل الجنة منزلة کے تحت مذکور ہے، اس کے الفاظ ہیں: "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ « إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً رَجُلٌ صَرَفَ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ قِبَلَ الْجَنَّةِ وَمَثَّلَ لَهُ شَجَرَةً ذَاتَ ظِلٍّ فَقَالَ أَىْ رَبِّ قَدِّمْنِى إِلَى هَذِهِ الشَّجَرَةِ أَكُونُ فِى ظِلِّهَا »"۔(حدیث:۴۸۲)

دوسری حدیث، کتاب الایمان، باب أهون أهل النار عذابًا کے تحت مذکور ہے، اس کے الفاظ ہیں: "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:« إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ يَغْلِى دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ »"۔(حدیث:۵۳۶)

اور تیسری حدیث صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام فی سبیل اللہ کے تحت دو سندوں سے مذکور ہے: "وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنِي اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِى سَبِيلِ اللَّهِ إِلاَّ بَاعَدَ اللَّهُ بِذَلِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا »"۔(حدیث:۲۷۶۷)

"وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَسُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ أَنَّهُمَا سَمِعَا النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ « مَنْ صَامَ يَوْمًا فِى سَبِيلِ اللَّهِ بَاعَدَ

اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا »"۔(حدیث:۲۷۶۹)پہلی سند میں تو روایت بصیغہ "عن" ہے، اور دوسری سند میں اگرچہ بصیغہ یحدث عن اَبی سعید الخذری رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس سے بھی سماع کی صراحت نہیں ملتی۔

مگر خود صحیح مسلم میں نعمان بن ابو عیاش کی مزید تین احادیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، جن کی سندوں کی تعبیر سے نعمان بن ابو عیاش کا سماع ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے، پہلی حدیث کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبينا ﷺ و صفاته کے تحت مذکور ہے، اس حدیث کی روایت میں نعمان بن ابو عیاش فرماتے ہیں: "و أنا اشهد على أبى سعيدالخدرى رضى الله عنه لسمعته، يزيد فيقول : انهم منى"

مکمل حدیث یہ ہے: قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَ النُّعْمَانُ بْنُ أَبِى عَيَّاشٍ وَأَنَا أُحَدِّثُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ هَكَذَا سَمِعْتَ سَهْلاً يَقُولُ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ. قَالَ وَأَنَا أَشْهَدُ عَلَى أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ يَزِيدُ فَيَقُولُ « إِنَّهُمْ مِنِّى. فَيُقَالُ إِنَّكَ لاَ تَدْرِى مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ. فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِى » (حدیث:۶۱۰۹)۔اس میں صراحۃً "سمعته" کی تعبیر موجود ہے۔

دوسری حدیث کتاب الجنة وصفة نعيمهاوأهلها،باب ان فى الجنة شجرة ۔ -----کے تحت مذکور ہے۔(حدیث:۷۳۱۷)اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث اصالۃً "وهيب عن أبى حازم عن سهل بن سعد ؓعن رسول الله ﷺ "کی سند سے ذکر کی گئی ہے اور اس کے بعد مذکور ہے: "قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِى عَيَّاشٍ الزُّرَقِيَّ فَقَالَ حَدَّثَنِى أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ «إِنَّ فِى الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا»"(حدیث:۴۸۸۱)،اس سند میں بھی لفظ "حدثنی" صراحۃً مذکور ہے جو سماع پر دلالت کرتا ہے۔

تیسری حدیث صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب ترائی اَهل الجنۃ اَهل الغرفۃ کے تحت مذکور ہے: "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ- يَعْنِى ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ-عَنْ أَبِى حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ

سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ « إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ الْغُرْفَةَ فِى الْجَنَّةِ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ فِى السَّمَاءِ ».''اس حدیث میں ابو حازم کہتے ہیں: قَالَ فَحَدَّثْتُ بِذَلِكَ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِى عَيَّاشٍ فَقَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِىَّ يَقُولُ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّىَّ فِى الأُفُقِ الشَّرْقِىِّ أَوِ الْغَرْبِىِّ ».'' (حدیث:۷۳۱۹)اس میں بھی صراحتاً ''سمعتُ''لفظ موجود ہے،لہذا مثالوں کے ضمن میں نعمان بن ابو عیاش کا ذکر شاید سہواً ہو گیا ہے۔

''**عطاء بن یزید اللیثی**'':ابو محمد الجُندُ عی، ثقہ ہیں ان کی وفات ۸۲ سال کی عمر میں ۱۰۷ھ میں ہوئی ہے، تمیم داری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، ابو ایوب انصاری وغیر ہم سے بھی روایت کی ہے۔

انھوں نے تمیم داری رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ) سے روایت کیا ہے،''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّىُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِسُهَيْلٍ إِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِيكَ قَالَ وَرَجَوْتُ أَنْ يُسْقِطَ عَنِّى رَجُلاً قَالَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِى سَمِعَهُ مِنْهُ أَبِى كَانَ صَدِيقًا لَهُ بِالشَّامِ ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِىِّ أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ « الدِّينُ النَّصِيحَةُ » قُلْنَا لِمَنْ قَالَ « لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ »''(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ :حدیث ۲۰۵، مسند احمد بن حنبل: حدیث ۱۶۹۸۲، مسند حمیدی: حدیث ۸۷۵)، مضمون حدیث کو بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بطور ترجمۃ الباب ذکر کیا ہے۔

''**سلیمان بن یسار**'': الہلالی، ابو ایوب المدنی، عطاء بن یسار کے بھائی، ثقہ محدث ہیں، اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ۱۰۷ھ میں ان کی وفات ہے، سن وفات میں ۱۰۳ اور ۱۰۹ھ کا بھی قول ہے، انھوں نے سیدہ عائشہ، ام سلمہ، زید بن ثابت، ابن عمر، ابن عباس، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔

رافع بن خدیج (متوفی ۷۳ یا ۷۴ھ) سے ان کی روایت صحیح مسلم میں یہ ہے: ''وَحَدَّثَنِى عَلِىُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِىُّ وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالاَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ - عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضى الله عنه قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الأَرْضَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَنُكْرِيهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمَّى فَجَاءَنَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مِنْ عُمُومَتِى فَقَالَ نَهَانَا

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَطَوَاعِيَةُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أَنْفَعُ لَنَا نَهَانَا أَنْ نُحَاقِلَ بِالأَرْضِ فَنُكْرِيَهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمَّى وَأَمَرَ رَبَّ الأَرْضِ أَنْ يَزْرَعَهَا أَوْ يُزْرِعَهَا وَكَرِهَ كِرَاءَهَا وَمَا سِوَى ذَلِكَ".(صحیح مسلم،کتاب البیوع،باب کراء الارض بالطعام،حدیث:۴۰۲۷،سنن النسائی:حدیث ۳۸۳۶، معجم طبرانی:حدیث۴۱۵۸)۔

"**حميد بن عبد الرحمن الحميری**":البصری، ثقہ ہیں فقیہ عالم ہیں،انھوں نے حضرت ابو بکرۃ،ابن عمر،ابن عباس،ابوہریرہ وغیر ھم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں،۸۱ ہجری میں ان کی وفات ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۷یا۵۸یا۵۹ھ ، عمر ۷۸ سال) سے ان کی روایتوں میں سے ایک حدیث کی تخریج امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں کی ہے:

"**حدثني قتيبة بن سعيد حدثنا أبو عوانة عن أبي بشر عن حميد بن عبدالرحمن الحميري عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم وأفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل**"۔(حدیث:۲۰۲/ ۱۱۶۲،کتاب الصیام،باب فضل صوم المحرم)اس حدیث کے بارے میں امام نوویؒ نے مقدمہ میں لکھاہے: "**أخرجه مسلم منفردا به عن البخاری قال أبوعبدالله الحميدی** رحمہ اللہ **فی آخر مسند أبی هريرة من الجمع بين الصحيحين ليس لحميد بن عبد الرحمن الحميری عن أبی هريرة فی الصحيح غير هذا الحديث قال وليس له عند البخاری فی صحيحه عن أبی هريرة شیء وهذا الذی قاله الحميدی صحيح، و ربما اشتبه حميد بن عبد الرحمن الحميری هذا بحميد بن عبدالرحمن بن عوف الزهري الراوی عن أبی هريرة أيضا وقد رويا له فی الصحيحين عن أبی هريرة أحاديث كثيرة فقد يقف من لا خبرة له علی شیء منهما فينكر قول الحميدی توهما منه أن حميدا هذا هو ذاك وهو خطأ صريح وجهل قبيح وليس للحميری عن أبی هريرة أيضا فی الكتب الثلاثة التی هي تمام أصول الاسلام الخمسة أعنی سنن أبی داود والترمذی والنسائی**"(امام مسلمؒ نے تنہا اس حدیث کو ذکر کیاہے، بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں نقل نہیں کیاہے، ابوعبد اللہ حمیدیؒ نے جمع بین الصحیحین میں مسند ابوہریرہ کے آخر میں کہاہے کہ: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حمید بن عبد الرحمن

حمیری کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے، اور کہا ہے کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی کوئی حدیث نہیں ہے، اور حمیدی نے جو یہ کہا ہے، صحیح ہے، اور کبھی کبھی یہ حمید بن عبد الرحمن حمیری، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرنے والے حمید بن عبد الرحمن بن عوف زہری سے مشتبہ ہو جاتے ہیں اور دونوں (یعنی امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ) نے ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان (حمید بن عبد الرحمن بن عوف زہری) کی بہت سی حدیثوں کو صحیحین میں ذکر کیا ہے، اب وہ شخص جس کو ان دونوں کا تجربہ نہیں ہے، حمیدی کے قول کا انکار کر دیتا ہے، اس وہم میں کہ یہ حمید وہی (حمیری) ہیں، اور یہ کھلی غلطی اور معیوب جہالت ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حمیری کی اسلام کی مکملات خمسہ تین کتابوں – سنن ابو داؤد، ترمذی اور نسائی – میں بھی (اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے)۔(شرح مقدمہ:۱/۱۴۳)۔

اور باب فضل صوم المحرم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں "**اعلم أن أبا هريرة يروى عنه اثنان ، كل واحد منهما حميد بن عبد الرحمن، أحدهما هذا الحميرى، والثانى حميد بن عبد الرحمن بن عوف الزهري، قال الحميدى في الجمع بين الصحيحين كل ما في البخارى ومسلم : حميد بن عبدالرحمن عن أبى هريرة فهو الزهري الا في هذا الحديث خاصة، حديث أفضل الصيام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم، و أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل فان راويه حميد بن عبد الرحمن الحميرى عن ابى هريرة رضي الله عنه وهذا الحديث لم يذكره البخارى في صحيحه و لا ذِكرَ للحميرى في البخارى أصلا ولا في مسلم الا في هذا الحديث**"

(ترجمہ) علم میں رہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو (ایسے) اشخاص حدیث کی روایت کرتے ہیں جو حمید بن عبد الرحمن ہیں، ایک یہی حمیری، دوسرے حمید بن عبد الرحمن بن عوف زہری، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں کہا ہے: بخاری اور مسلم میں جو بھی حمید بن عبد الرحمن عن ابی ھریرہ ہیں وہ زہری ہیں سوائے اس خاص حدیث افضل الصیام بعد شہر رمضان۔۔۔۔ الخ کے، کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی حمید بن عبد الرحمن حمیری ہیں، اور بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا ہے، اور صحیح بخاری میں حمیری کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، اور نہ مسلم میں ہی، سوائے اس حدیث کے۔(شرح الامام النوویؒ:۸/۵۴)

حمید بن عبد الرحمن حمیری کی اس حدیث کی تخریج ابو داؤد (حدیث:۲۴۲۹)، ترمذی (حدیث:۴۳۸)، اور نسائی نے بھی اپنی سنن میں کی ہے، سنن نسائی کی سند اس طرح ہے:" أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ عَوْفٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ"۔(سنن نسائی: باب فضل صلاۃ اللیل) اس میں حمید بن عبد الرحمن کی وضاحت کے لئے "هُوَ ابْنُ عَوْفٍ" کا اضافہ ہے، جبکہ دیگر مؤلفین کے نزدیک الحمیری کی صراحت ہے اور شاید نسائی کی سنن کبری میں مذکور اس حدیث کی سندوں میں یہ وضاحت نہیں، حتی الوسع تلاش بسیار کے باوجود میں حمید بن عبد الرحمن حمیری کے دادا کے نام سے واقفیت حاصل نہیں کر پایا، کہ آیا ان کے دادا کا نام بھی عوف ہے یا یہ امام نسائیؒ کا وہم ہے کیونکہ صحیح مسلم اور سنن نسائی دونوں کی سندیں ایک ہی ہیں، فلیتأمل۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قیس بن ابو حازم اور نعمان بن ابو عیاش کے علاوہ بقیہ جن تابعین کی مثالیں امام مسلمؒ نے قول جدید کے فساد کی وضاحت اور اس کے رد میں بیان کی ہیں کہ ان تابعین کی اپنے شیوخ صحابہ سے معاصرت، اور امکان سماع تو ثابت ہے، مگر صراحۃً سماع کا ثبوت نہیں ملتا، مگر پھر بھی ان روایتوں کو محدثین کے نزدیک صحیح اور قابل حجت مانا گیا ہے، اگر قائل کے قول مخترع کو تسلیم کر لیا جائے، تو ان حدیثوں کو جو ائمہ متقدمین کے نزدیک ثابت و صحیح ہیں، نا قابل استدلال اور ضعیف قرار دینا لازم آئے گا، اور یہ اپنی جگہ ایک مضبوط قول اور قوی رد ہے، کیونکہ یہ احادیث صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور صحیح مسلم کو بھی بلحاظ صحت، قبولیت عامہ حاصل ہے۔

"فَكُلُّ هَؤُلاَءِ التَّابِعِينَ الَّذِينَ نَصَبْنَا رِوَايَتَهُمْ عَنِ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ سَمَّيْنَاهُمْ لَمْ يُحْفَظْ عَنْهُمْ سَمَاعٌ عَلِمْنَاهُ مِنْهُمْ فِى رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا وَلاَ أَنَّهُمْ لَقُوهُمْ فِى نَفْسِ خَبَرٍ بِعَيْنِهِ وَهِىَ أَسَانِيدُ عِنْدَ ذَوِى الْمَعْرِفَةِ بِالأَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ مِنْ صِحَاحِ الأَسَانِيدِ لاَ نَعْلَمُهُمْ وَهَّنُوا مِنْهَا شَيْئًا قَطُّ وَلاَ الْتَمَسُوا فِيهَا سَمَاعَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ إِذِ السَّمَاعُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُمْكِنٌ مِنْ صَاحِبِهِ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ لِكَوْنِهِمْ جَمِيعًا كَانُوا فِى الْعَصْرِ الَّذِى اتَّفَقُوا فِيهِ، وَكَانَ هَذَا الْقَوْلُ الَّذِى أَحْدَثَهُ الْقَائِلُ الَّذِى حَكَيْنَاهُ فِى تَوْهِينِ الْحَدِيثِ بِالْعِلَّةِ الَّتِى

وَصَفَ أَقَلَّ مِنْ أَنْ يُعَرَّجَ عَلَيْهِ وَيُثَارَ ذِكْرُهُ إِذْ كَانَ قَوْلاً مُحْدَثًا وَكَلاَمًا خَلْفًا لَمْ يَقُلْهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ سَلَفَ وَيَسْتَنْكِرُهُ مَنْ بَعْدَهُمْ خَلَفَ فَلاَ حَاجَةَ بِنَا فِي رَدِّهِ بِأَكْثَرَ مِمَّا شَرَحْنَا"۔

ترجمہ:

تو یہ سب تابعین جن کی روایتوں کو ہم نے بیان کیا ہے، ان صحابہ کرام سے جن کے نام کی ہم نے صراحت کی، کسی بھی متعین روایت میں ان صحابہ سے ان کا سننا محفوظ نہیں، جس کا ہمیں علم ہو، اور نہ کسی متعین خبر میں (یہ معلوم ہو سکا) کہ انھوں نے ان صحابہ سے ملاقات کی ہے، اور یہ سندیں خبر اور روایات کا علم رکھنے والوں کے نزدیک صحیح سندوں میں سے ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ ان اہل علم و معرفت نے ان میں سے کسی بھی (سند) کو کبھی کمزور اور ضعیف قرار دیا ہو، اور نہ ہی یہ معلوم کہ انھوں نے ان میں بعض کے بعض سے سماع کی تحقیق کی ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا اپنے صاحب (شیخ) سے سننا ممکن ہے، بعید نہیں ہے، ان سب کے ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں جس میں یہ لوگ پائے گئے (یعنی معاصرت)۔

اور یہ قول جس کو اس قائل نے حدیث کو کمزور قرار دینے کے لئے ایجاد کیا ہے، اس علت اور سبب کی بنا پر جو اس نے بیان کیا، اس سے کمتر تھا کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اور اس کے ذکر کو چھیڑا جائے، اس لئے کہ یہ ایک تراشیدہ گھڑا ہوا قول اور بیکار بات تھی گزرے ہوئے اہل علم میں سے کسی نے بھی یہ قول نہیں اپنایا، اور ان کے بعد جو لوگ آئے وہ بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں، لہذا جتنا بیان کر دیا اس سے زیادہ ہمیں اس کے رد کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اس قول اور اس کے کہنے والے کی اتنی ہی حیثیت تھی جو ہم نے بیان کیا، اور علماء کے مذہب اور طریقہ کی جو مخالفت کرے اس کی تردید میں اللہ سے ہی مدد چاہی گئی ہے اور اسی پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔

حل لغات:

"**كلاما خلفا**": خاء پر فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ، بیکار بات، مثل مشہور ہے، سكت ألفا و نطق خلفاً ۔
"**التُكلان**" تاء کے ضمہ کے ساتھ فُعلان کے وزن پر توکل کا اسم ہے، اور توکل کا معنی "اظهار العجز والاعتماد على الغير "یعنی عاجزی کا اظہار اور غیر پر اعتماد کرنا ہے۔

تشریح:

تابعین کی صحابہ کرام سے روایتوں کی مذکورہ مثالیں جو بیان کی گئیں، ان تابعین کا مذکورہ صحابہ کرام سے سماع یا لقاء کسی روایت سے صراحۃً معلوم نہیں باستثناء قیس بن ابو حازم اور نعمان بن ابو عیاش کے، البتہ ان کا معاصر ہونا اور ان کے مابین سماع و لقاء کا امکان ثابت ہے، ان کی مذکورہ معنعن روایات کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ قول مخترع جس کی تردید میں یہ ساری باتیں کہی گئی ہیں اس کے مطابق یہ سب احادیث منقطع، ضعیف اور ناقابل حجت ہو جاتی ہیں، حالانکہ کسی نے انھیں ضعیف نہیں کہا ہے، اس سے واضح اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ کسی نے بھی اس قول یا شرط کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور غیر مدلس ثقہ راوی کا اپنے ایسے شیخ سے عنعنہ جو اس کا معاصر ہے، مگر لقاء یا سماع کا ثبوت فراہم نہیں ہے اتصال سند پر محمول کیا گیا ہے، اس کو منقطع قرار دینا درست نہیں ہے، پہلی روایت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کی جو انھوں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور اس کی تخریج امام بخاریؒ نے متعدد مواقع پر بصیغہ عن ہی کی ہے، سوائے اپنے شیخ مسلم بن ابراہیم کی روایت کے جس میں سمع ابا مسعود مذکور ہے (اور اس کی تفصیل ہم نے اس موقع پر کر دی ہے کی اس میں کلام کی گنجائش ہے)، امام بخاریؒ کے دفاع میں یہ توجیہ و تاویل کرنا کہ عبد اللہ بن یزید صحابی ہیں اور صحابی کا ارسال علی الاتفاق صحیح کے حکم میں مقبول مانا گیا ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے، یہ توجیہ کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ صحابی کا ارسال اس لئے قبول کیا گیا ہے کہ کہ تمام صحابہ عدول مانے گئے ہیں، اور اس قضیہ میں بھی نزاع اسی راوی کے بارے میں ہے جو عدل و ثقہ اور غیر مدلس ہو، مروی عنہ کا معاصر ہو اس سے سماع ممکن ہو، عدم سماع کی صراحت نہ ہو، اور یہی امام مسلمؒ کا موقف ہے، اور جس کے قول کا رد کیا گیا ہے اس نے اسی جیسے راوی کے لئے ثبوت سماع کی قید لگائی ہے، فافہم، واللہ اعلم، وعلمہ اکمل واتم۔

تتمۃ البحث اور قول فیصل:

اس متنازع قول سے متعلق طویل بحث کا خلاصہ چند امور پر مشتمل ہے، علی سبیل الاختصار ان کے بیان سے مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو سکتا ہے اور اس کی روشنی میں قول صحیح کی تحقیق بھی واضح ہو جائے گی:

بعض منتحلی الحدیث سے کون مراد ہیں:

اول یہ کہ امام مسلمؒ نے "بعض منتحلی الحدیث" سے کس کو مراد لیا ہے، اس بارے میں چند اقوال ہیں:

۱- استاذ العلماء محدث وفقیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد کچھ غیر معروف لوگ ہیں جن کا قول امام مسلمؒ تک پہونچا تو انھوں نے اس کی تردید فرمائی، "الظاهر أنه لم يقصد إلا إحقاق ما هو حق عنده، ورد ما بلغه من قول بعض العلماء ،إلا انه لم يسمعه ممن هو عَلَم فى العِلم، أو إمام فى الحديث ، وإلا لَمَا أقدم على مثل هذه الألفاظ ، وإنما بلغه هذا القول ممن ليس له كثير اعتداد فى أصحاب العلم" ظاہر یہ ہے کہ امام مسلمؒ کا مقصد محض اپنے نزدیک جو حق ہے اس کا اثبات، اور بعض علماء کا جو قول ان تک پہونچا ہے اس کی تردید کرنا ہے، مگر انھوں نے اس قول کو کسی ایسے شخص سے جو علم میں اعلی مقام پر ہے یا حدیث میں امام ہے، نہیں سنا ہے ورنہ اس جیسے (سخت) الفاظ کا استعمال نہ کرتے، ان تک یہ قول ایسے شخص سے پہونچا جس کا اہل علم میں کوئی بہت شمار نہیں ہے، (الحل المفہم لصحیح مسلم:۲۰۱)۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد امام بخاری اور ان کے استاذ علی بن المدینی رحمہا اللہ ہیں، یہ رائے امام نووی، حافظ ذہبی، امیر صنعانی، صاحب فتح الملہم علامہ شبیر احمد عثمانی اور استاذ محترم محدث فقیہ حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ کی ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد امام بخاریؒ نہیں بلکہ ان کے استاذ علی بن المدینی ہیں، یہ رائے حافظ ابن کثیر، امام بلقینی سراج الدین عمر بن رسلان، اور استاذ محترم محدث و محقق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہم اللہ کی ہے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التتمۃ الثالثۃ الملحقۃ بالموقظۃ للاستاذ المحقق عبد الفتاح أبی غدۃ)

امام سیوطی رحمہ اللہ اسناد معنعن کی بحث میں لکھتے ہیں: "ومنهم من شرط اللقاء وحده،و هو قول البخارى و ابن المدينى والمحققين من أئمة هذاالعلم،قيل إلا أن البخارى لا يشترط ذلک فى أصل الصحة، بل التزمه فى جامعه ،وابن المدينى يشترطه فيهما، و نص على ذلک الشافعى فى الرسالة" (ان میں سے بعض نے محض لقاء کی شرط لگائی ہے، اور یہ بخاری، ابن المدینی اور اس علم کے ائمہ محققین کا قول ہے، کہا گیا ہے کہ مگر بخاری نے اصل صحت (حدیث) میں یہ شرط نہیں لگائی ہے، بلکہ (صرف) اپنی

جامع میں اس کا التزام کیا ہے، اور ابن المدینی اصل صحت میں بھی اس کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ نے (بھی) "رسالہ" میں اس کی صراحت کی ہے)۔(تدریب الراوی:۱/۲۱۶)، یعنی حدیث معنعن کے اتصال پر محمول ہونے کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی راوی اور مروی عنہ کے مابین لقاء کا ثبوت شرط ہے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس دعوی کی تردید کی ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ثبوت لقاء کی شرط، اصل صحت حدیث کے لئے نہیں ہے، لکھتے ہیں:"و أخطأ فی هذه الدعوی، بل هذا شرط فی أصل الصحة عند البخاریؒ، فقد أكثر من تعليل الأحاديث فی تاريخه بمجرد ذلک "اور (اس کے قائل نے) اس دعوی میں غلطی کی، بلکہ بخاریؒ کے نزدیک یہ اصل صحت میں شرط ہے، اس لئے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں محض اسی سبب سے احادیث کو اکثر معلول قرار دیا ہے۔(النکت علی کتاب ابن الصلاحؒ؛ص ۲۳۰)

اور امام سیوطیؒ نے "الرسالہ" میں امام شافعیؒ کے جس قول کی طرف اشارہ کیا ہے غالبًا اس سے وہی قول مراد ہے جس کو ابن حجرؒ نے "النکت" میں "الرسالہ" سے نقل کیا ہے "فإن قيل فما بالک قبلت ممن لا تعرفه بالتدليس أن يقول : "عن"وقد يمكن فيه أن يكون لم يسمعه ؟ فقلت له: المسلمون العدول أصحاء الأمر و حالهم فی أنفسهم غير حالهم فی غيرهم ، ألا ترى إذا عرفتهم بالعدالة فی أنفسهم قبلت شهادتهم ، وإذا شهدوا على شهادة غيرهم لم أقبل حتى أعرف حاله، و أما قولهم عن أنفسهم ، فهو على الصحة حتى يستدل من فعلهم بما يخالف ذلک، فنحترس منهم فی الموضع الذی خالف فعلهم فيه مايجب عليهم."، تو اگر کہا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ جو آپ کے نزدیک معروف بالتدلیس نہیں ہے اس کے عنعنہ کو آپ قبول کر لیتے ہیں جبکہ ممکن ہے اس نے اس کو نہ سنا ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ عادل مسلمان صحیح الامر ہیں ان کا حال اپنے بارے میں ان کے غیر کے بارے میں ان کے حال سے مختلف ہے، کیا تمھیں نہیں معلوم کہ جب میں نے ان کے عادل ہونے کو جان لیا تو میں نے ان کی گواہی کو قبول کر لیا، اور جب وہ اپنے غیر کی گواہی پر گواہی دیں گے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا جب تک ان کا حال نہ معلوم ہو جائے، اور بہر حال ان کا قول اپنے بارے میں تو صحت پر (محمول) ہو گا، یہاں تک کہ ان کے فعل سے اس کے خلاف استدلال کیا جائے، تو ہم ان سے بچیں گے اس موقع پر جہاں ان کا فعل اس کے مخالف ہو گا جو

ان پر واجب ہے۔ (النکت علی کتاب ابن الصلاح:۲۳۰)، اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے کہ جب "عن" کے ذریعہ روایت کرنے والا معروف بالتدلیس نہ ہو تو اس کی روایت علی الاطلاق (اس زائد شرط کے بغیر) اتصال پر محمول ہوگی، اور جہاں اس کے بارے میں یہ صراحت ملے گی کہ اس نے جس سے روایت کی ہے اس سے سنا نہیں ہے، وہاں اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، چنانچہ آگے فرماتے ہیں: "ولم أدرک أحدًا من أصحابنا يفرق بين أن يقول حدثني فلان أو سمعت فلانًا أو عن فلان إلا فيمن دلس، فمن كان بهذه المثابة قبلنا منه، ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته فلا نقبل منه حديثاً حتى يقول : حدثني أو سمعت"، اور ہم نے اپنے اصحاب میں کسی کو نہیں پایا جس نے راوی کے قول حدثنی فلان یا سمعت فلاناً یا عن فلانٍ میں فرق کیا ہو، سوائے اس راوی (کے قول) کے جس نے تدلیس کی ہو، تو جو اس مرتبہ کا رہا ہم نے اس سے قبول کیا اور جس کے بارے میں ہم نے جان لیا کہ ایک بار تدلیس کی ہے تو اس نے اپنے عیب کو ظاہر کر دیا تو ہم اس سے حدیث کو قبول نہیں کرتے جبتک وہ حدثنی یا سمعت کے ذریعہ روایت نہ کرے۔ (النکت: ص ۲۳۱، نیز دیکھئے الرسالۃ:)، امام شافعیؒ کی اس پوری عبارت سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے کسی ثقہ غیر مدلس راوی کے عنعنہ کے متصل ہونے کے بارے میں یہ شرط بھی ذکر کی ہو کہ اس راوی کا اپنے مروی عنہ سے ایک مرتبہ لقاء ثابت ہو چکا ہو، ان کی عبارت بہت واضح ہے کہ " **وأقبلُ في الحديث: (حدَّثَنِي فُلانٌ عَنْ فُلاَنٍ) ، إذا لم يكن مُدَلِّسًا،** " آگے فرماتے ہیں "**ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته فی روایته**" (الرسالۃ:۱/۳۶۹)۔

قول راجح اور وجوہات ترجیح:

ان اقوال میں راجح حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا قول معلوم ہوتا ہے، کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاریؒ یا علی بن المدینیؒ کو مراد نہیں لیا ہے، بلکہ ان کے ہم عصر کچھ لوگوں کی طرف سے یہ قول ان تک پہونچا اور آپ نے ان کی تردید کی، اس کی چند وجوہ ہیں:

۱- اس لئے کہ امام مسلمؒ نے یہ مقدمہ جس میں یہ تردید کی گئی ہے اپنی کتاب صحیح مسلم کی تالیف سے پہلے تصنیف کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ کی ابتدائی عبارتوں سے واضح ہے۔

۲- اس کتاب کی تالیف میں کم از کم پندرہ سال لگے ہیں،"قال أحمد بن سلمة : كتبت مع مسلم بن الحجاج في تاليف صحيحه خمس عشرة سنة"،(احمد بن سلمہ نے کہامیں نے مسلم بن حجاج کے ساتھ ان کی صحیح کی تالیف میں پندرہ سال تک لکھا ہے)۔(تذکرۃ الحفاظ:۲/۵۸۸)

۳- امام مسلمؒ کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی ہے۔

۴- امام بخاریؒ کی نیشاپور تشریف آوری ۲۵۰ھ میں ہوئی ہے،"قال الحاکم أبو عبدالله في تاريخه:قدم البخاری نیشابور سنة خمسين و مأتين"(ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری:ص۴۹۰)، جس سے یقینی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ مقدمہ امام بخاریؒ کی نیشاپور آمد سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

۵- جب امام بخاریؒ نیشاپور آئے ہیں تو امام مسلمؒ نے ان کی صحبت ومعیت کو ترجیح دی اور ان کی حمایت ودفاع میں اپنے سابق ہم وطن شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی کی مسموعات واپس کر دیں، اور امام بخاریؒ کا بھرپور ساتھ دیا، پھر یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ایک اہم اصولی مسئلہ میں شدید اختلاف ہوتے ہوئے ایک ایسے مسئلہ میں جو عقیدہ سے متعلق ہے، اوراس میں ان کے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی کا موقف صحیح تھا، ان کے خلاف ایک ایسے شخص کا ساتھ دیں گے جس سے قدیم اصولی اختلاف چلا آرہا ہے، اور اس کے رد میں اس قول کے کہنے والے کو انتہائی سخت سست کہہ چکے ہیں، اس لئے کسی بھی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ"بعض منتحلی الحدیث "سے امام مسلمؒ کا اشارہ امام بخاریؒ کی طرف ہے، اور نہ یہ بات دل میں اترتی ہے کہ انھوں نے ایک عظیم امام حدیث علی بن المدینی کو اس سخت ترین تردید کا نشانہ بنایا ہو، اگرچہ محدثین کا اپنے مخالفین پر جارحانہ نقد معروف ہے، اس کے باوجود مذکورہ بالا تفصیلات کے مد نظر راقم السطور کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ان کی تردید کا نشانہ کچھ ایسے نامعلوم لوگ ہیں جن کا قول لائق اعتنا نہیں تھا، محض اس کے ضرر سے تحفظ کے پیش نظر اس کی تردید کی ہے۔

دار قطنیؒ کا قول:"لولا البخاری لما راح مسلم و لا جاء"

دوم یہ کہ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کی معیت وصحبت اور ملازمت ۲۵۰ھ کے بعد اختیار کی ہے جبکہ یہ اپنی صحیح کی تصنیف سے فارغ ہوچکے ہیں یا فراغت کے قریب ہیں، تو امام دار قطنی کا یہ قول

حقیقت سے بہت دور، ایک بے بنیاد مبالغہ ہے کہ مسلم کا وجود بخاری سے ہے، دار قطنی کا کہنا ہے:"لولا البخاری لما راح مسلم و لا جاء" نیز انھوں نے کہا:"انما أخذ مسلم كتاب البخارى فعمل فيه مستخرجا و زاد فيه أحاديث"۔(دیکھئے ہدی الساری:۴۹۰)اور اگر امام بخاریؒ سے ان کی ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہو، اور امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کی کتاب دیکھی بھی ہو، تب بھی دونوں کا منہج تالیف دار قطنی کے قول کی تردید کے لئے کافی ہے، فن تالیف وتصنیف کی خوبی ومحاسن کے لحاظ سے کتب حدیث میں صحیح مسلم کی نظیر بمشکل ملے گی، امام بخاریؒ کا امتیاز صحت اسانید میں شدت اہتمام کا التزام اور ابواب وتراجم کا قائم کرنا ہے، اور اس لحاظ سے کتب حدیث میں وہ سب پر فائق ہے، مگر اس کے باوجود وہ خود پورے طور پر اس التزام سے مستغنی نہ رہ سکے، اور بعض مسائل میں اپنی شرط کے معیار کی حدیث نہ ملنے پر اس سے نیچے کی احادیث کو تعلیقاً ذکر کرکے اس کا حل نکالا، اور تعلیقات میں بھی بعض کے متعلق حافظ ابن حجر کی تصریح مذکور ہے:"ولم أره الى الآن موصولاً"، میں نے اب تک اسے موصول نہیں دیکھا۔(فتح الباری:۱/۴۸)

قول مخترع کی تردید میں امام مسلم کی سخت کلامی:

سوم یہ ہے کہ اس قول کی تردید میں امام مسلمؒ کی طرف سے اس قدر تشدد کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے جمہور متقدمین ومتأخرین محدثین بلکہ سلف وخلف تمام ہی محدثین کے نزدیک مسلّم ومتفق علیہ اور معمول بہ قول یہ بیان کیا ہے کہ وہ معنعن حدیث جس کا راوی ثقہ، غیر مدلس ہو اور اس کا اپنے مروی عنہ شیخ سے ملاقات کرنا اور سننا ممکن ہو اس لئے کہ دونوں ہم عصر ہیں اور کسی روایت سے عدم لقاء یا عدم سماع کا علم نہ ہو تو وہ معنعن حدیث صحیح اور قابل حجت ہوگی، اتصال پر محمول کی جائے گی۔

اور اس قول مخترع کا قائل یہ کہتا ہے کہ مذکورہ صورت حال کی معنعن حدیث صرف معاصرت کے سبب، امکان لقاء یا امکان سماع کی وجہ سے اتصال پر محمول نہیں ہوگی، اس سے استدلال و احتجاج موقوف ہوگا، جبتک کسی ذریعہ سے ایک مرتبہ ایک دوسرے سے سننا یا ان دونوں کی باہم ملاقات معلوم نہ ہو جائے، لہذا اگر اس قول کو تسلیم کر لیا جائے تو بہت سی صحیح اور قابل حجت احادیث کو منقطع اور ناقابل احتجاج قرار دینا پڑے گا،

جبکہ ان روایتوں کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، اس طرح احادیث مبارکہ کے ایک بہت عظیم ذخیرہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، چنانچہ امام مسلمؒ نے اس کی کچھ مثالیں بھی ذکر کر دی ہیں، اسی لئے امام مسلمؒ نے تلخ لہجہ اور سخت الفاظ میں اس قول کی تردید کی ہے۔

دونوں اقوال میں قول راجح:

چہارم یہ کہ ان دونوں میں صحیح اور راجح قول کیا ہے؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ: امام نوویؒ نے شرح میں بظاہر امام مسلمؒ کے قول کو ضعیف اور جس قول کی انھوں نے تردید کی ہے اسے مختار اور صحیح قرار دیا ہے: "وهذا الذى صار اليه مسلم قد أنكره المحققون، وقالوا هذا الذى صار اليه ضعيف والذى رده هو المختار الصحيح الذى عليه أئمة هذا الفن على بن المدينى و البخارى و غيرهما" اور یہ قول جس کو امام مسلمؒ نے اختیار کیا ہے، محققین نے اس کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ جس قول کو انھوں نے اپنایا ہے وہ ضعیف ہے، اور جس کی انھوں نے تردید کی ہے وہی مختار اور صحیح قول ہے جس پر اس فن کے ائمہ علی بن المدینی، امام بخاری اور ان کے علاوہ ہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم مع الشرح: ۱/۱۲۸، ہندی نسخہ ص۲۱)

اور آگے انھوں نے بطور دلیل ووضاحت ذکر کیا ہے کہ: "ودليل هذا المذهب المختار الذى ذهب اليه ابن المدينى والبخارى و موافقوهما أن المعنعن عند ثبوت التلاقى انما حمل على الاتصال لأن الظاهر ممن ليس بمدلس أنه لا يطلق ذلك الا على السماع ثم الاستقراء يدل عليه فان عادتهم أنهم لا يطلقون ذلك الا فيما سمعوه الا المدلس" اور اس مذہب مختار جس کو ابن المدینی اور بخاری اور ان کے موافقین نے اختیار کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث معنعن ثبوت لقاء کے ساتھ اتصال پر محمول کی گئی ہے اس لئے کہ جو شخص مدلس نہیں ہے اس سے ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کا اطلاق سماع کے ساتھ ہی کرے گا، پھر استقراء بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ان (رواۃ) کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اس کا اطلاق مسموع پر ہی کرتے ہیں، سوائے مدلس (راوی) کے (مقدمہ صحیح مسلم مع الشرح: ۱/۱۲۸، ہندی نسخہ ص۲۱)۔

اس میں امام نوویؒ نے ثبوت لقاء کی صراحت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ جو شخص مدلس نہیں ہے اس سے

ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کا اطلاق سماع کے ساتھ ہی کرے گا، پھر استقراء بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، مگر امام مسلمؒ نے جو مثالیں ذکر کی ہیں ان کی اکثر میں انھوں نے یہی دکھایا ہے کہ راوی مدلس نہیں ہے اور اس کا اپنے مروی عنہ سے ثبوت لقاء نہیں ہے امکان لقاء ہے، اور اس کی روایتوں کو پہلے بھی اور آج بھی صحیح ہی مانا گیا ہے، ظاہر تو یہی ہے کہ جو راوی مدلس نہیں ہے وہ بغیر سماع کے روایت نہیں کرے گا، اگرچہ اس کی روایت بصیغۂ عن کرے، اور اگر اس سے اس کا امکان ہے کہ بغیر سماع کے بھی روایت کردے تو یہ امکان تو اس غیر مدلس سے بھی ہے جس کی لقاء ثابت ہے، کہ وہ بغیر سنے روایت کردے، اصل مسئلہ غیر مدلس پر اطمئنان کا ہے۔

اور امام مسلمؒ نے یہی بات کہی ہے کہ ائمہ فن نے سماع کی تفتیش اس وقت کی ہے جبکہ راوی مدلس ہو، اور اگر ثقہ راوی غیر مدلس ہے تو اس کے عنعنہ میں سماع کی تفتیش نہیں کی ہے، جیسا کہ ان کا قول گزر چکا ہے: ''وَإِنَّمَا كَانَ تَفَقُّدُ مَنْ تَفَقَّدَ مِنْهُمْ سَمَاعَ رُوَاةِ الْحَدِيثِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمْ إِذَا كَانَ الرَّاوِى مِمَّنْ عُرِفَ بِالتَّدْلِيسِ فِى الْحَدِيثِ وَشُهِرَ بِهِ فَحِينَئِذٍ يَبْحَثُونَ عَنْ سَمَاعِهِ فِى رِوَايَتِهِ وَيَتَفَقَّدُونَ ذٰلِكَ مِنْهُ كَىْ تَنْزَاحَ عَنْهُمْ عِلَّةُ التَّدْلِيسِ فَمَنِ ابْتَغَى ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ مُدَلِّسٍ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِى زَعَمَ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهُ فَمَا سَمِعْنَا ذٰلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِمَّنْ سَمَّيْنَا وَلَمْ نُسَمِّ مِنَ الْأَئِمَّةِ'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مسلمؒ نے جس قول کی تردید کی ہے وہ مطلق ہے خواہ راوی بالعنعنہ مدلس ہو یا غیر مدلس، اس کا اپنے مروی عنہ شیخ سے کسی ایک حدیث کے ذریعہ سماع یا کسی خبر کے ذریعہ اس سے لقاء اگرچہ ایک مرتبہ ہی ہو معلوم ہو جائے تو اس کی اس شیخ سے ساری معنعن روایتیں اس کے نزدیک متصل و مقبول ہوتی ہیں، اور امام مسلمؒ نے جس قول کی حمایت کی ہے وہ یہ ہے کہ عنعنہ کا راوی ثقہ معتبر ہے، مشہور بالتدلیس نہیں ہے، اور جس سے اس نے روایت کی ہے وہ اس کا ہم عصر ہے جس سے سماع یا ملاقات ممکن ہے، تو اگرچہ اس سے سماع یا ملاقات کا علم نہ ہو، اس کے غیر مدلس ثقہ ہونے کی وجہ سے اس کا عنعنہ اتصال پر محمول کیا گیا ہے، چنانچہ تقریب میں امام نوویؒ کی عبارت واضح ہے کہ: ''الاسناد المعنعن وهو فلان عن فلان ،قيل انه مرسل، و الصحيح الذى عليه العمل وقاله الجماهير من أصحاب الحديث والفقه والاصول أنه متصل بشرط أن لايكون المُعَنعِن مدلِسًا و بشرط امكان لقاء بعضهم بعضًا'' اسناد معنعن جو فلان عن فلان کے طور پر ہوتی ہے، کہا گیا ہے کہ وہ منقطع ہے، اور صحیح قول جس

پر عمل ہے اور جمہور اصحابِ حدیث و فقہ اور اہل اصول نے اسے کہا ہے (یہ ہے) کہ وہ متصل ہے اس شرط کے ساتھ کہ عنعنہ کرنے والا مدلس نہ ہو، اور اس شرط کے ساتھ کہ (جس سے عن کے ذریعہ روایت کی ہے) اس کے ساتھ لقاء کا امکان ہو۔ (تقریب مع تدریب: ۱/۲۱۶)" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث معنعن، امکان لقاء اور راوی کے غیر مدلس ہونے کی شرط کے ساتھ اتصال پر محمول ہوگی، یہی جمہور محدثین و فقہاء اور اصحاب اصول کا قول و عمل ہے۔

امام شافعیؒ کی "الرسالہ" کی ماقبل میں "النکت" کے حوالہ سے مذکور عبارت سے بھی امام مسلمؒ کے موقف کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ آگے کی عبارت مزید واضح ہے فرماتے ہیں: "ولم أدرک أحدًا من أصحابنا يفرق بين أن يقول حدثنی فلان أو سمعت فلانًا أو عن فلان إلا فيمن دلس ، فمن كان بهذه المثابة قبلنا منه، ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته فلا نقبل منه حديثاً حتى يقول : حدثنی أو سمعت"، اور ہم نے اپنے اصحاب میں کسی کو نہیں پایا جس نے راوی کے قول حدثنی فلانًا یا سمعت فلانًا یا عن فلانٍ میں فرق کیا ہو، سوائے اس راوی (کے قول) میں جس نے تدلیس کی ہو، تو جو اس مرتبہ کا رہا، ہم نے اس سے قبول کیا اور جس کے بارے میں ہم نے جان لیا کہ ایک بار تدلیس کی ہے تو اس نے اپنے عیب کا ہم سے اظہار کر دیا تو ہم اس سے حدیث کو قبول نہیں کریں گے جبتک وہ حدثنی یا سمعت کے ذریعہ روایت نہ کرے۔ (ص ۲۳۱) امام شافعیؒ کی اس پوری عبارت سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے کسی ثقہ غیر مدلس راوی کے عنعنہ کے متصل ہونے کے بارے میں یہ شرط بھی ذکر کی ہو کہ اس راوی کا اپنے مروی عنہ سے ایک مرتبہ لقاء ثابت ہو چکا ہو، مگر ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ کے اس قول کو امام بخاریؒ کے قول کے مشابہ سمجھا ہے، لکھتے ہیں: "فأشبه ما ذهب إليه البخاری من أنه إذا ثبت اللقی ولو مرةً حملت عنعنة غير المدلس على السماع "ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کی مذکورہ عبارت میں کہیں بھی صراحتًا یا اشارۃً" إذا ثبت اللقی ولو مرةً" کا ذکر نہیں ہے، آگے ابن حجرؒ نے جو کہا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس شرط کا قول اس لئے کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے لوگوں نے بطور ارسال حدیث کی روایت کو جائز کر رکھا تھا، تو اگر وہ مدلس نہ بھی ہو اور اپنے بعض معاصر سے "عن" کے ذریعہ روایت کرے تو یہ اس پر دلالت نہیں کرے گا کہ اس نے اس سے سنا ہے، کیونکہ اگرچہ وہ غیر مدلس ہے مگر

علی الارسال روایت کے مروج ہونے سے احتمال ہے کہ اس غیر مدلس راوی نے بھی ارسالًا روایت کردیا ہو، اس لئے یہ شرط لگائی کہ ایک مرتبہ ہی صحیح اس راوی کا اپنے مروی عنہ سے لقاء اور سماع کا ثبوت مل جائے، تاکہ اس سے بالعنعنہ جو بھی روایت کرے اسے سماع پر محمول کیا جاسکے، کیونکہ اب اگر سماع پر محمول نہیں کریں گے تو اس کا مدلس ہونا لازم آئے گا، اور غرض تدلیس سے سالم ہونا ہے۔ (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ص ۲۳۱)۔

اشکال یہ ہے کہ بالفرض علی الارسال روایت کے شیوع ورواج کی وجہ سے ایک ثقہ غیر مدلس راوی سے اس کا خدشہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی عادت سے مغلوب ہوکر ایسے شخص سے جس سے سنا نہیں ہے ”عن“ کے ذریعہ روایت کرکے اپنے اوپر تدلیس کی تہمت مول لے، تو کیا اس شخص سے جس نے کسی سے ایک حدیث سنی ہو اس کا امکان نہیں ہے کہ رواج اور زمانہ کی عادت سے مغلوب ہوکر، اپنی لقاء یا ایک حدیث کے سماع کا سہارا لیتے ہوئے اس سے کچھ ایسی روایتیں کر بیٹھے جسے اس نے اپنے اس شیخ سے نہیں سنا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں علی الارسال روایت کے شیوع کی وجہ سے آپ کی اس شرط کا انطباق ماقبل اسلاف کی روایات پر بھی ہوگا؟ یا کب کے لوگوں پر ہوگا، جبکہ ائمۂ سلف نے رواۃ حدیث کی بحث و تحقیق اور تفتیش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور کون مدلس ہے کون غیر مدلس ہے اسے بھی نمایاں کردیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام مسلمؒ کے موقف کو مرجوح اور قول مخترع (جو ان کے نزدیک امام بخاریؒ کا بھی قول ہے، اسلئے) اس کو راجح قرار دینے کے لئے یہ بات بھی کہی ہے کہ امام مسلمؒ کا اعتراض اور نقد، امام بخاریؒ پر اس وقت صحیح اور مکمل ہوتا جبکہ وہ صحیح بخاری میں کوئی ایسی حدیث دیکھتے جس میں کسی راوی نے اپنے ایسے شیخ سے عن کے ذریعہ روایت کی ہو جس سے اس کا لقاء ثابت نہیں ہے ”و إنما كان يتم له النقض و الإلزام لو رأى فی صحيح البخاری حديثًا معنعنا لم يثبت لقی راويه لشيخه فيه ،فكان ذلک واردًا عليه و إلا فتعليل البخاری لشرطه المذكور متجه“ (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ص ۲۳۲) مگر اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے بالتعیین امام بخاریؒ پر، یا ان کی صحیح پر نقد نہیں کیا ہے، بلکہ ان کا نقد علی الاطلاق ان لوگوں پر ہے جو اس کے قائل ہیں، اور رہا یہ مسئلہ کہ ایسی کوئی روایت صحیح بخاری میں ہے یا نہیں، تو استاذ محترم شیخ عبد الفتاح ابوغدہ علیہ الرحمۃ نے بطور مثال ایسی ایک حدیث کا ذکر بھی کیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

کتاب الوضوء باب المسح علی الخفین میں امام بخاریؒ نے بطور متابعت ذکر کیا ہے: ''وتابعه معمر عن یحییٰ عن أبی سلمة عن عمرو قال : رأیت النبیﷺ ''اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے اَصیلی کے قول: ''وهی أیضاً مرسلة لأن أبا سلمة لم یسمع من عمرو''(اور نیز یہ مرسل بھی ہے کیونکہ ابو سلمہ نے عمرو سے نہیں سنا ہے)کے جواب میں لکھا ہے: ''قلت: سماع أبی سلمة من عمرو ممکن، فانه مات بالمدینة سنة ستین و أبو سلمة مدنی ولم یوصف بالتدلیس، وقد سمع من خلق ماتوا قبل عمرو، وقد روی بکیر بن الأشج عن أبی سلمة أنه أرسل جعفر بن عمرو بن أمیة الی أبیه یسأله عن هذاالحدیث فرجع الیه فأخبره به فلا مانع أن یکون أبوسلمة اجتمع بعمرو بعد فسمعه منه ''میرا(ابن حجر کا) کہنا ہے کہ ابو سلمہ کا عمرو سے سماع ممکن ہے، کیونکہ انھوں نے مدینہ منورہ میں ۶۰ھ میں وفات پائی ہے، اور ابو سلمہ بھی مدنی ہیں، اور یہ تدلیس سے متصف بھی نہیں ہیں، اور انھوں نے ایسے لوگوں سے بھی سنا ہے جو عمرو سے پہلے وفات پائے ہیں، اور بکیر بن اشج نے ابو سلمہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے جعفر بن عمرو بن امیہ کو ان کے والد کے پاس بھیجا تاکہ ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کریں تو وہ واپس آئے اور انھیں خبر دی، لہٰذا کوئی مانع نہیں ہے کہ اس کے بعد ابو سلمہ ان سے ملے ہوں اور ان سے سنا ہو۔(فتح الباری:۱/۳۰۸، حدیث:۲۰۵)

نیز ایک دوسری حدیث صحیح بخاری میں باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ کے تحت مذکور ہے''**حدثنا حجاج بن منهال، حدثنا شعبة، قال: أخبرني علقمة بن مرثد، سمعت سعد بن عُبيدة، عن أبي عبد الرحمن السلمي، عن عثمان ؓ، عن النبي ﷺ قال: «خيركم من تعلم القرآن وعلمه»، قال: وأقرأ أبو عبد الرحمن في إمرة عثمان، حتى كان الحجاج قال: وذاك الذي أقعدني مقعدي هذا**''(کتاب فضائل القرآن: حدیث:۵۰۲۷)یہ حدیث ابو عبد الرحمن سلمی سے دیگر کتابوں میں بھی منقول ہے، مسند احمد میں اس حدیث کے نقل کے بعد مذکور ہے:'' **قال شعبة: ولم يسمع أبو عبد الرحمن من عثمان ولا من عبد الله، ولكن قد سمع من عليّ**.(مسند احمد)

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی لکھا ہے:'' **وقد قال أحمد حدثنا حجاج بن محمد عن شعبة قال لم يسمع**

أبوعبد الرحمن السلمي من عثمان وكذا نقله أبو عوانة في صحيحه عن شعبة ثم قال اختلف أهل التمييز في سماع أبي عبد الرحمن من عثمان ونقل ابن أبي داود عن يحيى بن معين مثل ما قال شعبة" اور یہی بات کتاب الجرح والتعدیل، اور تہذیب الکمال میں بھی لکھی ہے اور تہذیب التہذب میں بھی ابن حجرؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور تاریخ کبیر میں امام بخاریؒ نے ان کے سماع کا ذکر کیا ہے" سمع عليا، وعثمان وابن مسعود. (التاریخ الکبیر:۵/۱،ترجمہ ۱۸۸،والتاریخ الصغیر:۱ / ۲۰۱)"اور حافظؒ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس میں سماع کی صراحت ہے، مگر انھوں نے لکھا ہے" وفي إسناده مقال "اس کی سند میں کلام ہے، چنانچہ اس کے بعد توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"لكن ظهر لي أن البخاري اعتمد في وصله وفي ترجيح لقاء أبي عبد الرحمن لعثمان على ما وقع في رواية شعبة عن سعد بن عبيدة من الزيادة وهي أن أبا عبد الرحمن أقرأ من زمن عثمان إلى زمن الحجاج وأن الذي حمله على ذلك هو الحديث المذكور فدل على أنه سمعه في ذلك الزمان وإذا سمعه في ذلك الزمان ولم يوصف بالتدليس اقتضى ذلك سماعه ممن عنعنه عنه وهو عثمان ﷺ ولا سيما مع ما اشتهر بين القراء أنه قرأ القرآن على عثمان وأسندوا ذلك عنه من رواية عاصم بن أبي النجود وغيره فكان هذا أولى من قول من قال إنه لم يسمع منه"میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ بخاریؒ نے اس حدیث کے موصول ہونے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے ابو عبد الرحمن کی لقاء کی ترجیح میں اس اضافہ پر اعتماد کیا ہے جو سعد بن عبیدہ سے شعبہ کی روایت میں واقع ہے کہ ابو عبد الرحمن نے عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کی تعلیم دی ہے جو حجاج کے عہد تک ممتد رہی ہے اور یہ کہ اس حدیث نے ہی ان کو اس (پڑھانے) پر ابھارا، اس امر نے دلالت کی کہ انھوں نے یہ حدیث اسی زمانہ میں سنی، اور جب اسی زمانہ میں سنی اور یہ ابو عبد الرحمن تدلیس سے موصوف نہیں ہیں تو یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ جس سے انھوں نے "عن" کے ذریعہ روایت کی ہے اس سے ان کا سماع ہے، اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، اور خاص طور سے جبکہ قراء کے مابین مشہور ہے کہ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے پڑھا ہے اور ان لوگوں نے اس کو ان سے عاصم بن ابو نجود وغیرہ کی روایت سے مسند بھی کیا ہے، تو یہ قول زیادہ مناسب ہوگا اس کے قول سے جس نے کہا کہ انھوں نے ان (عثمان رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا ہے، انتہی۔

راقم السطور کا کہنا ہے کہ ابو عبد الرحمن سلمی، کوفی ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دار الخلافة مدینہ منورہ رہا ہے، لہذا حافظ ابن حجرؒ کی اس توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع کا امکان ہے، اگرچہ کسی صحیح روایت سے سماع کی صراحت نہیں ملتی، اس لئے اس قول کی گنجائش ہے کہ صحیح بخاری میں بھی اس طرز کی معنعن حدیث موجود ہے، جس کے راوی کا اپنے شیخ سے سماع و لقاء ممکن تو ہے مگر ثابت نہیں ہے، اور ممکن ہے ابن حجرؒ نے یہ طویل بحث محض اپنے اس موقف کی بنیاد پر کی ہو کہ امام مسلمؒ نے جس قول کی تردید کی ہے اس کے قائل امام بخاریؒ ہیں، ورنہ حدیث مذکور صحیح متصل ہے اور صحیح بخاری میں اس جیسی ایک دو حدیث کا ہی سہی پایا جانا اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ اس قول مخترع کے قائل نہ امام بخاری ہیں اور نہ ہی علی بن المدینی رحمہم اللہ جمیعا واللہ اعلم بالصواب۔

ان مذکورہ تفصیلات کی بنیاد پر راقم السطور کے نزدیک امام مسلمؒ کا قول ہی راجح اور صحیح ہے کہ حدیث معنعن مذکورہ شروط کے ساتھ اتصال پر محمول کی گئی ہے، اور قول جدید جس میں امکان لقاء کی بجائے ثبوت لقاء کی شرط ہے صحیح نہیں ہے اس کو سمجھنے کے لئے چند نقاط پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

۱- حدیث کا راوی ثقہ ہونے کے ساتھ تدلیس میں مشہور و معروف نہ ہو۔

۲- راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت کے ساتھ ساتھ لقاء و سماع ممکن ہو۔

۳- مروی عنہ سے راوی کے سماع یا لقاء کی نفی کی صراحت نہ ہو۔

۴- ایک مرتبہ کی ملاقات یا ایک حدیث کا سننا دیگر احادیث (جن کی سند میں سماع کی صراحت نہیں ہے) کے سماع کو مستلزم نہیں ہے۔

۵- صحیح مسلم (نیز صحیح بخاری) میں اس طرح کی معنعن روایات موجود ہیں جیسا کہ مثالوں کی تخریج سے واضح ہو چکا ہے۔

۶- صحیح مسلم کا شمار صحاح میں ہے، اور باعتبار صحت اسناد اسے بھی قبولیت عامہ حاصل ہے، اور کتب حدیث میں صحیح بخاری کے بعد اسی کا مقام ہے۔

ان بنیادوں کے باوجود اس قول کو جس کا رد امام مسلمؒ نے کیا ہے اگر صحیح اور مختار مان لیا جائے تو صحیح مسلم

میں منقطع، غیر صحیح اور نا قابل حجت احادیث کا وجود تسلیم کرنا لازم آئے گا جبکہ امت نے امام مسلمؒ کی اس کتاب کو بطور صحیح قبول کیا ہے، لہذا جمہور علماء محدثین متقدمین و متأخرین کے نزدیک معمول بہ قول وہی معلوم ہوتا ہے جسے امام مسلمؒ نے اختیار کیا ہے۔

اور یہ توجیہ کرنا کہ ایک ہی حدیث میں سماع یا باہمی لقاء کا علم ہو جانے سے بقیہ احادیث جن میں سماع کی صراحت نہیں ہے ان کے مسموع ہونے کا گمان غالب حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے درست نہیں ہے کہ اس درجہ کا گمان غالب تو محض راوی کے ثقہ اور غیر مدلس ہونے سے بھی حاصل ہے، پھر اس زائد شرط کا کیا فائدہ؟ ہاں یہ ضرر اور نقصان ضرور ہے کہ اس شرط زائد کی وجہ سے بہت سے ثقہ قرار دیئے گئے راویوں کا غیر ثقہ اور مجروح ہونا اور ان کی صحیح روایات کا رد کرنا لازم آئے گا۔

ابو العالیہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عدم سماع ثابت ہے:

بعض حضرات نے جس قول کی تردید کی گئی ہے اس کی تائید میں ابو العالیہ اور مجاہد کی مثال ذکر کی ہے کہ ابو العالیہ کا سماع ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ابو العالیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، مگر کسی معین روایت میں سماع کی تصریح نہیں ہے، جس کی وجہ سے ابو العالیہ عن علیٍّ رضی اللہ عنہ کو شعبہؒ متصل نہیں کہتے، گویا شعبہ بھی امکان لقاء کے ساتھ ثبوت سماع کے قائل ہیں۔

مگر یہ مثال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتی کہ شعبہ کا انکار، امکان کے باوجود محض سماع کا ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ شعبہ اس لئے اس کو متصل نہیں مانتے کہ شعبہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کا عدم سماع ثابت و متیقن ہے، چنانچہ رُفیع بن مہران ابو العالیہ الریاحی کے ترجمہ میں مذکور ہے: ”قال أحمد : ثنا حجاج ثنا شعبة : قد أدرک رُفيع عليًا ولم يسمع منه“ رُفیع نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہے، اور ان سے سنا نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۸۵، تاریخ ابن معین، ۳۷۷۳) اس میں ابو العالیہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہ سننے کی صراحت ہے، اور ہشام نے حفصہ بنت سیرین سے نقل کیا ہے کہ ابو العالیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، (التاریخ الکبیر للبخاری: ترجمہ ۱۱۰۳)، ان کا نام رُفَیع بن مہران ہے، بصری ہیں اور ابو العالیہ الریاحی سے مشہور ہیں رسول اللہ

ﷺ کی وفات کے دو سال بعد مدینہ حاضر ہوئے، ۹۳ھ میں ان کی وفات ہے۔

مجاہد کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے عدم سماع معلوم ہے:

اسی طرح مجاہد عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند کو شعبہ کا منقطع کہنا محض اس لئے نہیں ہے کہ امکان لقاء و سماع اگرچہ پایا جارہا ہے مگر سماع کی صراحت نہیں ملتی، بلکہ ان کا اس سند کو منقطع کہنا اس وجہ سے ہے کہ شعبہ کو مجاہد کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ سننا معلوم ہے، چنانچہ مجاہد بن جبر مکی کے ترجمہ میں صراحت ہے:" قال أبوحاتم : لم يسمع من عائشة رضى الله عنها،حديثه عنها مرسل،، سمعت ابن معين يقول: لم يسمع منها "مجاہد بن جبر کے بارے میں ابو حاتم نے کہا ہے کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا ہے، ان سے ان کی حدیث مرسل ہے، میں نے ابن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے ان سے نہیں سنا ہے، یحییٰ بن معین سے منقول یہ قول تاریخ یحییٰ بن معین میں بھی مذکور ہے "سَمِعت يحيى يَقُول قَالَ يحيى بن سعيد الْقطَّان:لم يسمع مُجَاهِد من عَائِشَة "(تاریخ یحییٰ بن معین للدوری، ترجمہ:۳۸۰۳)۔

بلکہ علل ترمذی کے حوالہ سے ان کو معروف التدلیس لکھا ہے، "كلام الترمذى فى العلل ما نصه: مجاهد معلوم التدليس ،فعنعنته لا تفيد الوصل"[علل ترمذی میں کلام ترمذی کی نص ہے: مجاہد کا مدلس ہونا معلوم ہے، لہذا ان کا عنعنہ اتصال کا فائدہ نہیں دے گا]، یحییٰ بن معین سے مجاہد کے اس قول:"خرج علينا عليٌّ" کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا"ليس هذا بشيئ"، ابوزرعہ کا قول ہے:"مجاهد عن عليٍ مرسل" اسی طرح مجاہد کی حضرت سعد، معاویہ، کعب بن عجرۃ، ابوہریرہ، عبد اللہ بن عمر، ابوسعید، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم سے روایات کو بھی مرسل کہا گیا ہے، حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ میں نے کسی کو بھی نہیں پایا کہ ان کو تدلیس کی طرف منسوب کیا ہو، مگر یہ کہ مجاہد کا قول:"خرج علينا عليٌّ" اپنے ظاہر پر ہو اور یحییٰ بن معین کا قول ثابت ہو تو یہ عین تدلیس ہے۔(تہذیب التہذیب:۱۰/۴۴) جبکہ حافظؒ نے یہ بھی لکھا ہے "قلتُ: وقع التصريح بسماعه منها عند أبى عبدالله البخارى فى صحيحه"میرا کہنا ہے کہ ان (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) سے ان (مجاہد) کے سماع کی تصریح امام بخاریؒ کے نزدیک ان کی صحیح میں موجود ہے (ایضًا: ص ۴۳)۔

لہذا امجاہد کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عنعنہ تو کسی بھی قول کے مطابق منقطع نہیں کہا جاسکتا، امام بخاریؒ کے نزدیک اس لئے کہ سماع کا ثبوت ہے، اور امام مسلمؒ کے نزدیک اسلئے کہ سماع کا ثبوت نہ ہو تب بھی معاصرت کی وجہ سے امکان لقاء و سماع ہے، سوائے اس کے کہ یہ معروف التدلیس ہوں یا شعبہ کے نزدیک ان کا عدم سماع معلوم و متعین ہو، اور ان دونوں صورتوں میں مجاہد کو امام مسلمؒ کے موقف کی تردید کے طور پہ پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ امام مسلمؒ کے نزدیک بھی معنعن روایت کے اتصال پر محمول ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا راوی مدلس نہ ہو، نیز اس کا عدم سماع ثابت نہ ہو۔

مجاہد کی روایت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں حتی الوسع تلاش کے بعد "عن" یا "قالت" ابہام کے صیغہ سے ہی منقول ملیں، کسی ایسے صیغہ سے جو صراحۃً سماع پر دلالت کرے کوئی روایت نہیں ملی، مزید تحقیق و جستجو کی گنجائش ہے، والعصمة والکما ل لله الخبیر المتعال۔

بعون اللہ وفضلہ ذوالحجہ ۱۴۲۴ ہجری موافق تقویم عیسوی ۲۰۰۴ کے اوائل میں تمام ہوئی، اللہ اس کو نفع بخش بنائے، اور اپنے پاس قبولیت سے سرفراز فرمائے، **فلله الحمد والمن والفضل، وصلى الله على رسوله خاتم النبيين وعلى صحابة نبيه الطيبين الطاهرين وسلم دائما أبدا۔**

فہرس تراجم رجال

مراجع ومصادر

١ القرآن الکریم
٢ اختصار علوم الحدیث
٣ اساس البلاغۃ
٤ الاصابہ فی تمیز اسماء الصحابہ
٥ اکمال اکمال المعلم
٦ بدائع الفوائد
٧ بستان المحدثین
٨ تاریخ اسلام للذہبی، تحقیق بشار عواد
٩ تاریخ بغداد للخطیب
١٠ تاریخ دمشق لابن عساکر
١١ تاریخ یحیی بن معین
١٢ التحفۃ النظامیہ فی الفروق الاصطلاحیہ
١٣ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی
١٤ تذکرۃ الحفاظ
١٥ ترتیب الامالی للشجری
١٦ تفسیر ابن کثیر
١٧ تفسیر بیضاوی
١٨ تقریب التہذیب
١٩ تقریب النواوی
٢٠ تہذیب الاسماء واللغات
٢١ تہذیب التہذیب
٢٢ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)
٢٣ الحل المفہم لصحیح مسلم
٢٤ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال
٢٥ دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ
٢٦ ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل
٢٧ الرسالۃ للامام الشافعی
٢٨ السنۃ قبل التدوین
٢٩ سنن ابن ماجہ
٣٠ سنن ابوداؤد
٣١ سنن الترمذی
٣٢ السنن الکبری للنسائی
٣٣ سنن النسائی
٣٤ سیر اعلام النبلاء
٣٥ شرح العقیدۃ الطحاویہ
٣٦ شرح معانی الآثار للطحاوی

۳۷ صحیح بخاری
۳۸ صحیح مسلم
۳۹ عجالہ نافعہ
۴۰ فتاوی ابن تیمیہ
۴۱ فتاوی عالمگیریہ
۴۲ فتح الباری شرح صحیح بخاری
۴۳ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث
۴۴ فتح الملہم شرح صحیح مسلم
۴۵ الفرق بین الفرق
۴۶ الفصل فی الملل والاہواء والنحل
۴۷ فضائل شہر رجب للخلال
۴۸ الفیۃ العراقی
۴۹ القاموس المحیط
۵۰ الکامل فی الضعفاء لابن عدی
۵۱ کتاب التعریفات للجرجانی
۵۲ کتاب الجرح والتعدیل
۵۳ کتاب العلل للترمذی
۵۴ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون
۵۵ مجمع الزوائد
۵۶ مجمع بحار الانوار
۵۷ المجموع شرح المہذب
۵۸ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح
۵۹ مسلسل العیدین للکتانی
۶۰ مسند الحمیدی
۶۱ مسند امام احمد بن حنبل
۶۲ المصباح المنیر
۶۳ مصنف ابن ابوشیبہ
۶۴ معجم الصحابہ للامام ابی القاسم
۶۵ المعجم الکبیر للطبرانی
۶۶ معرفۃ السنن والآثار
۶۷ مغنی اللبیب من کتب الاعاریب
۶۸ المفردات فی غریب القرآن
۶۹ المنہاج شرح مسلم بن الحجاج للنوویؒ
۷۰ الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث
۷۱ میزان الاعتدال
۷۲ نزہۃ النظر
۷۳ نعمۃ المنعم
۷۴ النکت علی کتاب ابن الصلاح
۷۵ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری